SHER SHAH SURI: THE LION KING

شیر شاہ سُوری

مُصنّف:
انجم سُلطان شہباز

نظرِ ثانی:
سیّد اشرف حسین رضوی
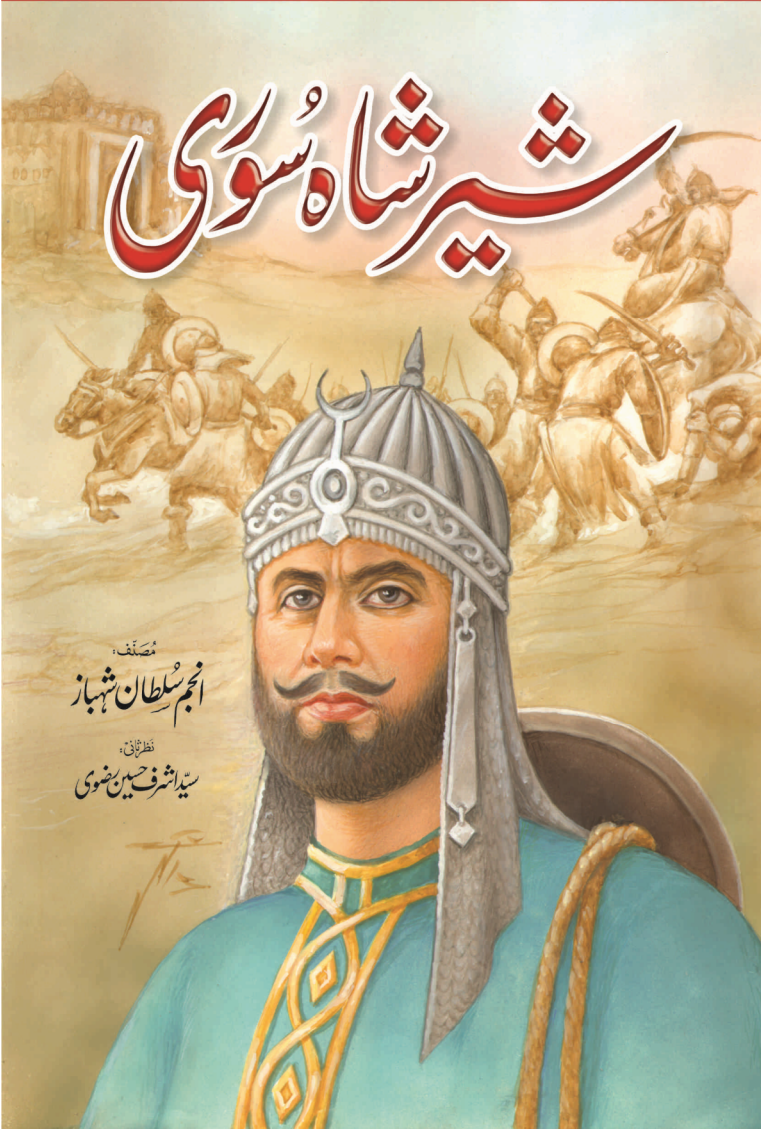
شیر شاہ سوری

مصنف

انجم سلطان شہباز

بک کارنر شورُوم، بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم

رابطہ: 0321-5440882،0544-614977

شہنشاہ ہمایوں کا خراج تحسین

جب شیرشاہ سوری کالنجر کے سانحہ میں جاں بحق ہو گیا تو ہمایوں نے بے ساختہ کہا کہ آج ''استادِ بادشاہاں'' رخصت ہو گیا۔

شیرشاہ سوری

یہ نکتہ خوب کہا شیر شاہ سُوری نے
کہ امتیاز قبائل تمام تر خواری
عزیز ہے انھیں نام وزیری و محسود
ابھی یہ خلعتِ افغانیت سے ہیں عاری
ہزار پارہ ہے کہسار کی مسلمانی
کہ ہر قبیلہ ہے اپنے بتوں کا زُناری
وہی حرم ہے وہی اعتبارِ لات و منات
خدا نصیب کرے تجھ کو ضربتِ کاری!

{ضرب کلیم، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال}

☆ شیرشاہ سوری نے یہ خوبصورت بات کی کہ قبیلوں میں فرق سراسر ذلالت کا باعث ہے۔
☆ افغانوں کو اپنے قبائل کے نام عزیز ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ابھی افغانیت کا لباس پہننے کے قابل نہیں ہے۔
☆ پہاڑوں کے مسلمان ہزار ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں ہر قبیلہ اپنے بتوں کا پجاری ہے۔
☆ وہی کعبہ ہے اور وہی لات و منات ہیں اللہ تجھے کارگر ضرب عطا فرمائے۔

SHER SHAH SURI

Farid later became known as Sher Khan after he killed a full-sized tiger (sher) with his bare hands. Particularly for this event and generally for his ferocity as a warrior, he was then, later on, called Sultan-e-Azam Sher Shah Suri meaning the great lion emperor Sher Shah Suri.(Wikepedia)

پیش لفظ

شیر شاہ کے بارے میں تاریخ کے دامن میں آج جو کچھ بھی ہے اُس کی بنیاد فارسی کتب پر ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ شیر شاہ کسی آندھی اور طوفان کی طرح اُٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے سلطنت ہند کا تاج پہن لیا۔ جس سرعت سے وہ منازل عروج تک پہنچا اسی تیزی سے اُس کا خاندان ہندوستان کی سیاسی تاریخ سے نکل گیا۔ شیر شاہ نے 5 برس حکومت کی اور اس کے جانشین بھی پانچ سالوں سے آگے نہ بڑھ سکے۔

ہندوستان کا سیاسی منظر نامہ صرف دس برس کے قلیل عرصے میں تبدیل ہو گیا اور نئے حکمران جو شیر شاہ سے سخت عداوت رکھتے تھے اس کے آثار ختم کرنے میں کوشاں ہو گئے۔ شیر شاہ کے بارے میں عام معلومات ایلیٹ اور کرنل برگس نے پیش کیں مگر ان پر کڑی تنقید ہوئی اور ان کی اہمیت ختم ہو کر رہ گئی۔ کالکارنجن نے لکھا ہے۔

> ''ایلیٹ نے شیر شاہ کے متعلق جو ترجمہ کیا ہے وہ نہ تو جامع ہے اور نہ ایماندارانہ'' اس نے اسے تخت نشینی کے سال ہی اس تصنیف کا آغاز کیا۔ اودھی زبان کا صوفی شاعر ملک محمد جائسی مصنف ''پدماوت'' شیر شاہ کا ہم عصر تھا۔

شیر شاہ کی جائے ولادت پر بڑی بحث ہوتی رہی ہے اور مؤرخین نے بڑے دلائل دیے ہیں زیر نظر کتاب میں اس کا ایک نیا پہلو سامنے آیا ہے کہ شیر شاہ سوری کی ولادت درحقیقت جہلم میں ''منڈی'' کے مقام پر ہوئی تھی جہاں اس وقت قلعہ روہتاس پوری آب و تاب سے کھڑا ہے۔ یہ معلومات یقیناً قارئین کیلئے بڑی دلچسپ ثابت ہوں گی۔

ہندوستان کی سیاسی بساط پر شیر شاہ ایک پیادے سے شاہ بنا اور اس نے اپنے سیاسی حریفوں کو نہ صرف یہ کہ شہ مات دے دی بلکہ ان کے سارے مہروں کو بھی بکھیر کر رکھ دیا۔ وہ

ہندوستان کے سیاسی اُفق سے ایک بگولہ کی طرح نمودار ہوا اور مہیب طوفان کی طرح بنگال سے دہلی اور دہلی سے پشاور تک چھا گیا۔ جس طرح طوفان کا دورانیہ تو زیادہ طویل نہیں ہوتا مگر مابعد کے اثرات دیر تک رہتے ہیں۔ اسی طرح شیر شاہ اگرچہ صرف پانچ برس تک برسرِ اقتدار رہا مگر اس کے اقتدار اور جنگ کے اثرات نے تاریخِ ہند کے خدوخال تبدیل کر کے رکھ دیئے۔ شیر شاہ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ایک اتالیق اور سپاہی کے طور پر کیا، کبھی مغلوں اور کبھی لودھی افغانوں کیلئے لڑتا رہا۔ اپنی پدری وراثت کے حصول کی تگ و دو نے اس پر ثابت کر دیا کہ دنیا آج بھی ''جس کی لاٹھی اُس کی بھینس'' کے نظام کے تحت چل رہی ہے۔ سوچ کی اس تبدیلی نے پہلے اسے ایک دلیر و سرکش افغان سردار بنایا اور بالآخر اس نے مغلوں کی مضبوط حکومت کو ہلا کر رکھ دیا جس سے جنگ و جدل کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔

یہ دُنیا امن کا گہوارہ ہونی چاہیے مگر امن کی فاختہ کے پر ہمیشہ ہوسِ اقتدار کی بھڑکتی آگ میں جلتے رہے ہیں۔ اسی ہوسِ اقتدار اور ذاتی خواہشات کے عفریت نے اپنوں اور بیگانوں کو باہم برسرِ پیکار اور دست بگریباں رکھا ہے۔ شیر شاہ ایک وجیہہ نوجوان اور سحر انگیز شخصیت کا حامل انسان تھا۔ تعلیم نے اس کی فطری اور موروثی کرختگی کو شائستگی کا جامہ پہنا دیا تھا۔ اس نے عہدِ شباب میں معلمی کا پیشہ اختیار کر کے گویا اس بات کا عملی ثبوت دے دیا تھا کہ اس کے اندر جنگ و جدل کا جو فولاد تھا وہ امن اور انسان دوستی کے باعث موم ہو چکا ہے، شیر شاہ کے گھر میں کشمکش تھی۔ اس نے اپنی ماں کی بے بسی دیکھی، اپنے باپ کو سوتیلی ماں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے دیکھا۔ اس کی معصومیت کا دَور نیرنگیٔ دوراں کا تماشا کرتے بیت گیا۔ اس نے زمانے کے جنگل سے نکلنے کیلئے خود راستے بنائے۔ شیر شاہ اپنے گھر کے حبس زدہ ماحول سے نکل کر کھلی فضا میں چلا گیا۔ جوان ہوا تو جذباتی سہارے بھی مل گئے مگر اپنے حقوق سے محرومی کی تلخی اور بڑھ گئی اور بالآخر اس کے اندر سلگتی ہوئی چنگاریاں بھڑک اُٹھیں۔ ان بھڑکتے ہوئے شعلوں کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور جو کوئی اس کی لپیٹ میں آیا خاکستر ہو گیا۔ اگر شیر شاہ کی حق تلفی نہ ہوتی تو شاید وہ بھی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پرسکون زندگی بسر کرتا ہوا دنیا سے

رُخصت ہو گیا ہوتا۔

وقت نے اسے یہی سبق سکھایا تھا کہ یا توڑ دو یا ٹوٹ جاؤ۔ اگر دوسروں کو جھکاؤ گے نہیں تو وہ تمہیں جھک جانے پر مجبور کر دیں گے۔ اس نے دیکھا کہ ہر جانب زبانی دعوے تو بہت ہیں مگر عملاً انسان دو گروہوں میں بٹ چکا ہے۔ ایک ''حاکم'' اور دوسرا ''محکوم۔'' دونوں میں سے ایک گروہ میں ہونا ناگزیر تھا ''لاٹھی اور بھینس'' کے اس رول (Rule) میں اس نے ''بھینس'' کی بجائے ''لاٹھی'' بننے کا فیصلہ کر لیا۔

بابر نے پانی پت کی لڑائی میں ابراہیم لودھی کو شکست سے دوچار کر کے ''لودھی اقتدار'' کا خاتمہ کر کے ''سلطنت مغلیہ'' کی بنیاد رکھ دی۔ شیر شاہ جب ایک قوت بن کر اُٹھا تو ابھی تک مغل ہندوستان کے مقامی حالات سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں ہو پائے تھے۔ جبکہ شیر شاہ کا ''فرید خان'' سے ''شیر خان'' تک کا زمانہ ہندوستان کی فضاؤں میں بسر ہوا تھا۔ پھر مغلوں کے برعکس شیر شاہ پیدائشی ''ہندوستانی'' تھا اس لئے وہ یہاں کے سیاسی و جغرافیائی حالات سے کامل طور پر باخبر تھا۔ اس نے اپنی حربی حکمتِ عملی میں اس چیز کا بھرپور استعمال کیا۔ وکی پیڈیا میں ہے:

"Seeing the weaknesses in the Mughal rule and military organization, Sher Shah took advantage of the problems faced by Humayun. Eventually he managed to overthrow the Mughal rulers. His reign barely spanned five years, but is a landmark in the history of the Sub-continent. With his deep knowledge and practical experience, he made many brilliant additions and improvements to the existent system. Sher Shah was a capable military and civilian administrator. He set up reforms in various areas. Akbar later built on these reforms and extended them further. Many of these

reforms pertained to the army, but the principal reforms for which he is remembered are those connected with revenue administration. Numerous civil works were carried out during his short reign.

Sher Shah ruled for a short period of five years in which he not only consolidated his power but also brought about important reforms. He died in 1545 from a gunpowder explosion. He was a practical and farsighted ruler who was way ahead of his contemporaries. He is remembered in history for the numerous reforms that he undertook to strengthen the government. He was in truth the greatest ruler that sat upon the throne of Delhi."

قارئین محترم! ''شیر شاہ سوری'' آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ اس کتاب کو خوب سے خوب تر بنا سکوں اور اس میں ہر پہلو سے معلومات دے سکوں اس کے باوجود اگر آپ کی ناقد نگاہیں کوئی کمی محسوس کریں تو براہ کرم مجھے مطلع فرمائیں تا کہ آنے والے ایڈیشن میں اصلاح کی جا سکے۔

اسی کے ساتھ اجازت

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو!

انجم سلطان شہباز

anjumsultan14@gmail.com

0300-5412374

باب ا

شیر شاہ سوری پر لکھی گئی کتب

ایک جائزہ

شیر شاہ کے بارے میں کام کرنے والی شخصیات میں نمایاں نام سر ہنری ایلیٹ، بلاک مین، جیرٹ، ڈاکٹر ڈارن اور مسٹر اینڈ مسز بیورج کے ہیں۔ ولیم (William Erskine) نے ایک کتاب A History of India Under The Two First Sovereigns of the House of Taimur لکھی۔ مسٹر L. F Rushbrook Williams, نے An Empire Builder of the Sixteenth Century کے نام سے ایک کتاب لکھی جو 1918ء میں Longmans نے شائع کی۔ A. B. Pandey نے The First Afghan Empire in India لکھی۔ اس کے بعد A. Halim نے History of the Lodi Sultans of Delhi and Agra, لکھی۔

K. S. Lal نے Twilight of the Sultanate نامی کتاب لکھی مگر ان کتب میں افغان مغل محاذ آرائی اور نئی سیاسی تبدیلیوں کا کماحقہٗ احاطہ نہ کیا گیا۔ حالانکہ اس وقت جو پٹھان زمیندار، جاگیردار اور ملک بنے ہوئے تھے انھوں نے شیر شاہ کا بھرپور ساتھ دیا اور پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی سے چھنا ہوا اقتدار واپس لینے کیلئے منظم انداز میں کام کیا۔ تاہم ان امراء کا ذکر صرف عباس خان سروانی کی کتاب ''تاریخ شیر شاہی'' اور

نعمت اللہ ہروائی کی کتاب ''تاریخ خان لوہانی ومخزن افغانی'' میں ہی محدود رہا۔

ابتدائی مصنفین کی لکھی ہوئی کتب میں افغان یا مغل اثرات کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ تاہم بعد میں William Erskine نے ایک غیر جانبدارانہ کوشش کی۔ اس کے بعد مولوی ذکاءاللہ نے 1916ء میں علی گڑھ سے ایک کتاب ''تاریخ ہندوستان'' لکھی جس میں شیر شاہ سوری کا خصوصی تذکرہ کیا۔ S. K. Banerji نے ایک کتاب ''ہمایوں بادشاہ'' لکھی۔ ایشوری پرساد نے ''ہمایوں، حیات اور عہد'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں افغانوں کے عروج وزوال کو بھی قلم بند کیا۔

اقتدار حسین صدیقی نے ''تاریخ شیر شاہ سوری'' لکھی جو ایک اور غیر جانبدارانہ کوشش قرار دی جاسکتی ہے۔ لیکن اس میں صرف 1540ء (947ھ) میں جنگ قنوج تک کے حالات کا محاکمہ کیا گیا ہے۔

JosephSchwartzbergis نے نقشہ جات کے حوالے سے بہترین کام کیا مگر اس میں شیر شاہ سوری کی مملکت کی نشاندہی نہیں کی۔ تاہم اس نے شیر شاہ سوری کے جنگی میدانوں کو اجاگر کیا۔ نیز اس نے خاندیش کے افغانستان کے ساتھ الحاق کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس نے بنگالیوں کے ساتھ شیر شاہ کی معرکہ آرائیوں کا بھی ذکر نہیں کیا۔

اس کے علاوہ کٹک اڑیسہ کے مسٹر کالکارنجن نے 1921ء میں ''شیر شاہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی اور پھر 1964ء میں ایک کتاب ''شیر شاہ اور اس کا عہد'' لکھی جس میں اول الذکر کتاب میں موجود بیشتر واقعات کی تردید کردی گئی۔ مسٹر کالکارنجن نے نہ صرف شیر شاہ کو ہدفِ تنقید بنایا بلکہ ان تمام لوگوں کو بھی نشانہ بنایا جن کے بارے اُس کا کہنا ہے کہ وہ اس تصنیف میں اس کے معاون تھے۔ اُس نے عباس سروانی، نعمت اللہ، عبداللہ اور احمد یادگار کی تحقیق کو نامکمل، تعصب اور تنگ نظری پر مبنی قرار دیا۔ البتہ نظام الدین احمد، فرشتہ، بدایونی اور ابوالفضل کی تعریف کی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس قدر کڑی تنقید کے بعد مصنف نے عباس سروانی کی کتاب کو شیر شاہ کے بارے میں بنیادی ذریعہ قرار دیا ہے۔

کے۔آر قانون گو نے ''افغان مؤرخین'' پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

''افغان مؤرخین عموماً اور عباس خصوصاً صداقت میں کنجوسی کرنے میں ماہر ہیں اور خاص کر ان واقعات کے متعلق جن سے کہ ان کی قوم کے مشہور شاہکاروں کے کردار پر کوئی دھبّہ لگتا ہو۔ بلکہ بلا تنقید اور ادبی چابک دستی سے اپنے بیانوں کو سنوار و نکھار دیتے ہیں۔''

اسی طرح پٹھانوں کے بارے میں لکھا ہے:

''زمانہ حال میں زمر' راٹھہ' ہا پکنس وغیرہ کی ہند کے آثار قدیمہ اور ویدک عہد کی تحقیق نے قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ موجودہ پختون اسی علاقہ میں رہتے ہیں جس میں کہ ان کے مورث اعلیٰ پکتھا قیام پذیر تھے۔ (ان کا نام پکتھاج بھی تھا یعنی پکتھاؤں کی اولاد) تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح پکتھاؤں نے سورس کے علاقہ پر قبضہ لیا تھا۔ بعدہٗ وہ اس کے بھی جنوب تر علاقہ میں مقیم ہوئے۔ اس کا نام سیبی تھا یہ علاقہ دریائے سندھ کے مغرب میں کوئٹہ سے لے کر ڈیرہ غازی خان تک ایک خط جدی کے جنوب میں واقع ہے۔ پکتھا علاقہ میں رگ ویدی دریا موجزن تھے۔ جیسے کہ کوبھا (کابل) سووستھو (سوات) کُرمو (کرّم) اور گومتی (گومل) یہ سب دریا سندھ میں گرتے تھے۔ یہ آج بھی اسی طرح پختونوں کے علاقہ میں بہتے ہیں۔ پختون تو اپنے پرانے وطن سے وابستہ رہے مگر ان کے برادر یعنی کشتریہ قبائل وسطی ملک یعنی پنجاب اور گنگا کی گھاٹی کو ہجرت کر گئے اور وہاں بھارتیوں کی ماتحتی میں رہنے لگے۔ رگ وید میں پختونوں کا تین مقام پر حوالہ ملتا ہے کہ وہ ویدک صدقہ کیا کرتے تھے آسونی یعنی جوزہ کے معتقد تھے اور زمانہ سلف میں سندھ پار کر کے وہ دوسرے کشتریہ قبیلوں سے کندھا ملا کر

ہندوستان کے میدان میں ترستوقوم کے راجا سوداس سے جنگ آزما ہوئے۔ اس لڑائی کا نام ''دس راجاؤں کی جنگ'' ہے۔ تاریخ کا یہ نہایت ہی پر اثر واقعہ ہے کہ بھارتوں کا قبائل تو ہندوستان کے باشندوں کے ساتھ شیر وشکر ہو گیا اور اس کی امتیازی خصوصیت بھی ختم ہو گئی۔ صرف برآعظم کے بھارت ورش نام میں ان کا نام باقی رہ گیا تھا۔ مگر پکتھا 4000 سال تک گوشہ تنہائی میں اپنی شخصیت کو بچائے رہا۔ اس کی خاص وجہ سے اس کی قوت حیات جو کہ اس کی اولاد میں بمقابلہ اس کے ہندوستانی میدان کے برادروں کی اولاد کے بدرجہا زیادہ ہے۔''

ڈاکٹر پی سرن پر تنقید کرتے ہوئے کالکارنجن لکھتے ہیں:

''یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ کوئی بھی جھوٹ اگر بار بار دہرایا جائے تو تاریخ میں اس کی اہمیت ہو جاتی ہے۔ جو سادہ لوح اور نو وارد مصنفین کو گمراہ کرنے کیلئے کافی ہے۔ اور یہی خاص وجہ پریشانی کی ہے۔ بدقسمتی سے جب سے ڈاکٹر سرن نے اپنی جدت و جولانی طبع سے کام لے کر شیر شاہ کی نئی تاریخ پیدائش معلوم کی ہے۔ انھوں نے اپنا ذہنی توازن کھو دیا ہے اور وہ ہمہ تن شیر شاہ کی ابتدائی زندگی کی تاریخ از سر نو مرتب کرنے میں مصروف ہیں۔ تا کہ ان کی اس نئی تاریخ پیدائش کا میل شیر شاہ کے واقعات زندگی سے بیٹھ جائے۔ اپنی اس کوشش میں وہ کافی نیچے چلے گئے ہیں۔ اپنی اس نئی کوشش میں وہ عباس سروانی کی تاریخ کے اس کچرہ سے کام لے رہے ہیں جس کو میں نے اپنی پہلی تصنیف ''شیر شاہ'' لکھتے وقت کافی غور و خوض کے بعد بے کار سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔''

رزق اللہ مشتاقی، عبداللہ، اور احمد یادگار نے جو کتب مرتب کیں ان میں تاریخی واقعات تو کم ہیں البتہ اس عہد کے حالات و واقعات کا کافی حد تک علم ہو جاتا ہے۔ پدماوتی جیسی کتب اگرچہ ماخذ کے طور پر نہیں لی جاسکتیں تاہم ان سے کچھ جزئیات کا علم ضرور ہوتا ہے۔ جہاں تک انگریزی مصنفین کی تصنیفات کا ذکر ہے تو انھیں ایک حد تک تحقیقی کام تو قرار دیا جاسکتا ہے مگر پھر بھی بنیادی ماخذ نہیں مانا جاسکتا۔

شیر شاہ کے عہد حکومت میں ملک محمد جائسی جیسا عظیم صوفی شاعر پیدا ہوا۔ جس نے اودھی زبان میں اپنی کتاب ''پدماوت'' شیر شاہ کی تخت نشینی کے سال میں ہی لکھنا شروع کر دی تھی۔ یوں شیر شاہ اور جائسی کو اکبر اور تلسی داس کا پیشرو کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

شیر شاہ سوری کے حالات کے حوالے سے ایک کتاب ''تاریخ مجلس آرائی'' کا ذکر بھی آتا ہے تاہم مسٹر کالکا رنجن نے اسے مخزن ہی قرار دیا ہے:

> ''تاریخ مجلس آرائی'' مخزن کا ہی ایک دوسرا نام ہے جو کسی نقل نویس نے مضامین کی نوعیت کے اعتبار سے رکھ دیا ہے۔ جس طرح عام آدمی عباس سروانی کی تصنیف کو ''تاریخ شیر شاہی'' کے نام سے جانتا ہے اور نظام الدین احمد اور فرشتہ کی تواریخ بالترتیب ''تاریخ داؤدی'' اور ''تاریخ فرشتہ'' کے نام سے مشہور ہیں۔ مسٹر رائے نے اپنے دیباچہ میں اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ ایشیاٹک سوسائٹی کا قلمی نسخہ نمبر 100 مخزن کا قدیم ترین اور بہترین ایڈیشن ہے۔ اس نے اپنے ایک مضمون بہ عنوان ''مخزن افغانی اور تواریخ مجلس آرائی'' میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ڈاکٹر ڈارن نے مخزن افغانیہ کے نام سے جس کتاب کا ترجمہ کیا ہے وہ در اصل وہ کتاب نہیں ہے بلکہ جے۔ اے۔ ایس۔ کلکتہ جلد 19-1953 کے مطابق ایک دوسری کتاب ''تاریخ مجلس آرائی'' ہے جس کا مصنف ابراہیم بطنی ہے''۔

ڈاکٹر ڈارن کا ترجمہ اور حواشی مخزن کا سب سے اچھا ترجمہ ہے۔ کوئی دیگر قلمی نسخہ اس کی اس قدر وضاحت نہیں کرتا جیسی اس نے کی ہے۔

جہاں تک شیر شاہ کے عہد حکومت کی تاریخ کا سوال ہے تو مخزن ''بنیادی تصنیف'' نہیں ہے۔ وہ دوسری تصانیف میں بیان شدہ واقعات کی تائید یا تردید ہی کرتا ہے مخزن نے زیادہ تر اپنے سیاسی واقعات لفظ بہ لفظ نظام الدین سے نقل کیے ہیں۔

یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ احمد یادگار کی تاریخ موسومہ ''تاریخ شاہی'' کو مرحوم مولانا شمس العلما ایم۔ ہدایت حسین نے بہت ہی خوش اسلوبی سے مرتب کیا (ببلیوتھیکا انڈکا سیریز کلکتہ مسودہ نمبر 257۔1939ء)۔

عہد شیر شاہی کے سکے، عمارات کے کتبے، توپوں پر کندہ تحریریں بھی شیر شاہ کے سیاسی وانتظامی معاملات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

تاریخ افاغنہ

اس کتاب کا دوسرا نام ''تاریخ دولت شیر شاہی'' ہے اسے حسین خان افغان نے تحریر کیا تھا۔ سرسید احمد خان نے 1840ء میں جام جم کی تصنیف کے دوران اسی کتاب سے استفادہ کیا اور لودھی و سوری سلاطین کے تاریخی حالات و واقعات کو قلم بند کیا۔ ان سے قبل خلاصۃ التواریخ کے مصنف سجان رائے بھنڈاری نے بھی اس کتاب سے مدد لی تھی۔ تاہم اس کتاب میں شیر شاہ سوری کی ولادت، مقام ولادت اور بطور سلطان حکمرانی کی تاریخ کے مزید معلومات نہیں ملتیں۔ شیر شاہ سوری پر اس کے ایک دوست حسن علی خان نے مفصل کتاب لکھی تھی جو ناپید ہو چکی ہے۔ اس کے دو ابواب Rushbrook Williams نے تاریخ دولت شیر شاہی کے نام سے شائع کیے مگر متن اپنے عنوان سے زیادہ مناسبت نہیں رکھتا۔ حسن علی خان نے یہ کام شیر شاہ سوری کی وفات کے صرف تین سال بعد اپریل 1548ء میں مکمل کیا تھا۔ حسن

علی خان کو ''حسین خان'' بھی کہا جاتا ہے۔ پیش لفظ کے بعد اس کتاب کے سات ابواب ہیں جن میں سے دوسرے میں جزوی اور چھٹے میں کلی حالات ملتے ہیں۔ اس کتاب میں شیر شاہ کی زندگی، کارہائے نمایاں، فتوحات اور اس کے امراء پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس لئے یہ کتاب عباس خان سروانی کی تصنیف ''تاریخ شیر شاہی'' پر فوقیت رکھتی ہے اور سب سے اہم بنیادی ماخذ کے طور پر لی جاتی ہے۔

واقعات مشتاقی

اس کتاب میں افغان حکمرانوں کے حالات زندگی ہیں۔ یہ کتاب 73-1572ء میں مرتب کی گئی تھی۔ اس کتاب کے مصنف عبداللہ مشتاقی عرف رزق اللہ مشتاقی ہیں جن کے والد شیخ سعد اللہ ایک صوفی منش انسان تھے جو سلطان سکندر لودھی کے امیر میاں زین الدین کے ساتھ منسلک تھے اور شیخ ملاوہؒ کے مرید تھے جن کا سلطان سکندر بھی مرید تھا۔ رزق اللہ مشتاقی نے راجن کے قلمی نام سے ''پیان'' اور ''جوت نرنجن'' کے نام سے دو شعری مجموعے بھی لکھے۔ رزق اللہ مشتاقی ایک صوفی منش انسان تھا اس نے اپنی کتاب کسی دنیاوی منفعت اور کسی حکمران کی خوشنودی کیلئے نہیں لکھی تھی اس لئے اس کو ایک قابل اعتماد ماخذ کا درجہ حاصل ہے۔ بعد میں آنے والے مؤرخین نظام دین، نعمت اللہ، عبداللہ اور احمد یادگار نے اسی کتاب کی بنیاد پر لکھا۔ رزق اللہ مشتاقی کی کتاب سے لودھی اور افغان حکمرانوں کے بارے میں بنیادی اور مفید معلومات ملتی ہیں۔ اس کتاب میں افغانوں کی عسکری خدمات اور صوبہ بہار میں آبادکاری کا تفصیلی ذکر ملتا ہے جو آگے چل کر تاریخ ہند میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔

تاریخ شیر شاہی

اس کتاب کا نام ''تحفہ اکبر شاہی'' ہے اس میں شیر شاہ سوری کے مکمل حالات ملتے ہیں۔ یہ کتاب اکبر کی فرمائش پر عباس خان بن شیخ علی سروانی نے لکھی تھی۔ عباس خان سروانی

کے جدامجد کا نام بھی عباس خان تھے جس کے بیٹے حنسو خان سے شیر شاہ کی ایک ہمشیرہ کی شادی ہوئی تھی۔ یوں عباس خان شیر شاہ سوری کا ایک معتمد عزیز بن جاتا ہے۔اس کی کتاب سے شیر شاہ کے مقام ولادت کا علم بھی ہوتا ہے۔

ڈاکٹر حسین خان نے اس حوالے سے اپنی کتاب Sher Shah Suri میں لکھا ہے:

'Abbas Khan Bin Shaikh Ali Sarwani, was descended from a certain Abbas Khan. whose son Hansu Khan , married a sister of Sher Shah Suri . The author had, therefore persoanal acquaintance with men whose fathers and grand fathers had served the Lodi and Suri rulers. His account is therefore, considered very reliabel . He is however fond of putting speeches into the mouths of his character and thereby dramatises history."

افسانۂ شاہاں

اس کتاب میں افغان (لودھی اور سوری) حکمرانوں کی 140 کہانیاں لکھی گئی ہیں۔اس کا مصنف محمد کبیر بن شیخ اسماعیل ہزیانی ہے جو بتانی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا شمار جونپور کے اہل علم افراد میں ہوتا تھا۔اس کے دادا شیخ علی ہزیانی اور نانا شیخ علی حقانی کا شمار اپنے عہد کے نیک بزرگوں میں ہوتا تھا۔ شیخ علی ہزیانی چوسہ کی لڑائی میں شیر شاہ سوری کے ہمرکاب تھے ازاں بعد انھوں نے ترک دنیا اختیار کر لی۔کتاب میں شیر شاہ کی خاندیش کی فتح کا ذکر ہے۔ نیز بیان کیا گیا ہے کہ شیر شاہ سوری نے ہر سرائے پر ایک طبیب بھی تعینات کر رکھا تھا اور ہر علاقے میں قحط کے خدشے کے تحت غلہ محفوظ کرنے کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔

تاریخ شاہی

اس کتاب کو'' تاریخ سلاطین افاغنہ'' بھی کہتے ہیں۔اس میں لودھی اور سوری سلطنت کا بیان ہے۔کتاب کا اختتام ہیمو کی موت پر ہوتا ہے۔اس کے مصنف کا نام احمد یادگار ہے جو والد مرزا عسکری کا وزیر تھا۔احمد یادگار نے یہ کتاب ابوالمظفر داؤد (بنگال کا آخری افغان حکمران داؤد شاہ بن سلیمان) کی تحریک پر لکھی۔اس کتاب میں بابر کے آخری دنوں کی تفصیل،منڈاہر پر حملہ کا بیان،شیر شاہ سوری کے کالنجر پر حملہ کی وجہ لکھی گئی ہے جو کسی اور کتاب میں نہیں ملتی۔

تاریخ داؤدی

یہ کتاب عبداللہ نے عہد جہانگیری میں مرتب کی۔اس کتاب کا اختتام داؤد شاہ بن سلیمان کے عہد پر ہوتا ہے جو بنگال میں آخری افغان بادشاہ تھا۔اس نے پیش لفظ میں لکھا ہے:

'' تاریخ صرف مرحوم بادشاہوں کے معمولات کے علم کا نام نہیں بلکہ یہ ایک سائنس ہے جو عملی مثالوں سے دانش میں اضافہ کرتی ہے۔''

اس کتاب میں سلطان سکندر اور شیر شاہ سوری کے سوانح ہیں۔اس کتاب میں وہ معلومات بھی ہیں جو اس موضوع پر دیگر کتب میں نہیں ملتیں۔

تاریخ خان جہان ومخزن افغانی

یہ کتاب افغان حکمرانوں کے بارے میں لکھی گئی ہے جس میں بہلول لودھی سے لے کر خواجہ عثمان (1612ء) تک حالات وواقعات مندرج ہیں اس لئے اسے خاص اہمیت حاصل ہے۔یہ کتاب نعمت اللہ بن خواجہ حبیب اللہ (ہرات) نے لکھ کر خان جہاں لودھی کو پیش

کی تھی۔ اس کتاب کو اسی سے موسوم کیا گیا تھا۔ اس میں خان جہان لودھی کے کچھ سوانح بھی درج ہیں۔ یہ کتاب شیر شاہ کی وفات کے ساٹھ سال بعد لکھی گئی تھی اور نعمت اللہ نے محض پہلی کتابوں سے استفادہ کرنے کی بجائے اس وقت ان لوگوں سے بھی معلومات جمع کیں جو عہد شیر شاہی کے چشم دید گواہ تھے۔ اس چیز نے اس کتاب کو خاصا اہم بنا دیا۔

بابر نامہ یا تُزکِ بابری

یہ کتاب ظہیر الدین بابر کی خودنوشت ہے جس میں اس نے تمام واقعات کو فوری اور صداقت سے لکھا ہے۔ اس کتاب سے مغلوں اور افغانوں کے تعلقات اور چپقلش پر روشنی پڑتی ہے۔ بابر نے اس میں اپنے عزیزوں اور متعلقین کے بارے میں بھی بے لاگ تبصرے لکھے ہیں۔

ہمایوں نامہ

بابر کی بڑی بیٹی گل بدن بیگم نے اس کتاب میں اپنے بھائی ہمایوں کے حالات و واقعات اور افغانوں سے معرکہ کا بیان لکھا ہے۔ نیز اس نے ہمایوں سے بھائیوں کی بے وفائی کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ یہ کتاب 1587ء میں عہد اکبری میں لکھی گئی۔ کئی مؤرخین نے واقعات کے ظہور کی تواریخ کے حوالے سے اس کتاب پر تنقید بھی کی ہے تاہم یہ کتاب ہمایوں اور شیر شاہ کے حوالے سے ایک بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

تذکرۃ الواقعات

یہ کتاب جلال الدین اکبر کی فرمائش پر جوہر آفتابچی نے لکھی تھی چونکہ وہ چوسہ اور قنوج کی لڑائیوں اور ہمایوں کے معمولات کا چشم دید گواہ تھا اس لئے اس کی کتاب بھی ایک اہم ماخذ تسلیم کی جاتی ہے۔

تاریخ رشیدی

یہ کتاب بابر کے عمزاد مرزا محمد حیدر دغلت نے لکھی تھی۔ مرزا حیدر جنگ قنوج میں مغلیہ فوج میں شامل ہو کر بنفس نفیس افغانوں سے لڑا تھا اس لئے وہ ان واقعات کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتا ہے۔ اس نے جنگ کی جزئیات کو بھی بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ہمایوں اوراس کے بھائیوں کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔

طبقات اکبری

یہ کتاب 1593ء میں نظام الدین احمد بخشی نے لکھی تھی اوراس میں ہند کے مسلم سلاطین کا تذکرہ کیا ہے۔اس کتاب میں شیر شاہ سوری کا بھی تفصیلی ذکر ہے۔اس کتاب میں بھی سنین اور مقامات و واقعات کا واضح اختلاف موجود ہے تاہم مؤرخین نے اسے ہمیشہ ایک بنیادی ماخذ قرار دیا ہے۔

منتخب التواریخ

یہ کتاب ملا عبدالقادر ملوک شاہ بدایونی کی تصنیف ہے جو 1595ء میں مرتب ہوئی۔اس کتاب میں بھی مسلم حکمرانوں کی تاریخ بیان کی گئی جس سے افغان مغل تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ کتاب میں لودھی سلاطین کا مختصر مگر جامع تذکرہ ہے جبکہ سوری عہد کے حوالے سے اس میں نایاب معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

اکبرنامہ

ابوالفضل اکبر کا درباری مؤرخ تھا اس لئے اسے مواد کے حصول میں کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہیں تھا۔اکبرنامہ 1601ء میں مرتب کی گئی۔ مغلوں اور افغانوں کی تورایخ

ایک دوسرے سے منسلک ہیں اس لئے اس کتاب میں حسن خان اور شیر شاہ سوری کا ذکر بھی ہے۔شیر شاہ کی سلطنت کے سات حصوں (صوبوں) کا ذکر بھی ہے۔اس کتاب سے شیر شاہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

آئین اکبری

یہ کتاب بھی ابوالفضل کی تصنیف ہے جو 1597ء میں لکھی گئی۔اس میں اکبر کی زرعی اصلاحات اور نظام مالگذاری کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ اکبر نے یہ نظام شیر شاہ سوری سے اختیار کیا تھا۔

لطائف قدس

یہ کتاب بنیادی طور پر تصوف کی کتاب ہے جس میں سلسلۂ چشت کے بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے سوانح حیات ہیں۔یہ کتاب ان کے بیٹے شیخ رکن الدین نے لکھی تھی۔ تاہم اس میں مغل افغان تصادم کے حوالے سے مختلف واقعات ملتے ہیں۔شیخ رکن الدین سروانیوں کے ساتھ رہے اور افغانی لشکروں کے ساتھ بہار، بنگال، مالوہ اور گجرات میں رہے اور اس دوران جن واقعات کا مشاہدہ کیا انھیں مذکورہ کتاب میں قلم بند کر دیا۔یہ کتاب 1537ء میں شروع ہوئی اور 1540ء میں ختم ہوئی کیوں کہ اس میں ہمایوں اور شیر شاہ کی جنگ قنوج کا حوالہ بھی ہے۔

پدماوت

اس کتاب کے مصنف کا نام ملک محمد جائسی ہے۔یہ کتاب 1940ء میں شروع کی گئی جب شیر شاہ تخت دہلی پر متمکن تھا۔جائسی ایک پر گو شاعر تھا اور اس نے بہت سے چشم دید واقعات کو قلم بند کیا ہے۔

تذکرۃ الملوک

اس کتاب میں بیجا پور کے سلطانوں کا تذکرہ ہے تاہم اس میں سوری سلطنت کے حوالے سے بہت سی معلومات ملتی ہیں۔اس کے مصنف کا نام سید رفیع الدین ابراہیم نورالدین بن توفیق شیرازی ہے جو عادل شاہی دربار میں ایک معزز امیر کے درجے پر فائز تھا۔اُس نے 1559ء سے 1611ء تک علی عادل شاہ اور ابراہیم عادل شاہ ثانی کی خدمات سرانجام دیں۔ مصنف نے سہسرام اور دہلی کا دورہ کیا اور افغان مغل چپقلش سے آگاہی حاصل کی۔تاہم کتاب مذکور کے کچھ واقعات مثلاً شیر گڑھ کے مقام پر ہمایوں اور شیر شاہ کا تصادم،شیر شاہ کی سہسرام میں ایک بندوق کا معائنہ کرتے ہوئے بندوق چلنے سے موت جیسے واقعات کو مستند نہیں مانا جاتا لیکن ہیمو اور بیرم خان کے واقعات تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔

گلشن ابراہیمی (تاریخ فرشتہ)

گلشن ابراہیمی تاریخ فرشتہ کے نام سے معروف ہے۔اس کتاب کے مصنف کا نام ملا محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ ہے۔اس نے یہ کتاب 1612ء میں سلطان ابراہیم عادل شاہ کے دربار بیجا پور میں مکمل کی۔سوری سلاطین کے حوالے سے اس نے نظام الدین کی کتاب ''طبقات اکبری'' کو ماخذ بنایا تاہم نظام الدین کی غلطیوں کی اصلاح کر لی۔اس نے گجرات اور پنجاب میں سوریوں کی سرگرمیوں کا بڑا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

معدن اخبار احمدی

یہ کتاب 1614ء میں احمد بن بہبل بن جمال کمگو (کنبو) نے لکھی۔یہ ایک عام عالمی تاریخ ہے جس میں چغتائی سلطنت اور امیر تیمور سے جہانگیر بادشاہ تک کے واقعات کا تذکرہ ہے۔اس میں شیر شاہ سوری کے کردار کے مختلف پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی گئی

ہے۔شاہراؤں کے کنارے درخت اگانے اور سرائے تعمیر کرنے کے حوالے سے شیر شاہ کو سراہا گیا ہے۔

زبدۃ التواریخ

یہ کتاب نور الحق مشرقی بن شیخ عبد الحق دہلوی کی تصنیف ہے۔انھوں نے اپنے والد کی کتاب ''تاریخ حقی'' میں اضافہ کیا اور 1605ء میں منظر عام پر لائے۔اس کتاب میں شیر شاہ کے حوالے سے کئی واقعات ایسے بھی پیش کیے گئے جو دیگر مصنفین نے پیش نہیں کیے۔

گلزار ابرار

یہ کتاب محمد غوث شطاری نے لکھی جس میں ساتویں سے دسویں صدی ہجری تک کے اولیا کا ذکر ملتا ہے۔ہمایوں اور شیر شاہ کے تصادم اور مشائخ کے کردار کا ذکر ہے۔ یہ کتاب 1613ء میں مکمل ہوئی۔

باب ۲

شیر شاہ سوری

مؤرخین کی نظر میں

شیر شاہ نے اپنے پانچ سالہ عہدِ حکومت میں......اتنی قلیل مُدت میں اتنے بڑے بڑے کام کئے کہ مؤرخین حیران نظر آتے ہیں۔اُس کی شخصیت،اُس کے کردار،اُس کے نظامِ سلطنت،اُس کے کارناموں پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔

مسٹر کینے(Mr. Keene) اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ

''کسی بھی حکومت نے حتیٰ کہ برطانوی حکومت نے بھی اتنی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا جتنا کہ اس پٹھان نے۔''

"No Government.---not even the British---has shown so much wisdom as this Pathan."(Mr. Keene)

'دی لائف اینڈ ٹائمز آف ہمایوں' میں ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے لکھا:

''شیر شاہ سوری ایک معمولی جاگیردار کے لڑکے سے ترقی کر کے ہندوستان کی سلطنت کا فرمانروا بن گیا اور وسیع علاقے کو اپنے قبضے میں لے آیا۔اُس نے مغلوں کو ہندوستان سے نکال کر اُن کے غرور و تکبر کا سر کچل دیا۔ اُس نے طاقتور فوج ترتیب دے کر اپنے ہم عصر

بادشاہوں پر اپنا رُعب و دبدبہ قائم کیا۔ اپنی سلطنت کو مستحکم بنانے کے سلسلہ میں اُس کی اصلاحات اور عوامی فلاح و بہبود کی کوششوں نے شیر شاہ کو دوست و دُشمن سب کی نظروں میں مقبول بنا دیا۔ اُس نے اپنی قابلیت ہی کی بنا پر افغانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور آپس کے اختلافات ختم کر دیے۔ اس کے باوجود شیر شاہ اپنے کارناموں سے مطمئن نظر نہیں آتا۔''

'ہسٹری آف اِنڈیا انڈر بابر اینڈ ہمایوں (History of India under Babur and Humayun)' میں William Erskine نے لکھا ہے:

''شیر شاہ اپنی معاملہ فہمی، دیوانی اور مالی معاملات میں تجربہ اور فوجی وجنگی لیاقت، الغرض حکومت کی قابلیت کی بناء پر تخت کا وارث بنا اور اس نے بے مثال اعلیٰ خوبیوں کا مظاہرہ کیا۔ عقلمندی اور زندگی کے ہر شعبہ میں وہ ہندوستان کے تمام حکمرانوں کے مقابلے میں بہت اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک تھا۔''

'مُغل گورنمنٹ اینڈ ایڈمنسٹریشن' میں S.A Sharma نے لکھا:

''اگرچہ بابر کی طرح شیر شاہ بھی صرف پانچ سال تک دہلی کے تخت پر جلوہ افروز رہا لیکن اس نے سلطنت کے علاوہ کئی ایک چیزیں وراثت میں چھوڑیں۔ اوّل، یہ کہ منتشر صوبوں کو اپنی حکومتی اصلاحات سے متحد کرنے کی کوشش کی جس سے ملک کی تمام طاقت اُس کے ہاتھ میں مرکوز ہوگئی اور افغانوں کی سرحدی پالیسی کے نتیجے میں منتشر حکومتوں پر شیر شاہ کا تسلّط مستحکم ہوگیا اور بعد میں اکبر کیلئے طاقتور مرکزی حکومت قائم کرنے کا راستہ ہموار ہوگیا۔ دوم یہ کہ اُس نے ملک کے تمام نظام حکومت کو ایک معیار پر لانے کی کوشش کی اور اسے سیاسی

اتحاد بخشا۔ اس کے علاوہ تمام ہندوستان میں سڑکوں اور سراؤں کا جال بچھانے اور افسروں کو ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں تبادلہ کرنے اور اہم مقامات پر نئے نئے قلعے تعمیر کرانے اور صحیح اصولوں پر مالیہ اکٹھا کرانے کے سلسلہ میں شیر شاہ نے نمایاں کام سرانجام دیئے۔ سب سے قابل تعریف بات یہ ہے کہ شیر شاہ نے مسلم اور غیر مسلم رعایا کے درمیان تفریق کی گہری خلیج ختم کرنے کی کوشش کی اور تمام مسافروں کو سراؤں میں یکساں سہولتیں اور نظام سلطنت میں ہندوؤں کی تقرری اور کاشتکاروں کیلئے جو ملک کی ریڑھ کی ہڈی تھے سرتوڑ کوششیں کیں۔ چنانچہ اعلیٰ عدل وانصاف شیر شاہ کی غیر جانبداری کا بیّن ثبوت ہے۔''

سر ولزلے ہیگ (Sir Woolseley Haig) نے لکھا:

''ہندوستان کے مؤرخین نے شیر شاہ کو صحیح خراجِ عقیدت پیش نہیں کیا جن کیلئے شیر شاہ کی حیثیت افغان باغی سے زیادہ نہ تھی۔ درحقیقت وہ دہلی کے تخت پر بیٹھنے والے تمام بادشاہوں میں سب سے بڑا تھا۔ قطب الدین ایبک سے لے کر اورنگ زیب تک امورِ سلطنت میں مکمل معلومات اور دیگر عوامی معاملات کو سمجھنے اور عمل کرنے میں شیر شاہ کے مقابلے کا کوئی دُوسرا حکمران نہیں گذرا۔ اس نے افغان سرداروں کے قبائلی تعصّبات اور آپس کی خانہ جنگیوں کو ختم کیا اور سہولت کا انتظام کیا۔ اُس نے ملک میں اس قدر بہتر نظم وضبط قائم کیا کہ کسی شخص کو دُوسرے کی چیز پر نظر رکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

اُس کے عہدِ حکومت میں ایک بُوڑھی عورت اپنے سونے کے برتن ساتھ رکھ کر جنگل میں سو سکتی تھی اور ایک اپاہج شخص کسی رُستم سے بھی نہ

ڈرتا تھا۔شیر شاہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان تھا۔مذہب کے نام پر اُس نے کبھی کسی پر سختی نہیں کی۔وہ اکبر کے مقابلہ میں کہیں زیادہ عقلمند تھا۔اُس نے ہر شخص کو اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت دی ہوئی تھی۔

شیر شاہ کا مختصر دور ملک کے اتحاد کی ترقی میں صرف ہوا جس کی اہمیت اور ضرورت شیر شاہ نے بہت عرصہ پہلے محسوس کر لی تھی۔اگرچہ وہ پکا مُسلمان تھا لیکن اُس نے اپنی رعایا کے ساتھ کبھی سختی نہیں کی۔اُس کی بتدریج ترقی لوگوں کی خوشحالی کا باعث بنی اور تباہی کے امکانات جو ہندوستان میں عام تھے، معدوم ہوتے چلے گئے۔طویل قتل و غارت کے بعد نظم وضبط کا یہ دور بہت سراہا گیا اور ہمیں بغیر کسی تامل اور تردّد کے خوشی کا اظہار کرنا چاہیے کیوں کہ شیر شاہ کے کارنامے اُس کے دُشمن بھی مانتے ہیں جبکہ وہ خود اور اس کی سلطنت صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہے۔''

ڈاکٹر سمتھ (Dr. Smith) نے کہا:

''شیر شاہ خانہ بدوش افغان قبیلہ کے راہنما سے کہیں زیادہ اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک تھا۔فنون عمارت میں اُس کا لطیف ذوق، اس کے اپنے تعمیر کردہ مقبرے میں صاف نمایاں ہوتا ہے جو بہار میں سہسرام کے مقام پر بنوایا گیا۔اُس نے نظامِ سلطنت اور اور دیگر اصلاحات نافذ کر کے اعلیٰ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔یہ تمام نظام، علاؤالدین خلجی کے نظام سے ملتا جلتا ہے جسے بعد میں اکبر نے ترقی دی۔اس نے سکہ سازی میں اصلاحات کیں، عمدہ اور نقرئی سکے جاری کیے، جو اُس کے پانچ سالہ طوفانی دورِ حکومت کا بہترین ریکارڈ ہیں۔

اگر شیر شاہ کچھ عرصہ اور زندہ رہ جاتا تو تاریخ میں 'عظیم مغلوں' کا نام
تک نہ آتا۔"

I'f Sher Shah had been spared, the Great Mughals would not have appeared on the stage of history. ('Dr. Smit h)

ڈاکٹر ترپاٹھی "Rise and Fall of the Mughal Empire" میں لکھتے
ہیں:

"اگر شیر شاہ اور زندہ رہتا تو اکبر اعظم سے سبقت لے جاتا۔ وہ دہلی میں سب سے زیادہ نامور سیاستدان تھا۔ اُس نے اکبر کی کامیاب پالیسی کیلئے راستہ ہموار کیا اور صحیح معنوں میں اکبر کا پیشرو کہلانے کا مستحق ہے۔ ڈاکٹر ترپاٹھی نے Crookes کی تائید کرتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ شیر شاہ کی اصلاحات جو کہ اُس نے پانچ سالہ مختصر دورِ حکومت میں کیں، اُس کی انتظامی صلاحیتوں اور قابلیت کا حیران کُن ثبوت ہیں۔"

"----That he (Sher Shah) introduced such extensive reforms in his short reign of five years, is a wonderful proof of his executive ability."

کالکارنجن نے لکھا ہے:

"شیر شاہ کے قلم اور زبان میں یہ وصف تھا کہ وہ کٹّر سے کٹّر دشمن کو بھی اپنے ارادے سے بے خبر رکھتا تھا جب تک اس پر حملہ کرنے کی تیاریاں مکمل نہ کر لے۔"

باب ۳

امراء کا کردار

افغانوں سے اقتدار مغلوں کو منتقل ہونے میں امراء نے نہایت اہم اور بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ سلطان ابراہیم لودھی سے ناخوش و ناراض امراء نے ظہیرالدین بابر کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دی مگر جب انھوں نے دیکھا کہ بابر نے دہلی میں مغل حکومت کی مستقل داغ بیل ڈال دی ہے اور اب افغان ہمیشہ مغلوں کے دست نگر بن جائیں گے تو انھوں نے ایک بار پھر تحریک شروع کر دی اور اقتدار افغانوں میں واپس لانے میں کوشاں ہو گئے۔ خوش قسمتی سے انھیں شیر شاہ سوری جیسا قابل اور معتمد رہنما میسر آ گیا۔ اس وقت کچھ افغان قبائل سیاسی مصلحت کے تحت مغلوں کے حاشیہ نشین تھے مگر انھوں نے بھی در پردہ افغان تحریک کی معاونت کی اور شیر شاہ سوری اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوا۔

افغان جاگیردار، ملک اور زمیندار ہندوستان کے مستقل باشندے بن چکے تھے اور چونکہ شیر شاہ سوری نے بھی ہندوستان میں جنم لیا تھا اور اسی کی فضاؤں میں پروان چڑھا تھا اس لئے اگر اسے ہندی افغان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

امراء نے ہر طرح سے شیر شاہ کی مدد کی جس کے نتیجے میں وہ مغلوں کے قدم اکھیڑنے میں کامیاب رہا۔ ان امراء کے نزدیک بابر بیرونی حملہ آور جب کہ شیر شاہ اسی دھرتی کا سپوت تھا اور افغانوں کا مفاد اور مستقبل اسی سے وابستہ تھا۔

بنگال اور بہار میں اس وقت افغانوں کا اثر و رسوخ پوری طرح پھیلا ہوا تھا اور اب

یہی علاقے ان کا وطن تھے۔

سلطان سکندر لودھی (1489ء تا 1517ء)

اس وقت شاہو خیل لودھی حکمران تھے جبکہ یوسف خیل لودھی، سارنگ خانی لودھی، فارمولی، نہانی، سروانی ان کے ماتحت تھے۔ واقعات مشتاقی میں لکھا ہے:

''سلطان شاہو خیل یا یوسف خیل سے ہوتا تھا باقی لوگ لودھیوں کے ماتحت ہوتے تھے۔''

عباس خان سروانی نے لکھا ہے کہ سلطان بہلول لودھی (1451ء تا 1489ء) نے افغانستان سے پٹھانوں کو ہند میں آنے کی دعوت دیتے ہوئے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے دہلی کا تخت افغانوں کو عطا کیا ہے مگر ہندوستانی راجکمار افغانوں کو ہندوستان سے باہر نکال دینے کے درپے ہیں۔ اگر میرے قبیلے کے لوگ افغانستان سے میرے پاس چلے آئیں تو اگرچہ سلطانی میرے پاس ہی رہے گی لیکن ہر وہ علاقہ جو ہم نے فتح کیا ہے یا آئندہ کریں گے اپنے بھائیوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔''

سلطان سکندر لودھی کا ایک امیر راجہ کلیان تھا۔

سلطان ابراہیم (1517ء تا 1526ء) کے مشہور امراء

مولانا شیخ فرید دہلوی

ملک فیروز اعوان

سید ناصر خان

شہزادہ سلطان محمد سلطان ناصر الدین خلجی مالوہ کا بھانجا تھا۔

وکرما دتیہ حاکم گوالیار۔ سلطان کی حمایت میں لڑتا ہوا پانی پت کے میدان جنگ میں کام آیا۔

سلطان ابراہیم لودھی امراء کے درمیان تخت پر نہیں بیٹھتا تھا، وہ مسند عالی کہلاتا تھا۔ اس نے اپنا

خزانہ بھی امراء میں تقسیم کر دیا تھا۔

امراء نے سلطان ابراہیم کی قوت و جبروت کم کرنے کیلئے اس کے بھائی جلال خان کو جونپور کی شرقی سلطنت دے دی۔سلطان ابراہیم نے امراء کا رسوخ کم کرنے کیلئے انہیں حکومت کا خادم بنا دیا اور تاریخ فرشتہ کے مطابق اس نے کہا کہ بادشاہوں کے تعلقات قرابت نہیں ہوتے۔اس سے امراء اس سے بدظن ہو گئے اور انہوں نے بابر کو حملہ کی دعوت دے دی۔حملہ کی دعوت دینے والے امراء میں یہ لوگ شامل تھے۔

دولت خان لودھی	دلاور خان لودھی	تاتار خان لودھی
خان جہان لودھی	جمال خان لودھی سارنگ خانی	احمد خان لودھی بن جمال خان
میاں بایزید بن عطا لودھی	حاتم خان لودھی	بھیکن خان لودھی
جلال خان لودھی	دلاور خان بن احمد خان سارنگ خانی	سید خان بن مبارک خان یوسف خیل
کبیر خان لودھی	خضر خان لودھی	دریا خان نہانی
ناصر خان نہانی	بہادر خان نہانی	خضر خان نہانی
بھیکن خان نہانی	شیخ زادہ محمد فارمولی	میاں حسین خان فارمولی
میاں معروف فارمولی	میاں طہٰ فارمولی	میاں محمد المعروف کالا پہاڑ
میاں سلیمان فارمولی	مجلس عالی شیخ زادہ محمد فارمولی	مسند عالی بھیکن خان فارمولی
خان خاناں فارمولی	شیخ زادہ منجھو	اعظم ہمایوں سروانی
فتح خان سروانی	ملک آدم کاکڑ	سکندر خان کاکڑ

شادی خان کاکڑ	کریم داد تغ	داؤد خاں
حمید خان ہیبت خان گرگ انداز	محمود خان	
زین خان مولانا شیخ فرید دہلوی	سید ناصر خان	
شہزادہ سلطان محمد	ملک فیروز اعوان	وکرمادتیہ

لودھی سلطنت میں بادشاہ کو امراء پر کوئی فوقیت حاصل نہیں تھی مجلس امراء میں بھی بادشاہ کسی خاص نشست پر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب سلطان ابراہیم لودی نے مطلق العنان بادشاہ بننے کی کوشش کی تو بااثر افغان امراء اسے برداشت نہ کر سکے اور اس کو جھکانے کی کوششیں کرنے لگے۔ یہ تحریک اس وقت اور بھی زور پکڑ گئی جب ابراہیم لودی کے استاد، صدر سلطنت، مقرب خاص اور مشیر اعلیٰ مولانا شیخ فرید دہلوی نے بھی علم بغاوت بلند کر دیا۔ شہزادہ عالم خان بن سلطان بہلول لودی کو برسر اقتدار لانے کی کوششیں شروع کر دیں۔

دریا خان اور اس کا بیٹا بہار خان اس تحریک کے ہراول میں تھے۔ دولت خان لودھی نے پنجاب میں بغاوت کر کے عالم خان کی حمایت کا کھلم کھلا اعلان کر دیا اور اسی دولت خان نے ظہیر الدین بابر کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دی۔

بابر نے 1526ء میں حملہ کر کے ہندوستان پر قبضہ کر لیا اور جب افغان امراء کی توقع کے برعکس حکومت افغانوں کو دینے کی بجائے سلطنت مغلیہ کی داغ بیل ڈالی تو افغان امراء گجرات، بنگال اور بہار میں دوبارہ متحد ہو گئے۔ شیر شاہ ان کا متفقہ رہنما بن گیا جس نے افغانوں اور مقامی راجپوتوں کی مدد سے مغلوں کو ہند سے باہر دھکیل کر دوبارہ افغان راج قائم کر دیا۔

1486ء میں سلطان بہلول لودھی نے جون پور کا علاقہ شرقی سلطان سے چھین کر اپنے بیٹے باربک شاہ کو نائب امیر المؤمنین بنا دیا جس نے اسی سال اپنے نام سے سکے بھی جاری کیے۔ جب سلطان ابراہیم لودھی نے امراء کا رسوخ کم کرنے کی کوشش کی تو جنوبی بہار کے دریا خان نوہانی نے بھی بغاوت کر دی۔ بہلول لودھی نے جن فارمولیوں اور نوہانیوں کو اس علاقے میں آباد کیا تھا سب اس کے ساتھ مل گئے۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے بہار خان نے یہ مشن جاری رکھا۔ جنوبی بہار کے افغان قبائل نے اسے اپنا بادشاہ بنا لیا اور اس نے ''سلطان محمد''

کا لقب اختیار کر لیا۔

مسند عالی، امیر الامراء دریا خان مبارک خان نوہانی کا بیٹا تھا۔ مبارک خان کو سلطان سکندر لودھی نے 1495ء میں جنوبی بہار کا حاکم بنایا تھا۔ وہ امیر الامراء اور سلطنت کا وزیر بھی تھا۔ اس کے بعد دریا خان نے نہ صرف سلطان حسین شرقی کے طوفانی اور تابڑ توڑ حملوں کا بھر پور جواب دے کر اسے پسپا کر دیا بلکہ اوڑیسہ، بنگال اور تر ہوٹ کے حاکموں کی جارحانہ کار روائیوں کو بھی نا کام کر دیا جو جنوبی بہار پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتے تھے۔ نعمت اللہ اور رزق اللہ مشتاقی نے اپنی تصانیف میں ان واقعات کا بڑا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ دریا خان نے 1524ء میں اس وقت اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا جب اعظم ہمایوں اور میاں بھووا جیسے امراء زندان میں مر گئے اور باقی امراء نے سلطان ابراہیم کے خلاف اتحاد کر لیا۔ البتہ جمال خان سارنگ خانی والی جونپور آخر تک سلطنت دہلی کا وفادار رہا۔

سلطان محمد کے نام کا خطبہ دو سال اور چند ماہ پڑھا جاتا رہا۔ اس نے اپنے نام کے سکے بھی جاری کیے۔

افواج دہلی مصطفیٰ فارمولی اور فیروز خان سارنگ خانی کی قیادت میں جنوبی بہاڑ پر چڑھ دوڑیں۔ مصطفیٰ نے ناصر خان کو غازی پور سے بھگا دیا اور سون ندی کے کنارے پڑاؤ ڈالا کچھ دن بعد یہیں داعی اجل کو لبیک کہا اور اس کے بعد اس کے بھائی بایزید فارمولی نے افواج کی کمان سنبھالی۔ بایزید اور فیروز خان نے کانپور تک نوہانی فوج کا تعاقب کیا گیا۔

بہار کے لشکر کا سالار فتح خان تھا۔ اس نے سون ندی کے پار پوزیشن سنبھال لی۔ لشکر دہلی نے ندی پار کر کے اسے شکست دے دی لیکن مال غنیمت لوٹنے کے بعد دہلی کی سپاہ ادھر ادھر منتشر ہو گئی جب کہ ناصر خان ابھی 30000 گھوڑ سواروں کے ساتھ دفاع کیلئے تیار کھڑا تھا۔ دہلی کے بائیس امراء اسے پیٹھ دکھا کر بھاگ گئے۔ جب بایزید کو اس شکست کی خبر ملی تو اس نے تین بار حملہ کیا مگر ہر بار نا کام رہا۔ 1526ء میں دہلی کا لشکر نا کام لوٹ گیا جبکہ سلطان محمد نے 1529ء کے لگ بھگ وفات پائی۔

بنگال کے نصرت شاہ نے مغلوں کی بڑھتی ہوئی یلغار روکنے کیلئے ایک جانب تو اہل بہار سے اتحاد کیا اور اپنے بھائی مخدوم شاہ کو غازی پور میں تعینات کر دیا اور دوسری جانب مغلوں

کو تحفے تحائف دے کر اپنی جانب سے اطمینان دلا دیا مگر اس کا یہ بھرم زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔

امراء کے کردار کی اہمیت اس بات سے عیاں ہو جاتی ہے کہ جب بابر نے سونم اور سمآنا کے مقام پر پڑاؤ کیا تو میاں بین نے بابر کا خیر مقدم کیا اور اس کے ہاتھ مضبوط کیے لیکن بابر کی کامیابی کے بعد وہ اس کا ساتھ چھوڑ کا افغان اتحاد میں شامل ہو گیا۔ شیخ بایزید نے اپنے بھائی مصطفی فارمولی کی وفات کے بعد اپنی بیوہ بھابھی فتح ملکہ کی دولت سے امراء کی دعوتیں کر کے ان کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ناصر خان نہانی سے جنگ کی ۔ ناصر خان نہانی نے بعد میں مغلوں کے خلاف سرگرمی دکھائی ۔ اس نے مصطفی فارمولی کی موت کے بعد بایزید کو بھی غازی پور سے نکال باہر کیا تھا۔ ناصر خان یکم مارچ 1529ء کو فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے فرید خان نے جلال خان نہانی کے ساتھ مل کر بابر کی اطاعت کر لی ۔ میاں معروف فارمولی نے بنگال کی مہم کے دوران شیر شاہ کے جرنیل خواص خان کو 30000 سپاہیوں سے مدد دی تھی ۔

دولت خان کا کردار

دولت خان لودی بیس سال سے پنجاب کا حکمران تھا۔ جب جنوبی بہار کے افغان بغاوت کیلئے اٹھ رہے تھے سلطان ابراہیم نے دولت خان بن تا تار خان کو طلب کیا۔ اس وقت تک چند امراء کو قتل کیا جا چکا تھا۔ اس لئے دولت خان کھٹک گیا۔ اس نے اپنی علالت کا بہانہ کرتے ہوئے اپنے بیٹے دلاور خان کو سلطان کی پاس بھیج دیا۔ اس پر سلطان سیخ پا ہو گیا اور اس نے دولت خان کو سبق سکھانے کا اعلان کیا۔ دلاور خان وہاں سے بھاگ آیا اور اپنے باپ کو بدلتے ہوئے حالات سے آگاہ کیا۔ دولت خان نے اس پر دلاور خان کو ظہیر الدین بابر کے پاس بھیجا اور اس کے بعد عالم خان کو بھی روانہ کر دیا۔

عالم خان بابر سے ملا، مدد کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ اگر اسے اس کی مدد سے تخت دہلی مل گیا تو وہ پنجاب بابر کو دے دے گا۔ بابر کی نظر پہلے سے ہی پنجاب پر تھی اور وہ اسے اپنی تیموری وراثت سمجھتا تھا۔ اس سے قبل وہ بھیرہ پر حملہ کر کے علی خان بن دولت خان سے کافی علاقہ چھین چکا تھا۔ اس نے سلطان ابراہیم کے پاس ایک وفد بھیج کر پنجاب کا مطالبہ کیا تھا مگر دولت خان نے اس وفد کو سلطان تک پہنچنے ہی نہیں دیا تھا۔

سلطان ابراہیم نے بہار خان، مبارک خان اور بھیکن خان نوہانی کو دولت خان کی گوشمالی کیلئے بھیجا جنھوں نے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اس پر بابر نے عالم خان کو سیالکوٹ پر حملے

کیلئے روانہ کیا اور خود 1524ء میں لاہور فتح کرلیا۔اس وقت دولت خان دیپالپور کے مقام پر بابر کا منتظر تھا۔

بابر نے دولت خان کو جالندھر اور سلطان پور کا قصبہ بطور جاگیر دیا۔ سلطان پور دولت خان کا آبائی قصبہ تھا۔ دولت خان کو بابر سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ اسے اس قدر کم جاگیر دے گا۔ اس نے بابر سے انتقام لینے اور اس کی طاقت کم کرنے کیلئے مشورہ دیا کہ وہ ڈیرہ اسماعیل خان کے جلوانی افغانوں پر حملہ کرے۔تاہم اس کے بیٹے دلاور خان نے کسی وجہ سے اپنے باپ کے اس منصوبے سے بابر کو آگاہ کردیا۔ بابر نے دولت خان کو حراست میں لے کر زنداں میں قید کردیا۔ جب وہ کابل واپس روانہ ہوا تو دولت خان کو آزاد کردیا اور دلاور خان کو ''خان خاناں'' کا خطاب اور جاگیر دی۔

اس دوران بابر نے لوگوں کے دلوں میں اپنی بہادری کا سکہ بٹھانے اور مرعوب کرنے کیلئے لاہور میں کئی عمارات کو نذر آتش کرادیا اور دیپالپور میں سپاہیوں کا قتل عام کرایا۔

سلطان ابراہیم نے دولت خان کو خط لکھ کر اس کے خاندان پر اپنے احسانات کا تذکرہ کیا اور اس بات پر اسے برا بھلا کہا کہ اس نے مغلوں کو ہند میں آنے کی دعوت دی ہے۔

دولت خان نے اس خط پر مصالحانہ اور مثبت رویہ اختیار کرنے کی بجائے کہا:

''ہندوستان میں مغلوں کو آنے کی دعوت میں نے نہیں بلکہ آپ کے اعمال نے دی ہے''۔

اس دوران میں دولت خان پر واضح ہو چکا تھا کہ بابر حکومت افغانوں کو دینے کی بجائے خود تخت دہلی پر بیٹھنے اور مغل سلطنت قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

اس لئے دولت خان نے دونوں سے الگ ہوکر سیالکوٹ پر قبضہ کرلیا۔اس نے دہلی سے آنے والے لشکر کو شکست دیدی لیکن لاہور میں اسے کامیابی حاصل نہ ہو پائی۔دولت خان نے اپنے بیٹے دلاور خان کو بھی بابر کے حمایت کی وجہ سے قید کرلیا۔اس دوران میں عالم خان دوبارہ کابل گیا اور اس نے بابر سے ایک شاہی فرمان حاصل کیا جس میں امرائے لاہور کو اس کی مدد کا حکم دیا گیا تھا۔دولت خان اور دیگر امراء نے کہا کہ وہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ سلطان ابراہیم کی بجائے عالم خان تخت دہلی پر بیٹھے۔

اس کے بعد غازی خان نے کلانور پر حملہ کیا جہاں مغلوں کا قبضہ تھا۔اسماعیل خان

جلوانی اور میاں سلمان فارمولی بھی دولت خان کے ساتھ مل گئے۔ ان حالات میں 1525ء میں بابر نے پھر حملہ کر دیا اور دلاور خان بھاگ کر سیالکوٹ چلا گیا اور اس نے بابر سے ملاقات کی۔ چند بعد عالم خاں بھی وہیں جا پہنچا۔

دولت خان اور غازی خان نے بابر کے خلاف مزاحمت کیلئے دریائے راوی کے کنارے 40000 سپاہیوں کا لشکر تیار کر لیا لیکن جب ظہیر الدین بابر لاہور کے نزدیک پہنچا تو افغان لشکر لڑے بغیر پسپا ہو گیا۔ ان کے منتشر ہونے پر بابر لاہور ٹھہر گیا۔ دولت خان قلعہ ملوٹ (ہشیار پور) میں محصور ہو گیا لیکن جلد ہی اسے وہاں سے نکال لیا گیا۔ غازی خان سلطان ابراہیم لودی سے جا ملا اور دولت خان 1526ء میں عالم جاودانی کو سدھار گیا۔

سوری امراء

ان امراء میں سوری، سروانی، فارمولی، نیازی، کیرانی، کاکڑ، لودھی اور جلوانی شامل تھے۔شیر شاہ کا امیر الامراء خواص خان قبائلی نہیں تھا۔

سوریوں کے امراء میں دریا خان گجراتی، ملک بدر الدین مڑل سمانہ دودومیانہ، ٹوڈرمل، ہیم چند۔

مسند عالی خواص خان نے اپنے غلام ملک بھگونت کو سرہند کا گورنر مقرر کیا۔

شیر شاہ سوری کے امراء جنہوں نے افغان اقتدار واپس لانے میں اس کا ساتھ دیا وہ حسب ذیل ہیں:

شہزادہ عادل خاں　　جلال خان بن شیر شاہ　　مبارک خان سوری (شیر شاہ سوری کا بھتیجا)

نظام خان سوری (بھائی)　　شیخ اسماعیل (شجاعت خان)　　دولت خان بن شجاعت خان

میاں بایزید بن شجاعت خان　　جلال خان بن جالو　　غازی خان سوری

علاول خان	مسند عالی عیسیٰ خان بن ہیبت خان سروانی	خان اعظم
مظفر خان		
سید خان لکبور	شیخ محمد	شہباز خان
اچاخیل سروانی		
سیف خان اجاہ خیل سروانی	بجلی خان سروانی	میاں ایوب لکبور
سروانی		
دریا خان سروانی	میاں احمد سروانی	سرمست خان
سربینی		
اعظم ہمایوں ہیبت خان نیازی	مسند عالی عیسیٰ خان نیازی	پرک نیازی
دولت خان نیازی	میر خان نیازی	زین خان نیازی
سیف خان نیازی	برمازید کور (برہم جیت گور)	حاجی خان ترین
سلمان کیرانی	محمد لکبور	جلال خان کرانی
بن شاہ تاج خان		
میاں احمد پنی	اختیار خان پنی	ولی داد خان کاکڑ
حمید خان کاکڑ	قطب خان شاہو خیل	میاں ببن شاہو
خیل		
عالم خان لودھی	میاں معروف فارمولی (کالا پہاڑ)	شاہ محمد فارمولی
رائے حسین جلوانی	حسین خان غلزئی	قطب خان موجی
خیل		
خضر خان سرک	بلند خان سُرک	فتح جنگ خان
سُرک		
حبیب خان سرک	قاضی فضیلت	غازی خان مہالی

قطب خان نائب　　مسند عالی خواص خان　　شمشیر خان برادر خواص خان

دریا خان گجراتی　　ملک بدر الدین مڑل　　دودہ میاں

ٹوڈرمل　　ملک بھگونت　　ہیم چند (ہیموں بقال)

عمر خان پکھڑال

اسلام شاہ 1545ء تا 1553ء کے ماتحت 9 لاکھ افغان تھے۔

افغان امراء کے خطبات

مسند عالی

خان جہاں

خان خاناں

اعظم ہمایوں

خان اعظم

امیر آسماں شکوہ

یہ خطبات مستقل اور موروثی تھے۔

دولت خان لودھی 12000 کیولری

احمد خان لودھی ولد جلال خان لودھی سارنگ خانی 20000 کیولری

دریا خان نہانی 30 سے 40 ہزار

ناصر خان نہانی 30 سے 40 ہزار

شیخ زادہ محمد فارمولی 30 سے 40 ہزار

میاں معروف فارمولی 60000

میاں سلیمان فارمولی 50000

اعظم ہمایوں سروانی 45000 کیولری 700 ہاتھی

فتح خان سروانی 10000 کیولری

اسلام خان سروانی 40000 کیولری 500 ہاتھی

شہباز اجاہ خیل 1000 بندوقچی

شادی خان کاکڑ 500 رشتہ دار پانی پت

ولی داد خان 1000 کیولری

شہزادہ جلال خاں بن شیر شاہ سوری 60000 سوار

شجاعت خان 12000 اور 5000 سوار سنبھل کیلئے

اعظم ہمایوں حبیب خان نیازی 30000 سوار

حاجی خان ترین 25000 سوار

اختیار خان پنی 12000 توپ خانہ

22685464

داؤد خان 10000 سوار

اعظم ہمایوں سروانی نے اپنے طور پر درج ذیل امراء بھی رکھے ہوئے تھے۔

سیف خان اجاہ خیل 6000

دولت خان نہانی 4000

علی خان اوشی 6000

شہروز خان سروانی 4000

مغل امراء

مرزا کامران　　مرزا عسکری　　مرزا ہندال

مرزا محمد حیدر　　محمد سلطان مرزا　　محمد زمان مرزا

ولی خوب مرزا　　یادگار بیگ تغائی مرزا (ہمایوں کا ماموں اور سسر)

یادگار ناصر مرزا

مرزا نورالدین محمد گورنر قنوج　　نظام الدین خلیفہ (ہمایوں کا وزیر)　　خالد بیگ

سلطان جنید برلاس (خلیفہ نظام کا بھائی)　　ہندو بیگ

موید بیگ　میرک بیگ　　مغل بیگ

جہانگیر قلی بیگ　　تردی بیگ　　بابا بیگ جلیر

شیخ علی بیگ جلیر　　آلش بیگ جلیر　　تارش بیگ

خواجہ کلاں بیگ　　بابا بیگ کر بیگ　　زاہد بیگ

کران بیگ　　تغلان بیگ کوکا　　ندیم کوکا

روشن کوکا　قاسم حسین خان سلطان　　میر فقر علی

یونس علی میر　　میر پاوندہ محمد　　بچکا بہادر میر

احسان تیمور سلطان　　منیم خان　　بیرم خان

مظفر بیگ ابن علی قرویلی بیگی　　مولانا محمد پیر علی　　خداوند خان

رومی خان مصطفیٰ (مستعفی)　　شیخ محمد غوث　　شیخ موسیٰ اجینی

مولانا جلال　　ملا عبداللہ سلطان پوری　　ضمیر　احمد　خان

سندھی

امیر ناصر تغلق　　راجا مہرتا چیرو　　راجہ بیر بھان دیو

راجہ بوجا بنارس　　بلبل شیخ　　ملا میر محمد پرگھڑی

ابوالفتح لنگاہ　آرائش خان　　مبارک فارمولی

خان خاناں دلاور خان لودھی　　محمد غازی تغبائی　　میاں　　خواجہ

اسماعیل جلوانی
سید شمس آبادی

باب ۴

سوری قبیلہ

شیر شاہ سوری کا تعلق افغانوں کے ایک معروف قبیلے ''سور'' سے تھا جس کی نسبت سے وہ ''سوری'' کہلواتے تھے۔ یہ قبیلہ بہلول لودھی کے عہد میں ہندوستان میں آباد ہو گیا تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی ترغیب و دعوت انھیں خود بہلول لودھی نے دی تھی کیوں کہ ان کی آباد کاری سے وہ اپنے اقتدار کو مضبوط اور مستحکم کرنا چاہتا تھا۔

سوری دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ محمد سوری کی اولاد ہیں جو غوری خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور وہ اپنے وطن سے نقل مکانی کر کے افغانوں کے پاس چلا آیا اور اس نے روہ کے ایک افغان کی دختر سے عقد کیا۔

سوری قبیلہ کے بارے میں کالکارنجن نے اپنی کتاب ''شیر شاہ سوری اور اس کا عہد'' میں لکھا ہے:

> ''شیر شاہ ایک جفاکش پٹھان قوم کا نونہال تھا۔ پٹھانوں کا آبائی وطن جہاں وہ آج بھی سکونت پذیر ہیں کوہ سلیمان کے آغوش میں روہ کا پہاڑ ہے۔ سلیمان پہاڑی کا تعلق تخت سلیمان سے ہے جس کے متعلق یہودی اور عربی روایتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان اپنے درباریوں کے ساتھ تخت پر بیٹھ کر اس پہاڑ پر اترا کرتے تھے۔ افغانستان کا یہ پہاڑی سلسلہ پٹھان یا قدیم پختون علاقہ کی ریڑھ کی

ہڈی کے مانند ہے۔ جو شمال میں کشمیر سے لے کر جنوب میں بلوچستان تک اور مغرب میں غزنی کی پہاڑیوں سے لے کر مشرق میں دریائے سندھ تک پھیلا ہوا ہے۔ قدرت نے اس علاقہ کو ایک ایسی بہادر قوم کا گہوارہ بنایا ہے جو کہ ابتدائے آفرینش سے اپنے سے قوی تر دشمنوں کا مقابلہ کرتی رہی ہے یہ دشمن اس پر یا تو ایران یا توران کے میدانوں سے آ کر حملہ کرتے تھے یا علاقہ سندھ کے ان درّوں سے آ کر حملہ آور ہوتے تھے جن سے ہو کر سندھ میں ملنے والی ندیاں بہتی ہیں۔

پٹھانوں کے دشمن بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اگر چہ پٹھان گپ بازی میں دلچسپی لیتے ہیں اور اپنے پڑوسیوں کو بھی گپ سناتے ہیں۔ لیکن نہ تو وہ کبھی جھوٹ بولتے ہیں اور نہ اپنے قول سے آسانی سے منکر ہوتے ہیں۔ایک افغان ''شرم افغانی'' کے نام پر تمام دنیا کے خلاف جنگ آزما ہو جاتا ہے۔

اس قوم میں کسی فرد کی فوقیت کا انحصار کسی مخصوص قبیلہ یا خاندان میں پیدائش پر نہیں مگر کوئی فرد کسی بڑے خاندان یا قبیلہ کا ممبر ہونے کی وجہ سے اپنے سے کمزور لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔

ان کی توہم پرستی اور عالم بالا میں عقائد کا مجموعہ ہندوؤں کے ہی برابر تھا مگر ان کا مذہبی جذبہ مشرکوں کے جذبہ سے قوی تر تھا۔ اس زمانہ سے لے کر آج تک وہ اتنا ہی ملّا اور کرامات دکھانے والے پیر کا تابع ہے جتنا کہ ایک ہندو اپنے پروہتوں گرؤوں اور ان اوتاروں کا قائل ہے۔ جو کہ وقتاً فوقتاً یا یکے بعد دیگرے ہر جگہ نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ مگر پیر کا معتقد ہوتے ہوئے بھی پٹھان ایک ہندو کی طرح مردم پرست نہیں ہوتا۔ پٹھانوں کا ملک پیروں کیلئے ایک نہایت ہی خوشگوار چراگاہ تھا۔

حتیٰ کہ محمد شاہ ابدالی اور شیر شاہ جیسے طاقتور حکمران بھی اس باثر طبقہ کو نظر انداز نہیں کر سکے۔ سیاسی مسائل میں بھی پیر کی حیثیت بمقابلہ ''ملک'' زیادہ بااثر تھی۔

روہ کے پٹھان قبیلے اس امر کی واضح مثال پیش کرتے ہیں کہ کس طرح ایک تہذیب یافتہ قوم ایک دشوار گذار پہاڑی علاقہ میں گوشہ پذیری کے بعد جب کہ گذشتہ ادب سے اس کے تعلقات منہدم ہو جاتے ہیں آہستہ آہستہ اپنی مالی اور سیاسی پریشانیوں سے پست ہو کر نیم وحشی بن جاتی ہے۔ موجودہ تاریخی تفتیش سے یہ ظاہر ہے کہ یہ قبیلے بنی نوع انسان کے وہ مورث اعلیٰ ہیں جن کی ایک شاخ آثار قدیم میں انڈو آرین کے نام سے موسوم ہوئی اور صدہا سال تک روہ میں اقامت پذیر رہ کر وہاں سے باہر چلی گئی۔ آج بھی روہ کے خطہ کو سیراب کرنے والے دریاؤں کے نام رگ وید میں پائے جاتے ہیں اور اس علاقہ کی زبان کا مخزن سنسکرت ہے۔ جس طرح کہ انگریزوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ آریہ نسل کی ہی ایک شاخ ہیں جس کی کہ تہذیب کا گہوارہ ہندوستان کے میدانوں میں ہے اور جو سات سمندر پار کرنے کے بعد اینگلو سیکسن کہلائی بعینہ افغان بھی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ تاریخی نقطہ نظر سے وہ بھی آریوں ہی کی اولاد ہیں۔

اسلام شاہ سوری نے یہ کوشش کی اور وہ کچھ حد تک اس میں کامیاب بھی ہو گیا کہ وہ روہ اور ہندوستان کے مابین ایک ادبی دیوار حائل کر دے اس نے روہ کے قبائل کو نہ صرف مسلمان ہی بنایا بلکہ ان کے آباؤ اجداد کا ایک سامی شجرہ بھی تیار کر دیا۔

تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ ان میں ایرانی، ترکی، منگول اور راجپوت

خون کی آمیزش ہے۔ پٹھان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اور دیگر اقوام میں بہت خلط ملط ہوا ہے۔ جیسا کہ گوجر پٹھان، بھالی پٹھان وغیرہ ناموں سے ظاہر ہوتا ہے یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت کے آغاز کے بعد ہندوؤں کی جنگجو قومیں نہ تو ترک ہی بنیں اور نہ مغل۔ مگر ہندوستان کی پٹھان سوسائٹی نے ان کو اپنے میں شامل کر لیا۔

روہ کے خطہ سے ہجرت کا جو سلسلہ زمانہ قدیم میں انڈو آرین لوگوں کی آمد سے شروع ہوتا تھا مسلسل 18ویں صدی تک جاری رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ روہیل کھنڈ اور اس کے قرب و جوار میں بنگش، آفریدی اور یوسف زئیوں کی آبادیاں قائم ہوگئیں۔

ہماری تاریخ کی ابتدا پندرھویں صدی کے آخری نصف دور سے شروع ہوتی ہے جب کہ روہ کے خطہ سے پٹھان قبیلے یکے بعد دیگرے ہندوستان کی جانب ہجرت کر رہے تھے اور دہلی میں سلطان بہلول لودھی نے پٹھان سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اسی سلطان بہلول لودھی کے عہد حکومت میں فرید عرف شیر شاہ کے مورثوں نے روہ کے علاقہ سے ہندوستان کیلئے ہجرت کی اور یہی وہ فرید ہے جس نے آگے چل کر دوسری بار ہندوستان میں پٹھان حکومت قائم کی جو کہ صرف چند سالہ ہی ثابت ہوئی۔''

''آبِ ایستادہ''، جھیل کے ساتھ 'روہ' کوہِ سلیمان کے سلسلہ میں چمن اور غزنی کے درمیان سوریوں کا علاقہ ہے جہاں آج کل بھٹانی قبیلہ رہتا ہے جو اسی نسل سے ہے۔ سوری کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''سور'' پٹھانوں کا ایک قبیلہ ہے نیز بکثرت گھڑسواری کرنے والا بھی ''سور'' کہلاتا ہے۔ اسی طرح بہادر کیلئے ''سورما'' کا لفظ استعمال کیا جاتا

ہے۔ چونکہ اس خاندان کا شغل ہی گھوڑوں کی افزائش وتربیت تھا اس لئے یہ خاندان ''سور'' کے لقب سے ملقب ہو گیا۔

شیر شاہ سوری کے بعد اس کی اولاد میں دس ذیلی گوتیں ہوئیں جن کے نام شاخ شیر Shakhshir، شاخا شیرو Shakhashero اور Shakhshery وغیرہ ہیں اور یہ مشرق وسطیٰ میں بھی آباد ہیں۔

باب ۵

شیر شاہ سوری کے اسلاف
(ابراہیم خان سوری)

ابراہیم خان کی ہندوستان آمد

شیر شاہ کا دادا ابراہیم خان سوری گھوڑوں کی تجارت کیا کرتا تھا۔ فرشتہ نے اس کا تعلق شاہی خاندان سے بیان کیا ہے۔ ابراہیم خان کا گھر دریائے گومل کے کنارے ''سرگری'' یا ''روہری'' کے مقام پر تھا جو کوہ سلیمان کی ایک پہاڑی کوزک سے متصلہ جھیل کے قریب ہے۔ ابراہیم خان سوری افغان تھا اس کا تعلق قبیلہ ''سور'' کی ایک شاخ ''شیر اخیل'' سے تھا۔

ابراہیم خان بہلول لودھی کے عہد کے آخری ایّام میں ہندوستان پہنچا اس نے ابراہیم خان کو پرگنہ نارنول کی سرحد کے پاس کچھ دیہات بطور جاگیر دیئے اور چالیس سواروں کا سردار مقرر کیا۔

قیاس ہے کہ ابراہیم خان نے 1480ء اور 1485ء کے درمیان ہندوستان ہجرت کی ہوگی۔ ابراہیم خان نے صوبہ پنجاب کے علاقے سے جو یوسف خیل پٹھانوں کے ماتحت تھا بجواڑہ کا رخ کیا۔ یہ مقام ابراہیم خان کا پہلا پڑاؤ ثابت ہوا۔

ہندوستان میں ابراہیم خان کی پذیرائی اُس کے ایک عزیز مہابت خان سوری نے کی جو اس سے قبل روہ سے ہجرت کر کے اس علاقے میں چلا آیا تھا۔ مہابت خان کے پاس

ہریانہ میں کچھ جاگیر تھی۔ کچھ روز بعد ابراہیم خان ہریانہ سے اس کے صدر مقام حصار فیروزہ جا پہنچا جہاں جمال خان سارنگ خانی نے اسے پرگنہ نارنول میں چند دیہاتوں کی جاگیرداری 40 گھڑسواروں کے سردار کا منصب دیا۔ ابراہیم خان نے اس علاقہ میں ایک گاؤں سملہ میں رہائش اختیار کرلی۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس کا بیٹا حسن خان بھی پہنچ گیا اور انھوں نے سملہ کی سکونت کو خیر باد کہہ کر نارنول میں سکونت اختیار کرلی۔ شیر خان کے والد حسن نے سپہ گری کا پیشہ اختیار کیا اور رائے سال درباری کے سردار رائے مل کے پاس ملازم ہوگیا۔

عباس نے لکھا ہے:

''ابراہیم خان اپنے بیٹے حسن کے ہمراہ بہلول لودھی کے عہد میں برصغیر میں آیا اور جب اس نے جمیل خان سرگان خانی حصار فیروزہ کی ملازمت اختیار کی تو پرگنہ نارنول میں مستقل طور پر آباد ہوگیا۔ حسن نے سپہ گری کا پیشہ اختیار کرلیا جب کہ ابراہیم تجارت سے منسلک تھا۔ ابراہیم خان نے ہوشیار پور میں مہابت خاں سوری کی بھی ملازمت کی اور اس کے بعد جمال خان والئی جون پور کی ملازمت اختیار کی، یہاں اسے پانچ سو گھوڑوں کی فراہمی اور تربیت کے عوض سہسرام، حاجی پور، اور خواص پور ٹانڈہ کے اضلاع بطورِ جاگیر دے دیئے گئے۔

ان کا آبائی وطن روہ میں ہے جہاں سلیمان سلسلۂ کوہ کی ایک چھوٹی سی پہاڑی کوزک جانب شمال آب ایستادہ جھیل کے پاس سے ہوکر گزرتی اور تقریباً چمن اور غزنی کے درمیان واقع ہے۔ جہاں وان پہاڑی کے آبشار خوفناک غاروں میں مچلتے ہوئے ویدک زمانہ کی گومل ندی کے ہم کنار ہوتے ہیں۔ وہیں اس وقت جھاڑیوں اور مٹی کے گھروندوں میں زمانہ قدیم کی طرح بھٹانی نسل کے لوگ رہتے ہیں جو سوری قوم اور اس سے مشابہت رکھنے والی گلزائی قوم کے مورثِ اعلیٰ مانے جاتے ہیں۔

مسٹر کے آرقانون گو نے لکھا ہے:

''دریائے گومل کے کنارے 6 یا 7 کوس لمبی ایک چھوٹی سی جگہ ہے جہاں ابراہیم سوری کا مکان تھا۔ اس مقام کو افغانی زبان میں سرگری اور ملتانی بولی میں روہری کہتے تھے۔ جنوبی افغانستان اور وادی سندھ کے درمیان گومل درہ کے نزدیک رہنے کی وجہ سے ملتان اور غزنی کے درمیان ہونے والی قافلوں کی تجارت اور خصوصاً گھوڑوں کی تجارت اسی خطہ کے باشندوں کے ہاتھ میں تھی۔ ابراہیم سوری روہ کا ایک گمنام افغان تھا جس کا تعلق سور قبیلہ کی شیراخیل شاخ سے تھا۔ سور قبیلہ کا شجرہ لودھی، سروانی، لوہانی قبیلوں کی طرح ماتی طائفہ تک پہنچتا ہے اور اس طرح یہ سب ایک دوسرے کے خاندانی بھائی ہوتے تھے حالاں کہ ان میں باہمی محبت کی جگہ نفرت تھی۔ ابراہیم سوری کے خاندان کو غور کے خاندان سے دور کی بھی نسبت نہ تھی۔''

سلطان شہاب الدین تازک قبیلہ کا تھا جو کہ بالکل ہی اجنبی تھا اور جب اس کی وفات کے بعد ان کی چند روزہ حکومت افغانستان میں ختم ہوگئی تو افغان انھیں حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔

ابوالفضل نے لکھا ہے:

''ابراہیم ایک تاجر اسپ تھا لیکن بذات خود سوداگروں میں اس کی وقعت نہ تھی۔''

اس پر تنقید کرتے ہوئے مسٹر کالکارنجن نے لکھا:

''اگر وہ خوشحال ہوتا تو عالم ضعیفی میں اپنے آبائی وطن سے ہجرت کرنے کی نہ سوچتا۔ اغلب ہے کہ اس کے اکلوتے لڑکے حسن نے جس کی رگوں میں جوش جوانی موجزن تھا اس کو مجبور کیا ہو کہ وہ اپنے وطن کو خیر

باد کہہ کر دور دراز ہند میں اپنی قسمت آزمائی کرے۔اس وقت تک حسن غیر شادی شدہ تھا۔فرشتہ کا خیال تھا کہ ابراہیم کا تعلق شاہی خاندان سے ہے اور اسی غیر مستند رائے سے متاثر ہو کر ایلفنٹسن نے لکھا ہے کہ ابراہیم اور اس کے لڑکے کی شادی اپنی برادری کے اونچے گھرانوں میں ہوئی تھی۔''

ابراہیم کے متعلق جو چند واقعات معلوم ہوئے ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہلول لودھی کے عہد کے آخری حصہ میں (1482ء میں) ہی ہندوستان آیا۔اسے نارنول پرگنہ کی سرحد کے نزدیک کچھ گاؤں جاگیر میں ملے اور 40 گھوڑوں کی سرداری ملی۔

ابراہیم خاں سوری نے پنجاب میں سے سفر کیا جو اس وقت لودھی خاندان کی شاخ یوسف خیل کے ماتحت ایک آزاد صوبہ تھا۔دہلی جانے کیلئے عام راستہ ملتان، بہاولپور اور حصار ہو کر جاتا تھا اور یہی راستہ اس نے اختیار کیا۔تاہم اس بات کا واضح ثبوت نہیں ملتا کہ ابراہیم خان نے بجواڑہ کا رخ کیا۔فارسی مؤرخین نے اس مقام کو دہلی کے نزدیک ہریانہ کے علاقہ میں بتایا ہے۔

ہندوستان آنے کے بعد ابراہیم خان سب سے پہلے اپنے ایک رشتہ دار مہابت خاں سوری کے ہاں ٹھہرا، جو داؤد ساہو خیل قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اور کافی عرصہ پہلے روہ سے نقل مکانی کر آیا تھا۔اس کے پاس ہریانہ میں دو پرگنے تھے۔اس وقت ہریانہ کا صدر مقام حصار تھا جس کو فیروز تغلق کی نسبت سے ''حصار فیروز'' کا نام دیا گیا تھا۔کچھ روز کی مہمان نوازی کے بعد ابراہیم خان، جمال خان سارنگ خانی کے پاس حصار جا پہنچا۔جہاں جمال خاں نے اسے پرگنہ نارنول اور 40 گھوڑ سواروں کی سرداری دی۔

نارنول لودھی سلطنت کے جنوب مغرب میں خودمختار راجپوت ریاستوں کی سرحد پر واقع تھا یہیں ابراہیم خان نے ایک گاؤں کا نام ''شملہ یا سملہ'' میں رہائش اختیار کی جسے ابو الفضل نے ابراہیم خان کا وطن لکھا ہے۔تاہم بعد میں جب حسن خان اپنے بیوی بچے لے کر

وہاں آ گیا تو ابراہیم خان نے نارنول کو اپنا مسکن بنا لیا۔

راجا محمد عارف منہاس ''شیر شاہ سوری اور پکھڑال'' کے عنوان کے تحت اپنی کتاب ''تاریخ ساگری'' میں لکھتے ہیں:

''شیر شاہ سوری (فرید خان) کا دادا محمد ابراہیم خان کوہ سلیمان کے سوری قبیلہ سے تھا۔ اس کا باپ گھوڑوں کا سوداگر تھا۔ لہٰذا ابراہیم نے بھی یہی پیشہ اختیار کیا۔ اُن دنوں خطہ پوٹھوہار چھ حصوں میں تقسیم تھا اور ہر حصہ کا حاکم ''ملک'' کہلاتا تھا۔ گو خطہ پوٹھوہار کے یہ ملک خودمختار تھے مگر پھر بھی تخت دہلی کے برائے نام ماتحت سمجھے جاتے تھے۔ بہلول لودھی کے عہد میں راجا باج بن راجا چنا حاکم دھنی تھا۔ بہلول کے زمانے میں نظام خان اور مبارک خان لوہان پوٹھوہار کی ریاستوں کی دیکھ بھال کیلئے مقرر تھے۔

تخت دہلی کے مقرر کردہ عامل پوٹھوہار کی ریاستوں کے معمولات اور معاملات میں بہت کم دخل دیتے تھے۔ حالت یہ تھی کہ یہ ملک آپس میں لڑتے رہتے تھے جس کے باعث انکو ہمیشہ عمدہ گھوڑوں کی ضرورت رہتی تھی۔ فرید خان کا دادا ابراہیم ایک بار کچھ ایرانی نسل کے گھوڑے لے کر چوبیدہ (موجودہ چکوال) آیا، یہاں اس کے گھوڑے بہت جلد اور معقول معاوضہ پر بک گئے۔ راجا باج خان حاکم دھنی نے اس کو اپنے پاس بطور مہمان رکھا اس طرح دونوں میں گہرے مراسم پیدا ہو گے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابراہیم اہل و عیال سمیت آ کر راجا باج کے ہاں اقامت پذیر ہو گیا۔ راجا باج کے عہد میں چوبیدہ (چکوال) بیل، بھینس اور بھیڑ بکریوں کی اہم منڈی تھا جبکہ گھوڑوں کی خرید و فروخت کا مرکز ''منڈی'' تھا۔ ان دنوں اندر کوٹ موجودہ روہتاس کو ''منڈی'' کہا

جاتا تھا۔ راجا باج کی معاونت سے ابراہیم کو ''منڈی'' (موجودہ
روہتاس) میں جگہ مل گئی۔ 1445ء میں ابراہیم نے مستقل اقامت
اختیار کی۔ جب ابراہیم چکوال میں ہی تھا تو لودھیوں کے کارندے دہلی
سے گھوڑے خرید نے ادھر آتے تو راجا باج کے ہاں قیام کرتے۔
ہوتے ہوتے ابراہیم کے بہلول لودھی کے مقرر کردہ عامل مبارک خان
لوہان اور فوجدار جمال خان سے اچھے تعلقات استوار ہو گئے۔ جمال
خان نے اس کے بیٹے حسن ابراہیم کو منڈی کا شقدار مقرر کر دیا۔
مبارک خان لوہان کی سفارش پر ابراہیم کو دہلی طلب کیا گیا اور بہلول
لودھی نے باصلاحیت شخص دیکھ کر ''نارنول'' کا حاکم مقرر کر دیا۔''

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابراہیم خان کا پہلا مسکن چکوال تھا جہاں سے وہ اس وقت کے قصبہ ''منڈی'' میں آ گیا اور اسی مقام پر حسن خان نے بھی بود و باش اختیار کی۔ منڈی کے مقام پر ایک چھوٹا سا قلعہ بھی موجود تھا جس کے مالک و مختار گہی راجپوت تھے جن کی گکھڑوں سے قرابت تھی۔ اسی مقام کو شیر شاہ نے بعد میں قلعہ ''روہتاس'' کی تعمیر کیلئے منتخب کیا۔ تاہم راجا عارف منہاس کے علاوہ کسی اور مؤرخ نے اس مقام کو شیر شاہ کی جائے پیدائش نہیں لکھا۔

حسن خان ایک عرصے تک رائے سال درباری کے بابا سردار رائے مل کے پاس رہا جو بعد میں شہنشاہ اکبر کا ایک معزز عہدے دار ہوا۔ ابوالفضل نے حسن خان سوری کے متعلق جو کچھ شجاع الدولہ رائے مل کے لڑکے رائے سال درباری سے سنا اس کی بالواسطہ تائید 17 ویں صدی کا راجپوت مؤرخ نینسی بھی کرتا ہے، وہ لکھتا ہے:

''رائے مل نے بھائیوں سے ان کا علاقہ زبردستی چھین لیا، اس علاقہ کا
نام بعد میں شیکھاوٹی (شیخاوٹی) ہوا۔ اغلب ہے کہ اس لڑائی میں حسن
نے معہ اپنے پٹھان سپاہیوں کے بھائیوں کے خلاف رائے مل کی مدد کی

ہو۔''

ابراہیم خان نے ہندوستان میں بھرپور زندگی بسر کی۔ سلطان بہلول لودھی کے انتقال (جولائی 1489ء) سے چندروز قبل شیر شاہ سوری کا دادا ابراہیم خان سوری اپنے خالقِ حقیقی سے جاملا۔ شیر شاہ سوری نے اپنے عہد عروج میں اپنے دادا کے مرقد پر ایک خوبصورت مقبرہ تعمیر کرایا جو شیر شاہ کے تعمیری ذوق کا آئینہ دار اور ایک بہترین نمونہ تھا۔

باب ٦

حسن خاں سوری

ابراہیم خان کے انتقال کے بعد جمال خان سارنگ خانی نے نارنول کی جاگیر پر اس کے قابل بیٹے حسن خان کو مقرر کر دیا۔ جب سلطان سکندر لودھی تخت نشین ہوا تو عمر خان سروانی کی سفارش پر اس نے حسن خان کی جاگیر اور مرتبے میں اضافہ کر دیا اور اسے 500 گھوڑوں کے سردار کا منصب عطا کیا۔ مہابت خان سوری کے بیٹے محمد خان سوری کے عہدے میں بھی ترقی ہوئی اور اُسے 400 کی بجائے 1500 گھوڑوں کا سردار بنا دیا گیا۔

عباس سروانی نے لکھا ہے:

''سرہند کا مقطعی عمر خاں سروانی بہلول لودھی کی فوج کے ساتھ تھا جب حسن نے ابراہیم کے انتقال کی اس کو خبر دی۔ عمر خاں نے دوسرے ہی روز جمال خاں کو بلوا کر حسن کی پُر زور سفارش کی۔ اور اس کے والد مرحوم کا اقطاع بہ اضافہ چند دیہہ اس کو دلوا دیا (روز دگر با حضور خود طلبیدہ سفارش حسن بے شمار کرد)۔''

مسٹر کالکارنجن نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''بلاشبہ اگر عمر خاں سروانی قبر سے نکل کر اپنے عزیز عباس کی اس خامہ فرسائی کے جوہر دیکھ سکتا تو اس دروغ گوئی پر شرم سے پانی پانی ہو جاتا۔ مستند تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ بہلول لودھی کی حکومت کے آخری دور میں پنجاب کے یوسف خیل لودھیوں نے سرہند کے علاقہ پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ عمر خاں سروانی باغی شہزادہ نظام (بعد میں سلطان

سکندر لودھی) کی جانبداری کرنے کی وجہ سے سلطان کی نظروں سے گر
چکا تھا۔ سلطان خود اس وقت دوآب کی لڑائی میں مصروف تھا۔ اس لئے
عمر خاں سروانی کا سلطان کی فوج کے ساتھ رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں
ہوتا۔ علاوہ بریں حصار کا گورنر جمال خاں سارنگ خانی ایک طاقتور ذی
اثر سردار تھا۔ وہ عمر خاں سروانی کے اشارہ پر کیسے ناچ سکتا تھا۔ عباس
کی اس غلط بیانی نے گذشتہ 30 سال میں نہ جانے کتنے مؤرخین کو راہِ
راست سے منحرف کر دیا ہے اور اس غلط فہمی کا شکار بنا دیا ہے۔"

حسن خان نے جمال خاں کی نظروں میں کافی اہمیت حاصل کر لی اور چند سال بعد سلطان سکندر لودھی کے عہد حکومت میں وہ 40 کے بجائے 500 گھوڑ سواروں کا سردار ہو گیا۔ اسی وقت ابراہیم کے اولین سرپرست مہابت خاں کے لڑکے محمد خاں سوری کی بھی ترقی ہوئی اور وہ 400 گھوڑوں کے بجائے 1500 گھوڑوں کا سردار ہوا۔

تاریخ شیر شاہی میں ہے:

"حسن خان کے والد کی وفات سلطان بہلول کی وفات سے کچھ دن
پہلے ہوئی اور حسن نے رائے مل شیخاوٹی کی ملازمت ترک کر دی اور
جمال خاں کی سفارش پر اسے 500 سواروں کا سردار بنا کر جنوبی بہار
میں دو پرگنہ بطور جاگیر دیئے گئے۔ اسی دوران میں محمد خاں سوری کو
جنوبی بہار میں 1500 گھوڑوں کا افسر بنا کر بھیجا گیا جو اس سے قبل
ہریانہ میں 400 گھڑ سواروں کا سردار تھا۔ یہ غالباً سوریوں کے عروج
کی ابتداء تھی۔ سارنگ خانی لودھی حکمرانوں کے زیر اقتدار علاقوں میں
افغانی پٹھانوں کے ذریعے امن قائم رکھنے اور لوہانی اور سروانی
سرداروں کا رسوخ کم کرنے کے خواہاں تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے
کہ حسن خاں نے اودھ اور غازی پور کے بیشتر مشہور سرداروں کے پاس

بھی ملازمت کی۔''

مسز بیورج نے لکھا ہے:

''جمال خاں سارنگ خانی نے حسن خان سوری کی خدمات پر اسے پرگنہ سہسرام اور خواص پور کی جاگیر دی۔ پرگنہ سہسرام اس وقت سرکار روہتاس کے ماتحت میں تھا۔(اس وقت روہتاس ایک آزاد ہندی قلعے کی حیثیت رکھتا تھا۔) حسن خان سوری کو پانچ سو گھڑ سواروں کا سردار مقرر کیا گیا تھا۔ مہابت خان سوری کے بیٹے محمد خاں سوری کو بھی ہریانہ سے بلا کر اور پرگنہ چاند (موجودہ ضلع مرزا پور اور ضلع شاہ آباد) پر مقرر کر دیا۔ اسے 15 ہزار گھڑ سواروں کا سردار مقرر کیا گیا تھا۔''

جلال خاں کی وفات کے بعد بھی جب سلطنت لودھی کے مشرقی علاقہ میں بدامنی رہی جس کی وجہ سے حسن خان سوری کو ان علاقوں میں بے حد مصروف رہنا پڑا اور اس کو فرض منصبی سے چھٹی ملنے کا موقع ہی نصیب نہ ہوا۔

حسن کی پہلی بیوی افغان تھی جس سے فرید خان (شیر شاہ سوری)، نظام خان اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ اس کے علاوہ اس نے تین ہندوستانی مستورات سے بھی نکاح کیا۔ حسن کی آخری اور چہیتی بیوی پونم (چاندنی) تھی جو پہلے ایک ہندو کنیز تھی اور اسلام قبول کرنے کے بعد حسن خاں سوری کے حلقہ زوجیت میں داخل ہوئی اس کے بطن سے سہسرام میں شیر شاہ سوری کے دو سوتیلے بھائی سلیمان اور احمد پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ بھی تاریخ میں شیر شاہ سوری کے چار اور بھائیوں کا ذکر ملتا ہے۔

حسن خان کے خانگی حالات کے بارے میں آئینہ روہتاس میں ہے:

''حسن کی پہلی بیوی افغان نسل سے تھی مگر بعض روایات کے مطابق وہ راجپوت تھی اور اس کا خاندان نارنول میں آباد تھا۔ اس سے حسن کے تین بچے تھے فرید خان، نظام خان اور ایک دختر۔ اس کے بعد حسن

خان نے تین خوبصورت ہندوستانی دوشیزاؤں سے عقد کیا جو غالباً کنیزیں تھیں۔ سب سے آخری بیوی سے حسن خان کو انتہا درجے کا لگاؤ تھا اور اسی بیوی کے بطن سے سہسرام میں دو بیٹے سلیمان اور احمد پیدا ہوئے۔ یہ بیوی نہایت چنچل، شوخ اور فتنہ انگیز تھی۔

ہندو مؤرخین نے حسن کی چار شادیوں پر کڑی تنقید کی ہے اور اسے امراء کی ایک تعیش پسند رسم قرار دیا ہے۔ مگر شرعاً چار شادیوں میں کوئی قباحت نہیں ہے بشرطیکہ ان کا نان ونفقہ پورا کرنے کی استطاعت ہو۔ اگر حسن خان بیویوں کو کنیزوں کے درجے پر ہی رکھتا تو حسن کی چوتھی بیوی اس کی اس قدر چہیتی نہ بن جاتی کہ حسن خان اس کا بندۂ بے دام بن کر رہ جاتا۔

سلطان سکندر نے اپنا اقتدار مضبوط کرنے کے لئے جاگیروں کے نظام کو از سرِ نو قائم کیا۔ جونپور کی ریاست جمال خان کے حوالے کی اور چنار کا مشہور قلعہ تاج خان سارنگ خانی کو دے دیا۔ جونپور اور چنار براہ راست اُس کے ماتحت تھے۔

جمال خان نے حسن کی خدمات کے اعتراف میں اسے پرگنہ سہسرام اور خواص پور کی جاگیر عطا کر دی۔ سہسرام کا پرگنہ روہتاس کی حدود میں تھا۔

مخزن میں ہے:

''از خدمت حسن بسیار راضی وشاکر شد او از رعایت نمودہ پرگنہ سہسرام و خواص پور ٹانڈہ از تابع روہتاس بہ جاگیر دار۔

1498ء میں حسن خان نے سہسرام میں رہائش اختیار کر لی۔ یہ ہندوؤں کا ایک مشہور مقام تھا اور اسے بھی تھوڑا ہی عرصہ پہلے فتح کیا گیا تھا اس علاقے میں روہتاس کا مضبوط قلعہ بھی موجود تھا۔''

{تاریخ خان جہان ومخزن افغانی نعمت اللہ بن خواجہ حبیب اللہ ہراتی}

باب ۷

لودھی سلطنت کا زوال

1486ء میں لودھی سلطنت زوال پزیر ہونے لگی۔ جولائی 1489ء میں سلطان بہلول کی وفات کے فوراً بعد وراثت کے مسئلہ پر اس کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ بہلول نے بڑے بیٹے باربک شاہ کو اپنی زندگی میں ہی نئے فتح شدہ علاقے جونپور کا گورنر بنا دیا تھا۔ باربک بہلول کی پہلی اور افغان بیوی سے تھا جو خاصی بااثر تھی۔ اکثر افغان سردار باربک کے گرد جمع ہو کر اس کے دوسرے بھائی سے جنگ آزمائی کیلئے تیار تھے۔

چھوٹے شہزادہ نظام کی ماں ہندو زرگر خاندان سے تھی۔ نظام نے اپنے والد کی وفات سے دو سال پہلے ہی دریائے ستلج کے شرقی کنارے کے علاقوں پر قبضہ جما لیا تھا۔ لوہانی اور سروانی افغان سردار عمر خاں سروانی کی قیادت میں اس کے معاون تھے۔ نظام کو جب اپنے والد کی وفات کا علم ہوا تو اس نے فوراً پیش قدمی کر کے دہلی پر قبضہ کر لیا اور جمال خاں سارنگ خانی کو دہلی کا گورنر مقرر کر دیا خود اپنے بڑے بھائی سے دو دو ہاتھ کرنے نکل کھڑا ہوا۔ قنوج کے قریب ایک خون ریز لڑائی میں اس نے باربک کو شکست سے دوچار کر دیا اور ازاں بعد صلح کر کے اس نے باربک کو جون پور کا علاقہ دے دیا اور خود جلالی کے مقام پر جشن تاج پوشی کی رسم ادا کی اور سلطان سکندر کا خطاب اختیار کیا۔

کچھ ہی عرصہ بعد اس نے دوبارہ باربک شاہ سے جنگ شروع کر دی۔ اس دوران سلطان حسینی شاہ شرقی بھی اپنی چھنی ہوئی ریاست پر دوبارہ قبضہ کرنے کیلئے لاؤ لشکر کے ساتھ وہاں آن پہنچا مگر اسے زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ سلطان سکندر اور باربک کے مابین یہ جنگ تین برس کے بعد باربک کی ہزیمت پر منتج ہوئی۔ اس کے بعد سلطان سکندر نے 1494ء میں شاہ آباد اور مدنا پور اضلاع کی سرحدوں کے سنگم پر سلطان حسینی شاہ شرقی کو شکست دے دی اور وہ

بھاگ کر بنگال کے سلطان علاؤالدین کے پاس چلا گیا۔ سلطان سکندر جب ان معرکہ آرائیوں میں مشغول تھا، جمال خاں سارنگ خانی نے دہلی میں امن قائم رکھا۔ اس نے اپنے بیٹے احمد کو ہریانہ میں تعینات کر دیا تھا تا کہ وہ دہلی آنے والے راستوں کی حفاظت کرتا رہے۔

پندرھویں صدی کے آخر میں سکندر لودھی نے بہار اور جونپور کے علاقوں میں کامیابی کے بعد کچھ اہم سیاسی وعسکری تبدیلیاں کیں اور مقبوضات کی نئی حد بندیاں کیں۔ ساہوخیل کا زور توڑنے کیلئے ان علاقوں میں دیگر افغان قبائل کو متعین کر دیا۔

سروانیوں کو گنگا کے دوآب کے شمال میں کانپور سے شاہجہانپور تک بسایا گیا۔ لوہانیوں کی ایک شاخ کو دریا خاں کی قیادت میں جنوبی بہار میں بسایا گیا۔ لوہانیوں کی ایک اور شاخ کو نصیر خاں لوہانی کی قیادت میں غازی پور کے بالائی حصہ میں بسایا گیا۔ اودھ اور گھاگرہ کی زیریں وادی میں فارمولی قبیلہ اور لودھیوں کو آباد کیا گیا۔ جمال خاں سارنگ خانی کو جونپور کا حاکم مقرر کیا گیا اور اسے 1200 گھڑسواروں کی فوج اور وسیع جاگیر دی گئی۔ اس کے ایک رشتہ دار تاج خاں سارنگ خانی کو قلعہ چنار پر مقرر کیا گیا۔ سارنگ خانی ترکمانی تھے تاہم انھوں نے سیاسی توازن کیلئے افغانوں کو استعمال کیا جنہوں نے آگے چل کر تاریخ کا دھارا ہی بدل دیا۔

باب
بہلول کی وفات اور اقتدار کی رسہ کشی

بہلول کی وفات کے ساتھ ہی اس کے بیٹوں میں تخت کے لئے رسہ کشی کا آغاز ہو گیا اپنی زندگی ہی میں سلطان بہلول لودھی نے اپنے بڑے بیٹے باربک شاہ کو جو اُس کی پہلی بیوی سے تھا نئے مفتوحہ علاقے جونپور کا کا گورنر بنا دیا تھا۔ جو پلور میں لودھی سردار باربک کے گرد جمع ہو چکے تھے جبکہ بہلول لودھی کی دوسری بیوی سے نظام تھا جس نے اقتدار کے لئے اپنے والد کی وفات سے دو سال قبل ہی علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ بہلول کی یہ چہیتی بیوی نہایت خوبصورت اور ہندوستانی تھی اس کا والد ایک سنار تھا۔ عمر خان سروانی اور لوہانی قبائل نظام کے ساتھ تھے وہ دریائے ستلج کی جانب یلغار کر رہے تھے دوسری طرف لودھی سرداروں نے عزم کر رکھا تھا کہ وہ باربک کو تخت نشین کرا کے ہی رہیں گے۔ ان کی عداوت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نظام کی والدہ ہندوستانی تھی۔

بہلول کے انتقال کی خبر ملتے ہی نظام نے تختِ دہلی پر قبضہ کر لیا اور اپنے معتمد جمال خان سارنگ خانی کو دہلی کا گورنر بنا دیا تھا تا کہ یوسف خیل پنجاب کی جانب سے شورش نہ کر سکیں۔

اس کے بعد نظام اور باربک میں تاج و تخت کے لئے قنوج کے نزدیک خونریز معرکہ آرائی ہوئی جس میں باربک شکست فاش سے دوچار ہو گیا۔

نظام کی سیاسی چال

نظام نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنے مغلوب بھائی سے معاہدہ کر لیا کہ وہ خود دہلی کا حکمران ہو گا جبکہ جونپور میں باربک خود مختار ہو گا۔

معاہدے کے ایک برس بعد نظام نے جلالی کے مقام پر اپنی رسم تاجپوشی کا انعقاد کیا اور سلطان سکندر کا خطاب اختیار کر کے دہلی کے تاج وتخت کا مالک بن گیا۔ اس نے باربک کے خلاف فوج کشی کی، اس وقت جون پور کا سابقہ حکمران سلطان حسینی شاہ بھی اپنی ریاست کو واپس حاصل کرنے کے لئے پرتول رہا تھا سلطان سکندر نے تین سال کی مسلسل معرکہ آرائیوں سے باربک کے حامیوں کا صفایا کر دیا۔ اس صورتِ حال میں حسینی شاہ گنگا کی جانب چلا گیا۔

1494ء میں سلطان سکندر نے شاہ آباد اور مدنا پور کی سرحد پر حسینی شاہ شرقی کو شکست فاش دی اور حسینی شاہ نے بنگال کے فرمانروا سلطان علاؤالدین حسینی شاہ کے پاس پناہ لے لی۔ اس کے بعد سلطان سکندر اور علاؤالدین حسینی شاہ میں سمجھوتہ ہو گیا اور اس کے تحت پٹنہ سے 39 کلومیٹر مشرق کی جانب سرحد قائم کر دی گئی۔ اس دوران جمال خان سارنگ خانی اور اس کے بیٹے احمد خان نے کہیں بھی شورش نہ ہونے دی۔

ان سیاسی تبدیلیوں کا فائدہ حسن خان کو بھی پہنچا اور نارنول کا پرگنہ اُس کے سپرد کر دیا گیا۔ اس وقت جونپور افغانیوں کا گڑھ بنتا جا رہا تھا۔

ابوالفضل کا بیان ہے کہ حسن خان نے سہسرام اور جونپور سے باہر اودھ اور غازی پور کے امراء کے ہاں بھی ملازمت کی۔

سلطان ابراہیم

ڈارن نے لکھا ہے:

''سلطان سکندر کی وفات کے بعد اس کا سب سے بڑا لڑکا ابراہیم 8 ذی القعد 923ہجری میں دہلی میں تخت نشین ہوا۔''

لیکن کچھ بارسوخ امراء اس کے چھوٹے بھائی شہزادہ جلال خاں کو ریاست جونپور کا خودمختار حکمراں بنانا چاہتے جو دریائے گنگا کے مشرق سے لے کر بنگال کے مغرب تک کے علاقہ پر مشتمل تھی۔ واقعات کا رخ بدلنے لگا اور ہر جانب خوف و دہشت کی فضا طاری ہوگئی۔ جس طرح سروانی سرداروں نے بہلول کی وفات کے بعد سکندر کی مدد کی تھی اسی طرح اب وہ سلطان سکندر کے دوسرے لڑکے کے مددگار بن کر میدان میں آ گئے تھے۔

سکندر کی وفات کی خبر ملتے ہی شہزادہ جلال خاں جونپور کو روانہ ہوا اور شہر پر قبضہ کرنے کے بعد اعظم ہمایوں سروانی کے لڑکے فتح خاں سروانی کو اپنا وزیر مقرر کرلیا۔ اس وقت تک اس نے سلطان کے لقب کا اعلان نہیں کیا تھا۔ ابراہیم بھی پیچھے نہ رہا اور اس نے فوراً اپنی سیاسی چالوں سے لوہانی اور فارمولی سرداروں کو جو سروانی سرداروں سے پرخاش رکھتے تھے اپنا ہم نوا بنالیا۔ شہزادہ جلال خاں جونپور سے اودھ کی طرف بڑھا مگر جلد ہی اسے کالپی کی جانب ہٹنا پڑا جہاں اس نے ''سلطان جلال الدین'' کا لقب اختیار کیا۔ تاہم بازی ابراہیم کے ہاتھ رہی۔ اس کو جب یہ خبر ملی کہ بہار کا دریا خان لوہانی، غازی پور کا ناصر خاں لوہانی اور لکھنؤ و اودھ کا معروف فارمولی قبیلہ اس کی مدد کیلئے تیار ہیں تو اس نے 15 ذی الحجہ کو یعنی پہلی تاجپوشی کے 5 ہفتہ بعد دوبارہ رسم تاجپوشی ادا کی اور ایک شاندار جشن منایا۔

ڈارن نے لکھا ہے:

''اعظم ہمایوں عمر خاں سروانی جسے شہزادہ جلال خاں سے قلعہ گوالیار بچانے کیلئے بھیجا گیا تھا، جلال خاں سے مل گیا۔ ابراہیم نے پہلے تو

جونپور اور اس کے گردونواح کے علاقہ کو فتح کرنے کا قصد کیا اور پھر دیگر منصوبہ جات بنائے۔ اس مقصد کی تکمیل کیلئے وہ 25 ذی الحجہ کو جونپور اور اودھ کی طرف روانہ ہوا اور تیزی سے کوچ کرتا ہوا پہلے بھوگاؤں اور پھر قنوج پہنچا۔''

ڈارن نے لودھی سلطنت کے اس دور کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

''1518ء کے آخری نصف دور میں سلطان جلال الدین (شہزادہ جلال خاں لودھی) نے جو تخت کا دعویدار تھا علاقہ دوآب میں بدامنی کا بازار گرم کر دیا اور اودھ اور جونپور پر قبضہ جما لیا۔ سلطان ابراہیم لودھی دہلی سے ایک فوج لے کر اعظم ہمایوں خاں سروانی اور جلال الدین کے دوسرے مددگاروں کو دبانے کیلئے روانہ ہوا۔ ابراہیم کی فوج کی آمد سے ضعیف الارادہ تو خوف زدہ ہو گئے۔ مگر ابراہیم کے حمایتی حوصلہ مند ہو گئے۔ اعظم ہمایوں سروانی سیاسی چالباز تھا۔ اس کو بدقسمت دعوے دار شہزادے کا ساتھ چھوڑنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوا۔ وہ اپنے لڑکے فتح خاں کو لے کر ابراہیم کی طرف چل پڑا اور اسے اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ ابراہیم نے اپنے تمام امراء و سرداروں کو اس کے شاندار استقبال کیلئے بھیجا اور انھیں انعامات دیئے۔ یہاں سے وہ سلطان کی فوج کے ساتھ قنوج پہنچے۔ اسی دوران جلال خاں آگرہ کی طرف تیزی سے روانہ ہوا۔ اور اس خیال سے کہ سلطنت میں شورش برپا ہو جائے اور اگر ممکن ہو تو آگرہ پر قبضہ کرے۔ آگرہ پر دھاوے کی خبر پاتے ہی سلطان ابراہیم فوراً اٹاوہ کے راستہ ہوتا ہوا آگرہ کی جانب روانہ ہوا۔ اس نے اپنی فوج کا ایک دستہ اعظم ہمایوں عمر خاں سروانی اور دیگر سرداروں کی کمان میں جلال خاں کے مضبوط قلعہ کالپی پر حملہ کرنے

کیلئے بھیجا تا کہ جلال خاں واپس لوٹنے کو مجبور ہو جائے اور فوج کا دوسرا دستہ ملک آدم خاں گکھڑ اور دیگر سرداروں کی کمان میں جلال خاں کی آگرہ میں پیش قدمی روکنے کیلئے اس طرف روانہ کیا۔ جلال خاں اس وقت تک آگرہ شہر کے ایک حصہ پر قابض ہو چکا تھا اور قلعہ پر حملہ کرنے کیلئے پر تول رہا تھا کہ ملک آدم خاں گکھڑ نے صلح کی بات چیت شروع کر دی تا کہ مزید کمک کے آنے تک وہ دشمن کو الجھائے رکھے۔ اس کی یہ چال کارگر ثابت ہوئی۔ جلد ہی جلال خاں کسی طرف کا نہ رہا۔ کالپی تو اس کے ہاتھ سے نکل ہی گیا تھا اور آگرہ پر قبضہ کرنے کی بھی کوئی امید نہ رہ گئی تھی۔ ملک آدم گکھڑ اور ابراہیم کے دوسرے امیروں نے جلال کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اگر وہ تمام شاہی نشانوں سے دست کش ہو جائے اور ابراہیم کی ماتحتی قبول کر لے تو اس کے عوض میں اس کو کالپی واپس کر دی جائے گی۔ جلال خاں نے تو ان شرطوں کو منظور کر لیا مگر جب آدم خاں گکھڑ شاہی چھتر اور دیگر نشانات لے کر اٹاوہ میں ابراہیم خاں کے سامنے حاضر ہوا تو اس نے ان شرطوں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ پناہ گزینی کے خیال سے جلال گوالیار کے راجا کے پاس پہنچا۔ ادھر ابراہیم کے رویہ سے وہ امیر برگشتہ و ناراض ہو گئے۔ جنہوں نے جلال سے قول و قرار کیا تھا۔''

جلال خان کی موت

سلطان ابراہیم نے اعظم ہمایوں عمر خاں سروانی کو جلال خاں کے تعاقب میں گوالیار روانہ کیا تا کہ وہ اسے وہاں سے نکال کر ہندو راجا سے قلعہ چھین لے۔ اس خبر پر جلال خاں گوالیار سے بھاگ نکلا اور اس نے مانڈو کے خلجی سلطان سے پناہ مانگی مگر اس نے حوصلہ

افزا جواب نہ دیا۔ بددل ہو کر وہ وسطی ہند میں گڑھ گنگا کے جنگلات میں جا گھسا جہاں ابراہیم کی فوج کے ایک دستے نے جو اس کا تعاقب کر رہا تھا اسے گرفتار کر لیا۔ جلال خاں کو قید کر کے ہانسی بھیجا جا رہا تھا لیکن اس کے محافظوں نے راستہ میں ہی مشتعل ہو کر اسے قتل کر دیا۔

جب اعظم ہمایوں عمر خاں اپنے بیٹے کے ساتھ سلطان کے دربار میں گوالیار میں اپنے اس کارنامے کا انعام لینے گیا تو سلطان نے دونوں کو زنداں میں ڈال دیا۔ اس عمل سے دو آب میں ہلچل مچ گئی اور ہر سروانی نے تلوار اٹھا لی۔ لودھی اور فارمولی امیر بھی جو سلطان سے ناراض تھے۔ اس بغاوت میں شامل ہو گئے۔ اور اس طرح 1520ء کے نزدیک صورت حال انتہائی نازک ہو گئی۔ سلطان ابراہیم نے اپنے دربار کے لودھی، فارمولی اور لوہانی سرداروں کی کمان میں باغیوں کو دبانے کیلئے ایک فوج بھیجی۔ خاں جہاں لودھی، اسلام خاں سروانی ولد عمر خاں اور دلاور خاں سارنگ خانی بھی اس فوج کے ساتھ گئے تھے۔ جب شاہی فوج دریائے گنگا کے مغربی کنارے پر قنوج اور کانپور کے درمیان بانگرمئو کے نزدیک پہنچی تو باغیوں نے اچانک حملہ کر دیا۔ شاہی فوج کو شکست فاش ہوئی اور کثیر نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ یہ سن کر ابراہیم آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے مزید کمک روانہ کی لیکن اب کی بار اس کی فوج میں بغاوت پھیل گئی۔ باغیوں نے اسلام خاں سروانی کی قیادت میں بادشاہ کے سامنے صلح کی یہ شرط پیش کی کہ عمر خاں اور فتح خاں کو قید سے رہا کر دیا جائے۔ سلطان کے افسروں نے اس شرط کو منظور کرنے کیلئے دباؤ ڈالا مگر سلطان نے ان کی ایک نہ سنی۔ اس نے بہار کے دریا خاں لوہانی، غازی پور کے ناصر خاں لوہانی اور اودھ کے شیخ زادہ مصطفیٰ خاں فرمولی کو لکھا کہ وہ اپنے علاقہ کے جاگیر داروں کی فوج فراہم کر کے باغیوں کی سرکوبی کریں۔ دانش مند لوگوں نے صلح کی ہر چند کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ ایک عرصہ تک دونوں جانب کی فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا کھڑی رہیں۔ ہر ایک فریق کو اپنی فتح کا کامل یقین تھا آخر افغان تاریخ کی ایک زبردست اور خونریز جنگ شروع ہوئی جس میں بھائی بھائی سے اور باپ بیٹے سے لڑا۔ دس ہزار کے لگ بھگ افغان اس جنگ میں مارے گئے۔ یہ لودھی سلطنت کی انتہا کا آغاز تھا۔

سروانیوں اور ان کے دیگر معاون سرداروں کو پسپا کرنے میں دریا خاں کی اپنی غرض بھی شامل تھی۔ اسے خدشہ تھا کہ یہ لوگ اس کی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکائیں گے۔ جب سلطان ابراہیم لودھی نے اس کو اپنے دربار میں طلب کیا تو وہ ایک کثیر فوج لے کر روانہ ہوا۔ لیکن جیسے ہی راستہ میں اسے عمر خاں سروانی کے قتل کی خبر ملی۔ تو وہ سلطان سے خوف زدہ ہو گیا اور اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس لئے وہ چونکہ محمد خاں سوری اور دوسرے سرداروں سے ساز باز کر کے وہ بہار واپس چلا گیا۔

یہ وہ حالات تھے جن میں شیر شاہ سوری نے جنم لیا اور یہ وہ فضا اور ماحول تھا جس میں وہ پروان چڑھا تھا۔

باب ۸

شیر شاہ کی ولادت

شیر شاہ کی والدہ کا نام فہمیدہ بانو یا فائزہ بانو بیان کیا جاتا ہے جو ایک افغان خاتون تھی اور خانم بی بی کہلاتی تھی اس کے بطن سے فرید خان اور نظام خان نے جنم لیا۔

عباس خان سروانی کے بیان کے مطابق شیر خاں بہلول لودھی (م: جولائی 1489ء) کے عہد میں اس کی وفات سے تین سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ اس لئے فرید خان کا سن ولادت 1486ء ہے۔

لیکن مسٹر کالکارنجن نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عباس نے شیر شاہ سوری کی تاریخ ولادت کا صحیح طور پر تعین نہیں کیا۔ ''شیر شاہ سوری اور اس کا عہد'' میں لکھا ہے:

> عباس خاں سروانی کے اس بیان نے کہ شیر خاں بہلول کے عہد حکومت میں پیدا ہوا (در وقت بہلول۔ عباس قلمی نسخہ صفحہ 12) محققوں کو پوری آزادی دے دی ہے کہ وہ شیر شاہ کی تاریخ ولادت 1451ء اور 1489 کے درمیان کہیں بھی مقرر کر دیں۔ میری تصنیف کا پہلا ایڈیشن شائع ہونے کے بعد سے آج تک کئی قابل مؤرخ اس غلطی کا شکار ہو چکے ہیں۔ میرے قابل دوست ڈاکٹر پی سرن دہلی یونیورسٹی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے ایک نقشہ کی مدد سے شیر شاہ کی تاریخ پیدائش کا یقینی طور پر پتہ لگا لیا ہے۔ اس شجرہ یا چارٹ میں مہابھارت کے زمانہ

سے لے کر ملکہ وکٹوریہ کے عہد تک اندر پرستھ یعنی دہلی کے تمام حکمرانوں کی تاریخ پیدائش تاجپوشی و وفات درج ہیں۔ (دیکھیئے اسٹڈیز ان میڈیول انڈیا۔صفحہ 46) تاریخ کی یہ نایاب کتاب مسمی ''نقش جام جم'' دہلی کے ایک مشہور آزادمنش صوفی جام جم کی تصنیف ہے جو اس نے دہلی کی پرانی تاریخ وآثار قدیمہ کی تلاش کے سلسلے میں 1839ء میں لکھی تھی۔ ڈاکٹر سرن نے بڑی ہی معصومیت سے یہ بیان کیا ہے کہ اس کتاب میں یدھشٹر سے لے کر ملکہ وکٹوریہ تک کے حکمرانوں کی جو تاریخ پیدایش تخت نشینی اور وفات کے حالات درج ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر بعد تحقیق درست معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس بیان سے ہندوستانی علما کی بے حد ذلت ہوتی ہے۔ پھر بھی ڈاکٹر موصوف اپنی تفتیش کے کلیتاً قائل ہیں۔ اور اس بنا پر کہ علی گڑھ کے سر سیّد احمد نے بھی قرون وسطیٰ کے فن تعمیر پر لکھی اپنی کتاب ''آثار الصنادید'' میں اس تاریخ کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اس کے باوجود بھی دونوں عالموں کی تاریخ میں ایک سال کا فرق ہے۔ بہر حال ڈاکٹر سرن اپنی تاریخ کی اس نایاب تحقیق سے چپکے ہوئے ہیں اور وہ اس تاریخ کو یعنی ماہ رجب 877 ہجری کو شیر شاہ کی تاریخ پیدائش تصور کرتے ہیں۔ اس تاریخ کی رو سے شیر شاہ بابر سے دس سال بڑا ہو جاتا ہے۔''

ویکی پیڈیا میں ہے:

Sher Shah Suri, "The Lion King", founder of the Suri Dynasty, was born in 1472 in Punjab. His original name was Farid. He was the son of a petty Afghan Jagirdar.

اسی دوران حسن نے نارنول میں شادی کی۔ ایک ہندی نظم ''قائم خان راسو'' کے مطابق شیر شاہ کی والدہ فتح پور جھن جھنوں (شیخاوٹ) کے قائم خانی راجپوت کی دختر اور غیر افغان تھی۔ مگر زیادہ زور اس پر دیا جاتا ہے کہ اس کی والدہ افغان تھی۔

عباس سروانی نے لکھا ہے کہ ''شیر خاں در وقت بہلول متولّد شدہ نام او فرید نہاوند'' یعنی شیر خان بہلول لودھی کے عہد میں پیدا ہوا اور اس کا نام فرید خان رکھا گیا۔ لیکن اب یہاں سوال یہ اُبھرتا ہے کہ بہلول لودھی کا عہد تو 1452ء سے 1489ء تک محیط ہے تو اس صورتحال میں فرید خان کی تاریخ پیدائش کا اصل سال کیا ہوگا؟ البتہ یہ قیاس ہے کہ فرید خان کی ولادت سلطان بہلول لودھی کی وفات سے تین سال قبل ہوئی ہوگی۔ اس طرح شیر شاہ کا سن پیدائش 1486ء قریب ترین ہوسکتا ہے۔

تاریخ روہتاس میں ہے:

1486ء میں شیر شاہ پیدا ہوا اور 1489ء میں بہلول لودھی ملک عدم کو سدھار گیا۔

''نقش جام جم'' میں شیر شاہ کی تاریخ پیدائش رجب 878 ہجری (1473ء) درج ہے جبکہ مسٹر سرن کے مطابق اس کی تاریخ ولادت 877ھ یعنی 1472ء ہے۔ مسز بیورج کے ''ہمایوں نامہ'' میں بھی یہی تاریخ درج ہے۔''

کالکارنجن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

''جب تک ڈاکٹر سرن کی تائید میں شیر شاہ کا زائچہ نہ مل جائے ہم شیر شاہ کی تاریخ پیدائش 1486ء ہی مانتے رہیں گے۔''

راجا محمد عارف منہاس لکھتے ہیں:

''ابراہیم کے چار لڑکے تھے۔ جن میں سے حسن بڑی خوبیوں کا مالک تھا۔ اس کی چار بیویاں تھیں۔ اُن میں سے ''فہمیدہ بانو'' کے بطن سے 1469ء کو فرید خان (بعد کا شیر شاہ سوری) بمقام 'منڈی' موجودہ قلعہ

روہتاس (جہلم) پیدا ہوا۔ یہ بچہ اس قدر بخت کا مالک تھا کہ جس روز یہ پیدا ہوا اسی دن ابراہیم بہار کا گورنر مقرر ہوا۔ پیدائش کے کچھ عرصہ بعد حسن نے فرید خان اور اس کی ماں کو بہار بلا لیا۔ بعد میں یہی فرید خان اپنے باپ حسن کے بعد سہسرام کا صوبیدار بنا اور 16 جون 1539 کو تخت دہلی کا مالک بنا۔ فرید خان کو معلوم تھا کہ وہ رھتاس میں پیدا ہوا اور یہ کہ اس کے دادا اور باپ کو اس اعلیٰ عہدہ پر فائز کرنے میں پکھڑال راجپوتوں کا بڑا عمل دخل ہے لہٰذا جب وہ فرید خان سے شیر شاہ سوری بن کر تخت دہلی پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے راجا عمر خان پکھڑال آف کونتریلہ کو قانون گو (وزیر مال) اور راجا عیسیٰ خان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ جب شیر شاہ نے بعد میں ٹوڈر مل کو وزیر مال مقرر کیا تو راجا محمد عمر خان کو مشیر مال بنایا۔''

Sher Shah Suri, "The Lion King", founder of the Suri Dynasty, was born in 1472 in Punjab. His original name was Farid. He was the son of a petty Afghan Jagirdar.

تاہم اختلاف سنین کسی طور بھی انکار واقعات نہیں ہوسکتا۔ شیر شاہ سوری کی تاریخ پیدائش کے اختلاف کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ شیر شاہ سوری پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔

باب ۹

شیر شاہ سوری کا مقامِ پیدائش

مصنف مخزن کے بیان کے مطابق فرید حصار میں پیدا ہوا۔

''شیر شاہ سوری اور اس کا عہد'' میں شیر شاہ کا مقام ولادت ''نارنول'' بتایا گیا ہے۔

مسٹر کالکارنجن نے اس حوالے سے لکھا ہے:

''نعمت اللہ کے ''مخزن'' کے ایک قلمی نسخہ کی بنا پر میں نے 1921ء میں شیر شاہ کی جائے پیدائش حصار فیروزہ بتائی تھی لیکن اب میں اپنے محترم دوست الہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ایشوری پرشاد کی رائے کا معتقد ہوں جو عمر، تجربہ اور شہرت میں مجھ سے کہیں زیادہ ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ فرید عرف شیر شاہ غالباً نارنول میں پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ میں نے موجودہ کتاب میں ڈاکٹر موصوف کی رائے کو سچائی اور قیاس کے زیادہ نزدیک سمجھ کر اپنی پہلی رائے کو منسوخ کر دیا۔ نارنول کو شیر شاہ نے ضلع کا صدر مقام بنا کر وہاں ایک قلعہ بھی تعمیر کیا وہاں اس نے اپنے دادا ابراہیم خان کی قبر پر ایک مقبرہ بنایا۔ جس کے کھنڈر آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔''

کالکارنجن کا بیان ہے:

''میں شیر شاہ کی جائے پیدائش حصار فیروزہ کے بجائے نارنول تسلیم

کرتا ہوں۔''

اس کیلئے انہوں نے ابوالفضل پر اعتماد کیا ہے اور دلیل پیش کی ہے کہ اس کے زمانہ میں شیر شاہ کے متعلق عباس کے علاوہ دیگر تاریخی ذرائع بھی موجود تھے۔

''پدر حسن ابراہیم نام از ولایت رو ہ با ہندوستان آمد ونوکری امرا سلطان بہلول می کرد۔ چندگاہ در حصار فیروز بودو فرید درانجا متولد شدہ و چندگاہ در نارنول بود''

قلمی نسخہ مخزن میں ہے:

''جد شیر خاں......پیش ماتھی خاں (صحیح مہابت خاں بقول ایلیٹ) سور داؤد شاہ خیل کہ در جاگیر او سلطان بہلول پرگنہ ہریانہ وتکھا عنایت نمودہ بود۔ خدمت او اختیار در نہوارہ (صحیح بجواڑہ) سکونت ساخت شیر خاں در وقت بہلول متولد شدہ نام او فرید نہادند بعد از موت ابراہیم از باتھی خاں (مہابت خاں) رخصت شدہ پیش جمال خاں سارنگ خانی در حصار فیروز آمدہ ملازم شد۔

{تاریخ خان جہان ومخزن افغانی نعمت اللہ بن خواجہ حبیب اللہ ہراتی}

''شیر خاں کا دادا داؤد شاہو خیل مہابت خاں سوری کے پاس آیا۔ جس کو سلطان بہلول نے بجواڑہ اور تاکھا کے پرگنے جاگیر میں دیئے تھے۔ مہابت خاں کی ملازمت اختیار کی اور بجواڑہ میں سکونت پذیر رہا۔ شیر خاں بہلول کے عہد میں پیدا ہوا اور اس کا نام فرید رکھا گیا۔ کچھ مدت کے بعد ابراہیم مہابت خاں سے رخصت ہو کر جمال خاں سارنگ خانی کی خدمت میں حصار فیروز کے مقام پر حاضر ہوا۔ اور اس نے وہیں ملازمت کر لی۔''

عباس کے مسودہ میں پرگنوں کے نام ''باہ کلا (بہکلا) اور تہکا درج ہیں۔ جو ایلیٹ

کے مقابلہ میں زیادہ درست ہیں۔ یہ پرگنے آئین اکبری میں سرکار حصار کی حد میں ہونے چاہئیں۔ فی الحال باہ کلا کو ''بروالا'' سمجھا جاسکتا ہے۔ جو حصار سے 19 میل بجانب شمال واقع ہے اور تہکا ''توہانہ'' ہوسکتا ہے۔ جو سرکار حصار کا ایک پرگنہ ہے۔

تاریخ ساگری میں ہے:

''راجا رحیم داد خان صاحب انعام خوار ورئیس ساگری لکھتے ہیں کہ راجا بج کے ابراہیم سوری سے بڑے گہرے مراسم تھے۔ ابراہیم کا پوتا فرید خان اور راجا بج کا پوتا محمد عمر خان اور نواسہ راجا عیسیٰ خان ہم عمر تھے اور تینوں نے ایک ہی مدرسہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ راجا رحیم داد فرماتے ہیں کہ ابراہیم کے تین لڑکے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام حسن تھا۔ حسن کی چار بیویاں تھیں۔ اس کی پہلی بیوی افغان اور چوتھی ہندو تھی۔ افغان یا پٹھان بیوی جس کا نام فائزہ بانو تھا کے بطن سے فرید خان اور نظام خان تھے۔ دوسری سے علی اور یوسف تیسری سے خرم اور شادی خان جبکہ ہندو (جو مسلمان ہوگئی تھی) بیوی سے سلیمان اور احمد تھے۔ فرید خان سب سے بڑا تھا اس کی پیدائش 1471ء میں ہوئی (بعض جگہ تاریخ پیدائش کم وبیش درج ہے) تاریخ پیدائش کی طرح فرید خان کی جائے پیدائش میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ باجوڑ، حصار، سہسرام اور منڈی (روہتاس) میں سے ایک بتائی جاتی ہے۔ راجا رحیم داد اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ ان میں سے منڈی تاریخی حقائق وشواہد کے مطابق ہے کیوں کہ جب حسن کو سہسرام کی جاگیر ملی تو وہ اپنی پہلی بیوی اور بیٹوں سے غافل ہوگیا۔ غفلت کی وجہ حسن کا ہندو بیوی سے زیادہ لگاؤ تھا۔ اس ہندو بیوی کے باعث وہ اپنی پہلی بیوی اور دونوں بچوں کو منڈی میں ہی چھوڑ گیا۔''

ابراہیم خان سوری

حسن خان سوری

{میاں حسن بھی کہلاتا تھا}

فہمیدہ بانو سے فرید خان المعروف شیر شاہ سوری، نظام خان

زوجہ دوم، یوسف، علی

زوجہ سوم، شادی خان، خرم

زوجہ چہارم سلیمان اور احمد

باب ۱۰

تعلیم و تربیت

شیر شاہ نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق کم سنی ہی میں حصول تعلیم کی کوشش شروع کر دی۔

مخزن میں لکھا ہے:

''فرید بہ تحصیل علم عربیہ مشغول شد۔ قافیہ بہ حاشیہ قاضی شہاب الدین خوب طریق خواند۔ علوم دیگر نیز تحصیل کرد از گلستان و بوستاں وسکندر نامہ وغیرہ ہم خواند۔ در ایام او نہا دیم کہ برائے مدد و معاش حاضر شد نداز حاشیہ ہندیہ می پرسید۔ او کتب الملوک ماضیہ اکثر وقت مطالعہ می کرد۔''

پروفیسر ہودی والا نے لکھا ہے کہ مخزن کی اصل عبارت یہ ہے:

''پس مدت آنجا بود و تحصیل می کرد۔ و قافیہ حواشی قاضی و کتب دیگر فارسی از گلستاں و بوستاں وسکندر نامہ نیز گزرانید و سیار انبیاء ماضیہ و تاریخ جملہ واقفیت حاصل کرد و اخلاق سوریہ را اسب نمود۔''

{تاریخ خان جہان و مخزن افغانی نعمت اللہ بن خواجہ حبیب اللہ ہراتی}

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیر شاہ نے عربی اور فارسی کتب پڑھیں اور ہندی علوم پر بھی دسترس حاصل کی۔ اسے مشاہیر کی تاریخ از بر تھی۔

ویکی پیڈیا میں ہے:

I'll-treated by his stepmother, he left home at an early age. He went to Jaunpur where he set himself to serious study and there he acquired good command over the Arabic and Persian languages.While he was away in Jaunpur, Farid began to learn Arabic language, history, and works of philosophers."

راجا محمد عارف منہاس تاریخ ساگری میں لکھتے ہیں:

''جب فرید خان بڑا ہوا تو اس کی ماں نے اس کو ''قاضیاں'' (موجودہ تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی میں) کے اسلامیہ دارالعلوم میں داخل کرا دیا جہاں راجا محمد عمر اور راجا محمد عیسیٰ بھی داخل ہوئے۔ان میں سے راجا عمر کی فرید خان سے اور راجا عیسیٰ کی نظام سے دوستی ہوگئی۔ یہ دارالعلوم جناب قاضی حسام الدین نے قائم کیا تھا۔ جناب قاضی صاحب مذہبی فضیلت اور علوم شرقیہ کے عالم ہونے کے باعث ''علامہ دھر'' کہلاتے تھے اس دور میں خطہ پوٹھوہار میں یہی درسگاہ سب سے بہتر تھی۔

ابھی فرید خان نے دوسال کا عرصہ بھی قاضیاں میں پورا نہ کیا تھا کہ فرید خان کے والد حسن نے دونوں بھائیوں اور ان کی ماں کو اپنے پاس بلا لیا۔حسن کی چھوٹی بیوی (ہندو کنیز) کو ان کا سہسرام آنا برا لگا کیوں کہ اس کے خیال میں فرید اور نظام کو لانا اس کے دونوں بیٹوں سلیمان اور احمد کے مفادات کے منافی تھا۔اس ہندو بیوی نے سازش کر کے فرید خان کو گھر سے نکلوا دیا۔فرید خان جونپور آ گیا اور یہاں اپنی تعلیم

حاصل کی۔فرید خان 1494 تا 1497 جونپور (اس کو اس دور میں ''شیراز ہند'' کہا جاتا تھا) میں رہا۔ چند خیر خواہوں نے حسن اور فرید خان کی صلح کرائی اور اس طرح فرید خان واپس سہسرام آ گیا۔حسن نے کچھ مدت بعد جاگیر فرید خان کے حوالے کر دی۔ 1497 تا 1518ء یعنی 21 سال فرید خان بطور نائب جاگیر کا کام چلاتا رہا۔ جب فرید خان مغل بادشاہ ہمایوں کو شکست دیکر شیر شاہ بنا تو اس نے اپنے خاندان کے محسن راجا بج کی اولاد اور اپنے ہم جماعت راجا عمر کو وزیر مال اور راجا محمد عیسیٰ کو سپہ سالار مقرر کیا۔

راجا محمد عمر پکھڑال کونتریلہ کے رہنے والے تھے ابتدائی تعلیم قاضیاں کے دارالعلوم اسلامیہ سے حاصل کی۔ پھر جموں چلے گئے، وہاں سے ریاضی اور جغرافیہ کی تعلیم حاصل کی۔آپ نے کونتریلہ میں ایک مدرسہ قائم کیا اور خود اس کے سر پرست اعلیٰ بنے۔آپ کے مدرسہ میں ہر مذہب وملت کے بچوں کو داخلہ دیا جاتا تھا۔آپ ریاضی کے ماہر استاد تھے۔جب فرید خان (شیر شاہ سوری) شہنشاہ ہند بنا تو اس نے آپ کو ریاضی و جغرافیہ کا ماہر ہونے کے باعث شاہی قانون گو (وزیر مال) مقرر کیا۔''

12 سال کی عمر میں شیر شاہ سوری کو اپنی سوتیلی والدہ کی وجہ سے مشکل صورت حال سے دوچار ہونا پڑا۔اس نے اپنے بیٹوں کیلئے حق وراثت کا مطالبہ کیا اور خدشہ ظاہر کیا کہ اگر حسن خان کو کچھ ہو گیا تو ہوسکتا ہے کہ شیر شاہ سوری اور اس کا بھائی سلیمان اور احمد کو ان کا جائز حق نہ دیں۔

تاریخ جہلم میں لکھا ہے:

''شیر شاہ 15ویں صدی کے آخری ربع میں پیدا ہوا۔اس کے والد

حسن کی چار بیویاں تھیں اور سب سے چھوٹی بیوی کو حسن پہ کافی کنٹرول حاصل تھا اس کی وجہ سے باقی بیویوں اور ان کے بچوں کی زندگی اجیرن ہو چکی تھی۔ان حالات سے دل برداشتہ ہو کر شیر شاہ بائیس برس کی عمر میں گھر چھوڑ کر چلا گیا گھر میں اسے تھوڑی سی ابتدائی تعلیم کا موقع ملا تھا اور اس دوران اس نے جون پور میں تعلیم حاصل کی، اس نے عربی، فارسی، تاریخ اور علم سیر پر عبور حاصل کیا اور تین سال کے عرصے میں مدرسے کے مولوی کی سند بھی حاصل کی۔''

{تاریخ جہلم ،انجم سلطان شہباز}

جلال خان والئی جون پور سے اس کا تعارف ایک ہونہار طالب علم کی حیثیت سے ہوا اس نے حسن کو بلا کر کہا کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

جب حسن خان سہسرام گیا تو اس وقت شیر شاہ کی عمر 12 سال تھی سہسرام میں حسن خان کی چہیتی بیوی نے اپنے حصے کا مطالبہ کیا اور فرید خان اور اس کی ماں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوگئی۔جب گھر کا ماحول ناخوشگوار ہو گیا تو شیر شاہ گھر سے ناراض ہو کر جمال خان کے پاس جونپور چلا گیا۔اس وقت شیر شاہ کی عمر 15 سال کے لگ بھگ تھی اور یہ 1501ء تھا۔

وکی پیڈیا میں ہے:

'During his early age, Farid was given a village in Fargana, Shahabad (comprising present day districts of Bhojpur, Buxar, Bhabhua of Bihar), by Bahlul Khan Lodi's counselor and courtier, Omar Khan. Farid Khan and his father, who had several wives, did not get along for a while so he decided to run away from home. When his father discovered that he fled to serve Jamal Khan, the governor of Jaunpur, Uttar Pradesh, he

wrote Jamal Khan a letter that stated:
"Faríd Khán, being annoyed with me, has gone to you without sufficient cause. I trust in your kindness to appease him, and send him back; but if refusing to listen to you, he will not return, I trust you will keep him with you, for I wish him to be instructed in religious and polite learning."
Jamal Khan had advised Farid to return home but he refused. Farid replied in a letter:
"If my father wants me back to instruct me in learning, there are in this city many learned men: I will study here."

''تاریخ روہتاس'' میں ہے:

''شیر شاہ نے نارنول اور سہسرام میں تعلیم حاصل کی اور جب وہ جونپور گیا تو کچھ ہی عرصہ بعد عالم بن گیا۔

جونپور (موجودہ اتر پردیش میں) ایک بارونق شہر تھا جو علومِ اسلامیہ اور مساجد کی وجہ سے خاصی شہرت رکھتا تھا۔ 1496ء میں سلطان سکندر نے اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اس نے سلطان حسینی شاہ شرقی کے نشانات مٹانے کے لئے محلات کے ساتھ ساتھ کئی مساجد کو بھی منہدم کرادیا۔ البتہ فیروز تغلق کی تعمیر کردہ اٹالوی مسجد کو چھوڑ دیا۔ ابراہیم شاہ کی مسجد کا دروازہ مسمار کردیا گیا، بی بی راضی کے لال دروازے کو ملیا میٹ کردیا گیا جب جونپور کی سب سے بڑی مسجد جامع الشرق اس کے ستم کی زد میں آنے لگی تو شہر بھر کے علماء نے اس سے ملاقات کی اور اسے اس ارادے سے باز رکھا۔ لہٰذا اس مسجد کا بیرونی

دروازہ ہی اُس کے انتقام کا نشانہ بنا۔

جونپور کے حسین شاہ شرقی نے سیّد محمد کے زیرِ اثر راجا دِلپت راؤ پر حملہ کیا اور سیّد محمد نے دِلپت راؤ کا سر کاٹ کر اپنے مہدی ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کی اس روش کا خمیازہ حسین شاہ کو بھگتنا پڑا اور اُسے وہاں سے نکل جانا پڑا۔ افغان فاتحانہ انداز میں جونپور میں داخل ہو گئے اس دوران مہدی ہونے کا دعویدار جس نے مسلمانوں کے جذبات سے کھیل کر انھیں خونریزی پر اُبھارا تھا یہاں سے بھاگ چکا تھا۔

یہ صورتِ حال تھی جب فرید خان جونپور پہنچا۔ البتہ ابھی تعلیمی ادارے اپنا کردار ادا کر رہے تھے جہاں دور دور سے طلبہ آتے اور انھیں رنگ و نسل اور حسب ونسب کے امتیاز کے بغیر علم دیا جاتا تھا۔ بڑے بڑے جیّد علماء جونپور میں موجود تھے۔

شیر شاہ نے جونپور میں تعلیم حاصل کی اور فارسی کی گلستان، بوستان، سکندر نامہ پڑھیں اس کے علاوہ اُس نے دیگر مضامین بھی پڑھے اس نے اپنے اسلاف کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کیا اور انبیاء کرام کی سیرت بھی پڑھی۔ اسے عربی اور فارسی پر دسترس حاصل تھی۔‘‘

باب ۱۱

خاندانی جاگیر کا بندوبست

شیر شاہ سوری جونپور ہی میں تھا جب تیزی سے بدلتے ہوئے سیاسی حالات اور حسن خان کی سرحدی مصروفیات کی وجہ سے شیر شاہ سوری کو خاندانی جاگیر کی دیکھ بھال کیلئے راضی کرنے اور واپس بلانے کا فیصلہ کیا گیا۔

وکی پیڈیا میں ہے:

"Because of his abilities, he was soon appointed by his father to manage the family Jagir. But again because of his stepmother, he left his father's Jagir and went to Bihar where he later joined the service of Babur. "

جنوبی بہار میں جہاں اب شاہ آباد کا ضلع ہے حسن خان کی جاگیر کے دو پرگنے سہسرام اور خواص پور ٹانڈہ تھے۔ مشرقی خاندان کے عہد حکومت تک جنوبی بہار میں مسلمانوں کا مستقل تسلط قائم نہیں ہو پایا تھا۔ وہاں مختلف راجپوت خاندان جگہ جگہ اپنا اڈا جمائے تھے مثلاً مونگیر اور اس کے قرب و جوار میں گوڑ خاندان تھا۔ روہتاس میں اجّین کے پرمار راجپوتوں کی ڈوڈا شاخ قبضہ جمائے ہوئے تھی۔ بھوجپور اور قنوج سے لوگ یہاں آ کر بس رہے تھے۔ سلطان حسین شاہ شرقی کی حکومت کے آخری دور میں بھاٹا (موجودہ ریوا) کے بگھیلہ راجا بدھی چندر جو بظاہر شرقی سلطان کا دوست تھا، نے پریاگ سے لے کر بہار میں موجودہ پٹنہ تک اپنا

تسلط قائم کر لیا تھا۔ سلطان سکندر کو بہار سے راجا بدھی چندر کو نکالنے کیلئے کئی بار فوج کشی کرنی پڑی۔ مجبور ہو کر راجا سر گوجا (جھارکھنڈ) ہوتا ہوا بندھیل کھنڈ بھاگ گیا لیکن اپنے آخری حملہ میں بھی سلطان سکندر راجا کے مضبوط قلعہ بندگڑھ (بھاٹا) کو فتح کرنے میں ناکام رہا۔ اس قلعہ کو سلطان علاؤ الدین خلجی کے زمانہ سے لے کر اکبر کی حکومت کے ابتدائی دور تک کوئی بادشاہ فتح نہیں کر سکا۔ شاہ آباد اور روہتاس کا علاقہ بھی مکمل طور پر قبضے میں نہ آسکا جس کی دو وجہیں تھیں اول علاقہ پہاڑی تھا اور دوم یہاں کے باشندے سرکش تھے۔ انھیں خیالات کو مدنظر رکھ کر سلطان سکندر لودی نے یہاں پر سوریوں کے ایک گروہ کو لا کر آباد کر دیا اور ان کے سرداروں کو سرحدی افسر مقرر کر دیا تاکہ وہ یہاں امن قائم رکھ سکیں اور علاقہ کا انتظام کر سکیں۔

شیر شاہ سوری اور اس کا عہد میں کالکا رنجن نے لکھا ہے:

''سہسرام جو میاں حسن کی جاگیر کا صدر مقام تھا آج ایک اونگھتا ہوا قصبہ ہے۔ اور گرانڈ کورڈ لائن پر اُتری ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ سہسرام سے بجانب جنوب 25 میل پر روہتاس کا حصن حصین ہے جہاں اس وقت بھی ایک آزاد ہندو خاندان حکمراں تھا۔ سہسرام سے براہ راست 46 میل بجانب مغرب دریائے کرناسہ کے اس پار چونڈ کا قلعہ واقع ہے۔ رسل کے نقشہ میں اس کا نام سانت ہے۔''

شیر شاہ سوری نے اپنے والد کی جاگیر کا انتظام خوب اچھی طرح کیا اس کے بارے میں ویکی پیڈیا میں ہے:

Farid and his father later united and began working together. He started reforming the administration of his father by introducing new ways. He also began training and organizing an army force."

قلعہ چوند

ایلیٹ کے مطابق مختلف تاریخوں میں اس کا نام مختلف ہے کہیں چوند، کہیں جند ہے۔ رسل کے نقشہ میں ''سانت'' لکھا ہے، لیکن اصل نام چوند ہے اس کی اصلیت میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ فارسی تاریخوں میں اس کا بارہا حوالہ دیا ہے۔ سلطان سکندر جب حسین شاہ شرقی کے خلاف حملہ آور ہوا تو انھوں نے چوند پر قبضہ کرنے کیلئے دریائے گنگا کو کنشت گھاٹ پر پار کیا اور بجانب مشرق روانہ ہوا۔ بعد میں اس قلعہ کی مرمت شیر شاہ نے از سر نو کی اور اسے مغلوں کے خلاف اپنی جائے پناہ بنایا۔ بنارس کے راجا بلونت سنگھ نے اس کا نام ''بجے گڑھ'' رکھا۔ اس قلعہ میں مہاراجا چیت سنگھ نے وارن ہسٹنگز کے عہد میں پناہ لی تھی۔

مسٹر کالکارنجن نے لکھا ہے:

''یہ قلعہ محمد خاں سوری کی جاگیر کا صدر مقام تھا۔ اس کی جاگیر میاں حسن کی جاگیر سے تین گنا زیادہ تھی جو اس کو 1500 گھوڑ سوار رکھنے کیلئے دی گئی تھی۔ خواص پور ٹانڈہ محمد خاں سوری کے علاقہ کی سرحد پر تھا۔ خواص پور ٹانڈہ وہی جگہ ہے جسے مارٹن کے ایسٹرن انڈیا نقشہ میں موہنیا کے نام سے دکھایا گیا ہے۔ خواص پور ٹانڈہ کی قدرتی حدود کرم ناسہ کے اوپری بہاؤ سے کندرا ندی کے سنگھم تک ہیں۔ مارٹن نے یہ بھی لکھا ہے کہ دریائے سون کی معاون ندی دھاوتی میاں حسن کی جاگیر کی مشرقی سرحد پر بہتی تھی اور رام گڑھ پرگنہ کی جنوبی سرحد اس کی جاگیر کی شمالی حد تھی۔ اس طرح میاں حسن کی جاگیر پورے طور پر ضلع شاہ آباد کے بارا اور نگ، سہسرام، تلوتھو اور موہنیا کے تھانوں پر مشتمل تھی۔ میاں حسن کی جاگیر کے جنوب میں تلوتھو کے پہاڑی علاقہ سے لے کر مغرب میں روہتاس تک چیرو اور ساور لوگ رہتے تھے۔ چیرو لوگ دراوڑ نسل

کے تھے اور کسی زمانہ میں بہت طاقت ور اور مہذب تھے یہ لوگ راج بھنت (راج بھار) شاخ سے تھے جو کبھی گورکھپور، اور بندھیل کھنڈ کے درمیانی علاقہ پر حکومت کرتے تھے۔ جیسا کہ ان کی حکومت کے پرانے کھنڈروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہی لوگ موجودہ شاہ آباد اور مرزا پور اضلاع میں برسر اقتدار تھے۔ جہاں آج بھی ان کے قلعوں کے کھنڈرات بکھرے پڑے ہیں۔ اس علاقہ میں مسلم فتوحات کے بعد بدنظمی پیدا ہوئی اسی دوران میں آریہ اور دراوڑ قبائل میں جنگ وجدل چھڑ گئی۔ کبھی ایک کا پلہ بھاری ہوتا تھا تو کبھی دوسرے کا۔ جب کہ مغلوب راجپوت قبائل شمال سے بھاگ کر گنگا پار جنوب میں داخل ہوئے تب انھوں نے چیروؤں کو اور جنوب میں دھکیل دیا۔ مگر چیروؤں نے اپنی کھوئی ہوئی زمین پر پھر سے قبضہ کر لیا اور پرمار راجپوتوں کو مار بھگایا۔ پٹھانوں کے عہد میں بھوجپوریوں نے ان کو نکال باہر کیا۔''

موہنیا

مارٹن نے ''ایسٹرن انڈیا'' میں لکھا ہے:

''موہنیا سہسرام کے جنوب میں واقع ہے۔ اس پرگنہ میں مقام چین پور شیر شاہ کے خاندان کے کچھ گھرانوں کو بود و باش کیلئے بہت پسند خاطر تھا۔ یہیں پر اس کے خاندان کے بہت سے لوگوں کے مقبرے بھی ہیں۔ انھیں میں سے ایک قبر شیر شاہ کے داماد اطہر خاں کی ہے۔ موہنیا سب ڈویژن کے جہاں آباد مقام پر اینٹ اور پتھر کی بنی ایک سرائے آج بھی موجود ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی تعمیر شیر شاہ نے کرائی تھی۔''

رام گڑھ

اسی طرح مارٹن نے لکھا ہے کہ رام گڑھ موہنیا کے شمال اور سہسرام سے شمال مغرب میں واقع ہے۔ مارٹن نے لکھا ہے کہ ضلع رام گڑھ کے درّوں میں چیرو لوگوں کی کافی زمین تھی۔ اس نے ضلع رام گڑھ میں ایک مقام کا نام ''مہارتھ'' لکھا ہے۔ جس سے عباس اور دوسرے مؤرخوں کی ''مہارتھ چیرو'' مقام کی نشاندہی ہوتی ہے۔ رام گڑھ کے چیرو حکمرانوں میں بھدی چند آخری راجا تھا۔

میاں حسن کی جاگیر کے شمالی حصہ میں زیادہ تر کاشتکار اور درمیانی طبقہ کے لوگ رہتے تھے۔ ہندو آبادی کے اعلیٰ طبقوں میں راجپوتوں کا شمار تھا اور ادنیٰ طبقوں میں آہیر وغیرہ تھے۔ راجپوتوں کی اکثریت جو آج تک قائم ہے شیر شاہ سوری کی حکمت عملی کا ہی نتیجہ ہے۔ اس نے راجپوتوں کو اسی مقصد سے آباد کیا تھا کہ وہ نہ صرف چیرو اور افغان دونوں کو دباتے رہیں گے بلکہ موقع پڑنے پر وہ افغانوں کے خلاف بھی اس کا ساتھ دیں گے۔

مارٹن نے 19ویں صدی کے آغاز میں شاہ آباد علاقے کے باشندوں کی گفتار اور کردار کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے تین سو سال قبل ان کے آباواجداد کے اخلاق و عادات کا صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مارٹن لکھتا ہے:

> ''وہ خصلتاً جنگجو تھے۔ ان کا میلان طبع رہزنی کی طرف تھا۔ وہ بھالوؤں کے مانند کاہل تھے۔ اجنبی کو غلط راستہ بتانے میں ان کو بڑا ہی مزا آتا تھا۔ رفتار زمانہ بھی خطہ زمین کے مقابلہ میں لاچار ثابت ہوئی اور ان کی خصلت میں کوئی نمایاں فرق نہ پڑا۔ بہرحال ان کا اپنا ایک خاص ہی وجود ہے۔ یہ سیاسی روایت، زبان اور کردار و گفتار میں شمال مشرق و مغرب میں سکونت پذیر ہندی بولنے والے اپنے پڑوسیوں سے مختلف ہیں۔ با ایں ہمہ وہ بڑی ڈینگ ہانکتے ہیں۔ اپنی ناتراشیدہ

بولی کا ایک دلچسپ قصہ بتاتے ہیں اور اپنے بھدے اخلاق و اولوالعزمی پر ناز کرتے ہیں۔''

حسن فرید خان کو اپنے ساتھ لے گیا اور اپنی جاگیر کا منتظم مقرر کر دیا۔ 1518ء سے 1522ء تک شیر شاہ سوری اپنی جاگیر کا مہتمم رہا اور جب اس کا والد حسن خان سوری اپنی جنگی مہمات سے لوٹا تو اس نے شیر شاہ کو اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا۔

شیر شاہ سوری نے جاگیر کے انتظام کیلئے ان علاقوں کا دورہ کیا۔ پر اثر تقاریر کیں اور ایسا نظام قائم کیا جس سے کاشتکاروں کو سکون ملا اور ان کی جانیں ناجائز اور ظالمانہ ٹیکس کے چنگل سے نکل آئیں اور خون چوسنے والی جونکوں سے نجات حاصل ہوگئی۔ شیر شاہ سوری تقریباً 4 سال تک جاگیر کا منتظم رہا۔ اسی دور میں اس نے انتظامی اور فوجی اصلاحات کیلئے 1518ء کے موسم گرما میں اپنے پرگنوں کا دورہ کیا۔

ان دنوں کاشت کار اور زمیندار پٹواری کے محتاج تھے۔ آج بھی جہاں جہاں زمینوں کا ریکارڈ کمپیوٹرائز نہیں ہوا پٹواریوں کا خاصا اثر ورسوخ ہے۔ مسٹر کالکا نے لکھا ہے:

''سرکار اور کاشت کار دونوں کی نظر میں پٹواری کا درجہ بہت اونچا تھا۔ وہ محکمہ مال کا ایک اہم پُرزہ اور اپنے موضع کے مالی اسرار کا محافظ و امین سمجھا جاتا تھا۔ وہ گاؤں کا دماغ اور اس کی جمہوریت کا وزیر تھا۔''

شیر شاہ سوری نے اس صورت حال کو کلی طور پر بدل دیا۔ اس نے اپنے زمینداروں سے خطاب کیا جس کے بارے میں عباس سروانی نے لکھا ہے:

''جب وہ سپاہیوں سے اپنی بات کہہ چکا تب رعایا کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے کہا'' آج میں تمہیں پوری آزادی دیتا ہوں کہ اپنا طرزِ عمل چن لو'' کچھ کاشت کاروں نے تو جریب کیلئے رضامندی ظاہر کی اور کچھ نے غلہ دینا پسند کیا۔ فرید نے کاشت کاروں سے انھیں کے قلم سے لکھوائی۔ اور کہا'' میں نے محصولانہ اور محصول (لگان وصول کرنے

والے) کی خوراک مقرر کر دی ہے اگر کسی اہلکار نے مقررہ حد سے زیادہ کسان سے وصول کیا تو حساب فہمی کے وقت اس سے یہ مجرا نہیں ہوگا۔ (مجرانا خواہم داد) یہ بات واضح رہے کہ حساب فہمی میرے رو برو ہوگی۔ اور میں صرف تمہارا جائز خرچہ ہی پاس کروں گا۔ لگان صرف ضابطہ کے مطابق ہی وصول ہونا چاہیے۔ خریف کے لگان کی خریف میں اور ربیع کے لگان کی ربیع میں پوری وصولیابی ہونی چاہیے۔ بقایا لگان سے پرگنہ برباد ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے عاملوں اور رعیت کے درمیان نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔ حاکم کا یہ فرض ہے کہ زمین کی پیمائش اور لگان مقرر کرتے وقت وہ رعایا کے ساتھ نرمی سے کام لے اور ان کے مقدور کے بموجب لگان مقرر کرے لیکن بوقت وصول سختی سے پیش آئے اور پورا لگان وصول کرے۔ اگر رعیت میں سے کوئی دھوکہ دے تو اس کو اتنی سخت سزا ملنی چاہیے کہ دوسروں کو عبرت ہو اور کوئی دوبارہ ایسا کرنے کی جرأت نہ کرے۔ اگر رعیت میں سے کسی کو کوئی پریشانی یا مشکلات ہوں تو وہ خود میرے روبرو پیش کرے۔ میں کسی کو ان پر ظلم نہیں ڈھانے دوں گا۔ شیر شاہ سوری کی کاشت کاروں کو آخری نصیحت یہ تھی۔ ''جاؤ اور پوری تندہی سے اپنے کھیتوں میں کام کرو اور سرکار کے وفادار رہو۔'' کاشت کاروں کو رخصت کرنے کے بعد اس نے اپنے والد کے عہدہ داروں سے خطاب کیا ''میں نے اطاعت شعار رعیت کو تسلی وتشفی دے کر رخصت کر دیا ہے۔ اب میں ان کے مفاد کو مدنظر رکھوں گا تا کہ نہ تو کوئی ان کے ساتھ بدسلوکی کر سکے اور نہ کوئی انھیں ستا سکے۔ اگر کوئی حکمران رعایا کو افسران کے ظلم سے نہیں بچا سکتا تو اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ رعایا سے لگان وصول

کرے۔"

باب ۱۲

سرکش زمینداروں کی سرکوبی

جب شیر شاہ اپنی خاندانی جاگیر کا مہتمم بنا تو اس وقت جاگیر میں کئی قسم کی خرابیاں نمودار ہو چکی تھیں۔ کئی زمیندار سرکشی دکھا رہے تھے اور کئی کاشتکار ظلم کی چکی میں پس رہے تھے۔ شیر شاہ نے اس روایتی نظام کو تبدیل کرنے کا بیڑا اٹھایا اور از سرنو ایک انتظامی ڈھانچہ تشکیل دیا۔ اس لئے سب سے پہلے اسے باغی اور سرکش مقدموں اور زمینداروں کا محاسبہ کرنا تھا۔

مسٹر کالکارنجن نے لکھا ہے:

''فرید کو دو قسم کے باغیوں کو سزا دینی تھی۔ پہلا طبقہ سرکش مقدموں کا تھا جو جاگیرداروں کی غیر حاضری کا فائدہ اٹھا کر لگان دینا بند کر دیتے تھے۔ وہ زمینداروں کی طرح فطرتاً سرکش نہیں تھے۔ یہ زمیندار عملی طور سے خود مختار تھے۔ وہ جنگلوں میں قلعہ بنا کر رہتے تھے اور اپنے مسلم جاگیرداروں کو چنوتی دیتے رہتے تھے۔ ان زمینداروں کی گردن پر جب تک تلوار نہ رکھی جاتی۔ کسی قسم کا مالیہ ادا نہیں کرتے تھے اور کسی طاقتور مالک کو کبھی کبھی کچھ دیتے بھی تھے تو اُس کی نوعیت یہ ہوتی تھی کہ کوئی مشتبہ وفاداری والا سردار خراج ادا کرے۔ اگر زمیندار مالکوں کی اطاعت بھی قبول کر لیتے تھے تو بھی مالکوں کی رسائی ان کے علاقہ

تک نہ ہو پاتی تھی۔ وہاں وہ کلیتاً بااختیار تھے۔

جب سب تیاریاں مکمل ہو گئیں تب فرید سرکش مقدموں کے گاؤں پر ٹوٹ پڑا۔ دیہاتیوں کے مویشیوں املاک حتیٰ کہ بیوی بچوں کو بھی چھین لیا۔ حسب وعدہ اس نے مال غنیمت تو اپنے سپاہیوں کو تقسیم کر دیا۔ مگر دیہاتیوں کے کنبوں کو اپنی ہی حراست میں رکھا تا کہ سپاہی ان پر جور وتشدد نہ کر سکیں۔ جب مقدّموں نے اطاعت قبول کر لی۔ بقایا لگان ادا کر دیا اور مستقبل میں اپنی خیر خواہی اور وفاداری کی ضمانت دے دی تو فرید نے ان قیدیوں کو رہا کر دیا۔''

عباس خان سروانی نے شیر شاہ کی تیاریوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''باغی زمینداروں کی سرکوبی کیلئے اسلحہ اور سپاہیوں کی ضرورت تھی۔ شیر شاہ نے یہ کام نہایت دور اندیشی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ رسالہ میں مقامی ہندو کسانوں کو بھرتی کر لیا اور رعیت کے نام فرمان جاری کیا کہ جن کے پاس گھوڑے ہیں وہ سوار ہو کر اور جن کے پاس گھوڑے نہیں وہ پیدل اس کے سامنے حاضر ہوں۔ اس نے ان میں سے نصف لوگوں کو بھرتی کر لیا اور باقیوں کو کاشت اور گھروں کی حفاظت کرنے کیلئے چھوڑ دیا۔''

مسٹر ایلیٹ نے شیر شاہ کی جنگی حکمت عملی اور پیش قدمی کا خاکہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے:

''اس عارضی فوج کے ساتھ فرید نے باغی زمینداروں کے علاقہ کی طرف بہ احتیاط تمام کوچ کیا۔ وہ ہر پڑاؤ پر اپنی فوج کے چہار طرف قلعہ خام تیار کراتا اور فوج کو اس کے اندر بحفاظت ٹھہراتا تھا۔ پیادہ سپاہیوں کو حکم دیتا کہ گاؤں کے چاروں طرف کے جنگل صاف کر دیں اور رسالہ کے سپاہیوں کو گاؤں کے چاروں طرف گشت لگانے، فصل کو

برباد کرنے، مویشی ہنکالانے، عورتوں بچوں کو قید کرنے اور مردوں کو تلوار کے گھاٹ اتارنے کی ہدایت کرتا۔ اس طرح گاؤں کی پوری ناکہ بندی ہو جاتی تھی۔ جنگل صاف ہونے کے بعد وہ اپنی فوج کو گاؤں کے اور نزدیک لاتا اور اپنے لشکر کے چاروں طرف خندق کھود کر قلعہ خام بنا کر اس کی حفاظت کا انتظام کرتا تھا۔ جب زمینداروں کے پاس جنگل میں چھپنے کا کوئی وسیلہ نہ رہا تو مجبور ہو کر انھوں نے اطاعت قبول کر لی اور رقم کثیر بطور تاوان ادا کرنے کو تیار ہو گئے۔ لیکن فرید اس قسم کا حکمراں نہ تھا جو عارضی نفع کیلئے اپنے ارادہ کو بدل دیتا۔ وہ سرکش زمینداروں کو جڑ سے اکھاڑنا چاہتا تھا۔ اس نے ان قلعوں کو برباد اور باغیوں کو قتل کیا، ان کے بیوی بچوں کو غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ پھر اس ویران علاقہ کو آباد کرنے کیلئے اس نے اپنے پرگنہ کے تمام حصوں سے آدمیوں کو بلا کر بسایا۔ جب دوسرے سرکش زمینداروں کو اس وحشت خیز بربریت کی اطلاع ملی تو وہ خائف ہو گئے اور انھوں نے اظہار ندامت کیا اور آئندہ لوٹ مار اور رہزنی سے توبہ کی۔ ان باغی زمینداروں کے سرکشانہ رویہ کو دیکھتے ہوئے ان کے ساتھ فرید نے جو سلوک کیا وہ درحقیقت اس کے مستحق تھے۔ اس میں بے جا بے رحمی نہ تھی بلکہ یہ حاکم کی طرف سے منصفانہ سختی تھی۔ بلاشبہ یہ زمیندار اس کے پرگنوں میں امن و امان قائم کرنے کی راہ میں مستقلاً مانع تھے۔''

اس دور میں دوران جنگ دشمن کے بیوی بچوں کو قید کر کے غلام بنانا اور فروخت کرنے کا رواج عام تھا۔ سرکش مقدموں اور کاشتکاروں سے واجب الادا لگان وصول کرنے کا اس سے بہتر طریقہ کوئی نہیں تھا کہ انھیں حراست میں لے لیا جائے اور ان کی جائیداد پر قبضہ کر لیا جائے۔ برطانوی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں بھی یہی حکمت عملی اختیار کی جاتی تھی۔ شیر شاہ

نے بھی یہی طریقہ اپنایا اور جلد ہی اس کی جاگیر میں امن و امان قائم ہو گیا۔شیر شاہ کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب اس کی انتظامی صلاحیتوں کا لوہا مانا گیا اور زمینداروں اور کاشت کاروں پر اس کی دہشت چھا گئی لیکن دوسری جانب کاشت کاروں کے حقوق اور مفادات کے تحفظ نے اسے ان کا ہیرو بنا دیا اور اور وہ ان میں ہر دلعزیز ہو گیا۔

شیر شاہ سوری کو جب خاندانی جاگیر کا منتظم مقرر کیا گیا تو اس دوران جو واقعات پیش آئے ان کا خلاصہ یہ ہے:

''کئی برسوں کے بعد جب حسن خان، جمال خان سے ملا تو اس نے اسے کہا کہ تم نے اپنی چہیتی بیگم کیلئے فرید کو در سے بدر کر رکھا ہے۔اس پر حسن نے کہا کہ وہ فرید کو جاگیر کا انتظام سنبھالنے کیلئے ساتھ لے جا سکتا ہے۔شیر شاہ نے کچھ شرائط کے تحت پرگنوں کا انتظام سنبھالنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔حسن نے کچھ دن فرید کو اپنے پاس رکھا اور اس کے علم سے بہت محظوظ ہوا۔اس سے پہلے حسن نے اسے اس لئے دور رکھا تھا کہ سلیمان کی والدہ ناراض نہ ہو مگر اب اُس نے اُسی کے مشورے سے شیر شاہ سے صلح کر لی اور اسے سہسرام لے گیا سلیمان کی والدہ سے حسن نے وعدہ کر لیا کہ جب سلیمان ان معاملات کو سنبھالنے کا اہل ہو جائے گا تو وہ جاگیروں کا انتظام اس کے سپرد کر دے گا۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ سلطان سکندر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم تخت نشین ہو گیا تو اس کا بھائی جلال خان اس سے برسرِ پیکار ہو گیا ان دونوں کی کشمکش میں امراء اور جاگیردار اپنے مستقبل سے خائف تھے اور کئی وسوسے ان کو جکڑے ہوئے تھے۔اس مخدوش صورتِ حال میں شیر شاہ کی سوتیلی والدہ نے اپنے شوہر کو مجبور کیا کہ وہ شیر شاہ کو راضی کر کے سہسرام لے آئے۔کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ اس

وقت شیر شاہ کے علاوہ اور کوئی ان کے کام نہیں آ سکتا۔

شیر شاہ کے والد کی جاگیر سہرام اور خواص پور ٹانڈہ کے پرگنوں پر مشتمل تھی۔ اس وقت ان پرگنوں کے گردونواح میں راجپوتوں کے مضبوط گڑھ تھے۔ ان کی طاقت کمزور کرنے کیلئے مشرقی خاندان نے مختلف افغان خاندانوں کو آباد کرنا شروع کیا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب مونگیر میں گوڈ خاندان کا طوطی بول رہا۔ روہتاس پر اجتن کے پرمار راجپوتوں کی ایک معروف گوت ڈوڈا قابض تھی۔ سلطان حسین شاہ شرقی کے دور میں راجا بدھی چند نے پریاگ سے پٹنہ تک اپنی راج دھانی قائم کر لی تھی۔ بدھی چند ریوا کا بھگیلہ راجا تھا۔

سلطان سکندر نے متعدد بار اس راجا پر حملہ کیا اور ان حملوں کی وجہ سے بالا آخر راجا بدھی چند سرگودھا (جھارکھنڈ) کے راستے بندھیل کھنڈ کی طرف چلا گیا۔ تاہم اس کے فرار کے باوجود سلطان سکندر اس کے فصیلدار شہر بھاٹا کو فتح نہ کر سکا۔ مقامی باشندوں کی سرکشی کے سدباب کیلئے سلطان سکندر نے اس کوہستان علاقے میں جفاکش سوریوں کو آباد کر دیا تھا۔

قلعہ روہتاس سہسرام سے 39 کلومیٹر بطرف جنوب واقع تھا جبکہ 71 کلومیٹر مغرب کی جانب دریائے کرناسہ کے پار مشہور قلعہ چوند واقع تھا۔ اس قلعے کو محمد خان سوری نے اپنا صدر مقام بنا رکھا تھا۔ چوند کا قلعہ ایک معروف دفاعی مقام تھا۔ اس قلعے کا نام بجے گڑھ بھی تھا۔ جب شیر شاہ نے مغلوں کے خلاف محاذ آرائی کا آغاز کیا تو اس نے چوند کے قلعے کو بھی ازسرنو مرمت کرایا۔

محمد خاں سوری کی ایک جاگیر حسن کی جاگیر سے تین گنا زیادہ تھی نیز اس

کے پاس 15 سو گھڑسوار تھے۔ خواص پور کی قدرتی سرحد کرم ناسہ اور کندرا ندی تھی۔ یہ جاگیر شمال کی جانب پرگنہ رام گڑھ تک وسیع تھی۔ میاں حسن کی جاگیر میں دو اور مقام تلوتھو اور موہنیا بھی تھے۔ موہنیا کا مقام سہسرام کے جنوب میں واقع تھا یہاں ایک مقام چین پور میں شیر شاہ کے رشتہ داروں کی رہائش تھی۔ ان لوگوں کے مقبرے آج بھی وہاں موجود ہیں۔ یہیں پر شیر شاہ کے داماد اطہر خان کی قبر بھی ہے موہنیا کے شمال میں رام گڑھ واقع ہے۔

شیر شاہ نے ان علاقوں میں مختلف کاشتکار اقوام کو آباد کر کے اپنی سیاسی قوت میں اضافہ کر لیا۔ اس نے آہیر راجپوتوں کی کثیر تعداد کو اپنی جاگیر میں آباد کیا اس طرح افغان بھی اس کے زیر اثر رہے۔ بالکل اسی طرح شیر شاہ نے جہلم میں کیا اور گکھڑوں پر نظر رکھنے کیلئے کامران مرزا سے زمین حاصل کر کے روہتاس کے مقام پر ایک عظیم قلعہ تعمیر کر دیا۔

شیر شاہ نے بڑی فراست سے جاگیر کا انتظام سنبھالا۔ اس نے کاشتکاروں کو مرعات دیں اور ان کے بیشتر مسائل کو حل کیا۔ اس نے جاگیر داری میں کئی اصلاحات کیں۔ اس نے نہایت مدبرانہ انداز میں اصلاح کی۔ شیر شاہ ایک زمانہ دیکھ چکا تھا اور اس جہاں نوردی نے اسے نفسیات انسانی سے کماحقہ آگاہ کر دیا تھا۔

شیر شاہ نے ایک جلسہ کیا اور اس میں لوگوں کو ان کے مفادات کے تحفظ کی یقین دہانی کرائی۔ ان کے قرضے معاف کر دیئے اور مزید مراعات کا اعلان کیا۔ اس طرح یہ تمام لوگ شیر شاہ کے گرویدہ ہو گئے۔

شیر شاہ نے اپنی جاگیر میں جگہ جگہ جلسے کیے اور مختلف علاقوں کا دورہ کر کے لوگوں کی مشکلات اور مسائل سے آگاہی حاصل کی۔ انصاف

پسندی کو اپنا شعار بنایا قریباً 4 برس تک شیر شاہ اس جاگیر کی دیکھ بال کرتا رہا۔ اس نے زمینداروں، کاشتکاروں اور پٹواریوں کی شکایات کا ازالہ کیا۔ 1518ء میں اس نے اپنے تمام پرگنوں کا دورہ کیا اور عوامی اجلاس میں پُرمغز تقریریں کیں۔

شیر شاہ نے اپنے سپاہیوں کو سختی سے حکم دیا کہ وہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ کریں۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اسے کڑی سزا دی جائے گی۔ نیز ایسا کرنے والے سپاہی کی جائیداد ضبط کر لی جائے گی۔ اس نے کاشتکاروں کو اس بات پر قائل کیا کہ اگر زیادہ محنت کریں گے تو اس کا فائدہ بھی انہی کو پہنچے گا۔ اس طرح کی اصلاحات نے شیر شاہ کی مقبولیت میں بہت اضافہ کر دیا اور وہ سب میں ایک ہر دلعزیز شخصیت بن گیا۔

شیر شاہ نے فوجیوں کا انتظام بھی کیا اور ان کے نظام میں کئی اصلاحات کیں اس نے فوجیوں کی تنخواہیں مقرر کیں اس سے قبل فوجیوں کے پاس جاگیریں تھیں یہ جاگیریں انھیں نہ صرف ہمسایہ کاشتکاروں کو تنگ کرنے کا جواز فراہم کرتی تھیں بلکہ بسا اوقات انھیں باغی بھی بنا دیتی تھیں۔ شیر شاہ نے زراعت کو توسیع دینے کے ساتھ ساتھ ان خرابیوں کا بھی قلع قمع کر دیا۔ پھر شیر شاہ ایک مذہبی ذہنیت کا حکمران تھا اور مذہب پسندی کی وجہ سے پٹھان اس کی تہہ دل سے قدر کرتے تھے۔

شیر شاہ نے مالیہ اور لگان کی بدعنوانیوں کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اس نے محکمہ مال کی بہت سی قباحتیں بھی دور کر دیں۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ وہ جائز لگان کے علاوہ لگان نہ دیں اور اگر انھیں کوئی مشکل ہو تو وہ اس کے سامنے پیش ہو جائیں۔ شیر شاہ نے اس طرح گویا ایک جدید محکمہ

مال کی بنیاد رکھ دی اور کسانوں کو صدیوں سے روا ظلم وستم کے پنجے سے نجات دلائی۔ اس نے افسروں کو سختی سے حکم دیا کہ وہ رعایا کو تنگ نہ کریں۔

شیر شاہ کہا کرتا تھا کہ جو بادشاہ اپنی رعایا کو انصاف نہ دے سکے اسے ان سے لگان یا ٹیکس وصول کرنے کا کوئی حق نہیں۔

شیر شاہ نے سہسرام کا انتظام بڑی خوش اسلوبی سے کیا، مگر کچھ زمینداروں نے سرکشی کا رویہ اپنایا۔ تو شیر شاہ نے ان لوگوں کو سزا دینے کا عہد کر لیا۔ اس نے اپنے عمال کو حکم دیا کہ وہ فی الفور دو سو گھڑ سواروں کو بھرتی کریں۔ اس وقت اصطبل میں گھوڑے نہیں تھے شیر شاہ نے رعایا سے اپیل کی تو ہر گاؤں نے حسب استطاعت گھوڑے فراہم کر دیئے۔

اس وقت شیر شاہ عالم شباب میں تھا۔ اس نے سب سے پہلے تو ان مقدموں پر حملہ کیا جو لگان کی رقم جمع کر کے خود ہی ہڑپ لیتے تھے۔ اس نے ان کے مویشی اور اہل وعیال بھی گرفتار کر لیے۔ جب ان مقدموں نے شیر شاہ سے معافی مانگی اور آئندہ وفاداری کا عہدہ کیا تو شیر شاہ نے ان کے بیوی بچے آزاد کر دیئے۔

اس کے بعد دوسرا مرحلہ درپیش آیا اور شیر شاہ نے کسانوں سے مزید سپاہ بھرتی کی۔ اس سپاہ کے ساتھ اس نے سرکش زمینداروں کا رخ کیا۔ وہ ان باغی زمینداروں کا گھیراؤ کر کے، جنگلات صاف کروا دیتا تاکہ باغی وہاں روپوش نہ ہو سکیں۔ شیر شاہ اپنے سپاہیوں کو ہمیشہ فصیلوں کے پیچھے رکھتا جو فوراً تیار کر لی جاتی تھیں۔ اس طرح جلد ہی شیر شاہ نے باغی زمینداروں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے ان

زمینداروں کو ان کی سرکشی کی کڑی سزا دی۔ اس سے دوسرے زمیندار ڈر گئے۔ شیر شاہ کے کئی زمینداروں سے جاگیریں واپس لے کر دوسرے وفادار کاشتکاروں میں تقسیم کر دیں۔

شیر شاہ کی محبت

محبت ایک جذبہ ہے جو ہر دل میں موجزن ہے، شیر شاہ کو بھی نو جوانی میں ایک حسینہ سے محبت ہو گئی۔ اس کے بارے میں بیشتر کتب خاموش ہیں لیکن تواریخ دولت شیر شاہی میں ہے:

''بہر انصاف و آسائش خلق خود را تکلیف دادے و گفتیؒ خادم القوم سید هم۔ فاما از اختلال حال ہندوستان و انقلاب دوران یک ہزار دہاقین برزمین در سایۂ حکومتش پناہ آوردند و بہ مشاغل زمینداری مصروف شدند۔ محاصل ملک را مضاعف گردانیدند۔ یکے از دہاقین چھتری بود از ماروار کہ بزیر پناہش راحت یافتہ بود مسمیٰ جے سنگہ، دخترے داشت ماہ جبین نازک اندام، پری چہرہ۔ روزے ہمرکاب فرید بودم۔ بہ ہنگام واپسی از شکار بہ مکانش گذر افتاد۔ از حدت آفتاب دگر ما بیتاب گشتہ درخواست آب نمودیم۔ آن پری پیکر آب آورد، و ہر دو را سیراب گردانید۔ فرید از دیدار جمال آن مہوش متحیر و از تیر محبتش دل فگار گشت۔ دل سوختہ و حواس باختہ بہ کاشانۂ خود رسید۔ صلاح نیک دادم۔ ہر روز بہ کاشانہ آن مہ جبین رفتے و دل خود را از زیارت آن مہ پیکر مسرور کردے۔

خبر ایں ماجرائے شنگرف بہ جے سنگہ رسید۔ آن راٹھور غیور آہنگ گذاشتن آں سرزمین کرد۔ فرید بر ایں خبر اطلاع یافتہ بسرش تاخت آورد۔ دختر از پدر انتزاع نمودہ، بزلال وصل آن مہ پیکر سیراب گشت وحکم داد تا جے سنگہ را بہ محبس نگاہ دارند۔ جے سنگہ ظاہراً ارادہ اطاعت فرمان پیمودہ درخواست رہائی نمود۔ ایں عرض بہ قبول افتاد۔ چوں جے سنگہ از محبس رہائی یافت ارادۂ ہلاک کردن فرید بہ دل خود مضبود کرد۔ بہ عزم حصول ایں مدعا و بہ عمل آوردن ایں تدبیر انتقام قرب فرید جست۔ روزے بہ خدمت فرید حاضر بود کہ جے سنگہ بہ حضور آمد و پس از سخنہائے ملاطفت و آشتی خنجر کشیدہ بر سر فرید زد۔ دستش گرفتم و خنجر را انتزاع نمودہ، آن ملعون را بجہنم فرستادم۔ فرید شکر کرد و گفت:

''بابا! ترا از دوستاں مخلص میدانم و بہ دل وجان ترا بندۂ فرمان گذارم''۔

چوں ایں خبرے وحشت اثر بہ دختر جے سنگہ رسید، کمال مضطرب گشت و نہ شبانہ روز بہ ماتم آنگردن زدنی ترک خورد ونوش و راحت کرد و خود را بہ غم والم بگذاشت۔ اندازۂ رنج بی اندازہ فرید از بیان قلم بیرون است۔ گریہ آن محبوبہ بزخم جگر آن دلدادہ نمک پاشی می کرد۔ روزے آں وفا کیش آتش برا فروختہ خود را بہ شعلہ ہائے سوزاں بہ سپرد د پاک بسوخت۔ پیمانہ صبر فرید لبریز بود، ارادہ ہلاکت خود کرد، وروزے از غم جان خود بہ معرض تلف آرد کہ فرشتۂ حفاظت بہ امداد آن مایوس رسید۔ اعنی حسن کہ از جدائی آن مہر عالمتاب مایہ صبر وتواں از دست دل دادہ بود وارد آں ویرانہ گشت و بہ تسلی آن فرہاد منش پرداختے۔

{تواریخ دولت شیر شاہی، حسن علی خان}

ترجمہ:

لوگوں کو انصاف اور آرام پہنچانے کیلئے شیر شاہ خود کو تکلیف میں ڈالے رکھتا اور کہتا کہ قوم کا خادم ہی اس کا سردار ہوتا ہے۔ اسی دوران ہندوستان کے حالات اور انقلاب زماں کی وجہ سے ایک ہزار کسان اس کے ماتحت آ گئے اور زمینداری کے کاموں میں مشغول ہوئے۔اس سے شیر شاہ کی زمینوں کے محصولات دگنے ہو گئے۔ ان میں سے ایک کسان چھتری تھا جس کا نام جے سنگھ تھا اس کی ایک نہایت خوبرو، پری چہرہ، نازک اندام اور جواں سال بیٹی تھی۔ایک روز وہ فرید کے ساتھ شکار پر تھا واپسی پر اس کے گھر کے پاس سے گذر ہوا۔گرمی کی حدت اور پیاس کی وجہ سے فرید خان نے پانی طلب کیا۔اس کی خوبر بیٹی پانی لائی اور دونوں کو پلایا،فرید خان اس کا حسن و جمال دیکھ کر بے خود ہو گیا اور اس کی محبت میں مبتلا ہو گیا۔اس کے بعد فرید روز اس حسینہ کے گھر جا کر اس کا دیدار کرنے لگا جب یہ خبر لڑکی کے باپ کو ملی تو اس نے اس مارا پیٹا اور گھر میں بند کر دیا۔باپ بیٹی میں ان بن ہو گئی۔فرید خان کو علم ہوا تو اس نے اس کے باپ کو محبوس کر دیا۔ جے سنگھ نے معذرت چاہ کر اپنی آزادی حاصل کر لی۔ بظاہر تو وہ فرید کا فرماں بردار بنا رہا مگر اندر ہی اندر فرید سے انتقام لینے اور اسے مارنے کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔اس نے فرید کا قرب حاصل کر لیا اور ایک روز وہ بڑی حلیمی سے باتیں کرتا ہوا فرید کے پاس آیا اور اچانک خنجر اس کے سر پر حملہ کر دیا۔فرید نے اس کا ہاتھ گرفت میں لے لیا اور اسی خنجر سے اس کا کام تمام کر دیا۔فرید نے کہا بابا میں تو تیرا بہت احترام کرتا تھا اور تیری باتوں پر عمل بھی کرتا تھا مگر تو نے اس کا کیا صلہ دیا؟

جب یہ وحشت ناک خبر اس کی بیٹی تک پہنچی تو وہ بہت بے حال ہوئی اور

ہر وقت ماتم کناں رہنے لگی۔ فرید کو اس کے غم کا اندازہ تھا اور وہ خود بھی
سخت مضطرب رہنے لگا۔ ایک روز اس دوشیزہ نے اس غم سے نڈھال
ہو کر خود کو آگ کے لپکتے شعلوں میں گرا کر اپنی جان دیدی۔ فرید اس
سے سخت غمناک ہوا اور اس نے بھی اپنی جان دینے کا ارادہ کرلیا تاہم
حسن نے اسے سمجھا بجھا کر اس ارادے سے باز رکھا۔
اس کے ساتھ ہی فرید خان کی پہلی محبت کا اختتام ہو گیا مگر اس کی کسک ہمیشہ اس کے
دل میں رہی۔

باب ۱۳

شیر شاہ کی سبک دوشی

حسن خان شاہی سپہ سالار اعظم دریا خاں لوہانی کی کمان میں چوند کے محمد خاں سوری کے ساتھ 1522ء کے شروع تک رہا اور اس کے بعد وہ سہسرام لوٹا۔ اس نے اپنے بیٹے کے کام کو سراہا اور جاگیر کا معقول انتظام دیکھ کر خوش ہوا۔

عباس خان سروانی نے لکھا ہے:

''اس دوران 1518ء سے 1522ء تک فرید اپنے والد کی جاگیر میں سب لوگوں کو خوشحال اور فارغ البال بنانے کیلئے جد و جہد کرتا رہا۔ یہ کام اس نے اپنی اصلاحات اور حسن انتظام سے پورا کیا۔ اس نے اپنے والد کی جاگیر کے جنوب اور جنوب مغرب میں بسنے والے چیرو زمینداروں کو نیست و نابود کر کے ان کے علاقہ کو اپنی جاگیر میں ملا لیا جس سے اس کا رقبہ دوگنا ہو گیا۔ میاں حسن نے خود اعتراف کیا (بلکہ دو چند ساختہ است) یعنی شیر شاہ نے اس کی جاگیر کو دوگنا کر دیا ہے۔ شیر شاہ نے یہ کام معمولی فوجی طاقت سے ہی کیا اور وقتاً فوقتاً کاشت کاروں سے بھی مدد لی۔ جب میاں حسن واپس آیا اور اس نے فرید خان کے حسن انتظام کی تعریف ان سپاہیوں سے بھی سنی جن کے ساتھ اس نے سختی کی تھی تو اس کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اپنی جاگیر میں ہر طرف سرسبزی

اور شادمانی کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ کچھ دنوں تک باپ بیٹوں کے درمیان پیار ومحبت کا سماں رہا اور میاں حسن نے جوش محبت میں آ کر یہاں تک کہہ دیا کہ وہ اس کی ساری حیات میں جاگیر کا انتظام کرتا رہے۔لیکن یہ محبت صرف چندروزہ بہار ثابت ہوئی۔''

ذوالفقار علی خان نےSHER SHAH SURI میں لکھا ہے:

''Because of his abilities, he was soon appointed by his father to manage the family Jagir. But again because of his stepmother, he left his father's Jagir and went to Bihar where he later joined the service of Babur.''

عباس خان سروانی نے اس واقعہ کونہایت افسانوی انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''فرید خان کی اس شہرت سے سلیمان کی والدہ جل گئی۔سلیمان اور اس کی والدہ نے فرید کے خلاف الزام تراشی شروع کی اور حسن کے کان بھرنا شروع کر دیے۔شروع میں تو میاں حسن نے انہیں جھڑک دیا۔ لیکن بعد میں اسے توبہ کرنی پڑی۔سلیمان کی ماں نے اس سے بالکل قطع تعلق کرلیا۔میاں حسن اس جدائی کی تاب نہ لا سکا اور چندہی دنوں میں اس نے اپنی بیوی کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ جب ساٹھ سالہ بے قرار عاشق اپنی بیوی کے پاس گیاتو وہ سسکیاں بھر کر زاروقطار رونے لگی اور اس پر وعدہ خلافی کی تہمت لگانے لگی۔اس نے میاں حسن کو اس کے اس وعدہ کی یاد دلائی جو اس نے فرید کی تقرری کے وقت کیا تھا کہ سلیمان کے بالغ ہونے پر فرید کی جگہ سلیمان کو دے دی

جائے گی۔ اس نے یہ بھی دھمکی دی کہ اگر میاں حسن نے اپنا وعدہ فی الفور پورا نہ کیا تو وہ خودکشی کر لے گی۔ حسن کی حالت اس وقت قابل رحم تھی۔ اس نے اپنی اس آتش طبع دلآویز محبوبہ کو خوش کرنے کیلئے دوبارہ قسم کھائی اور عہد و پیمان کیا۔ اسی دن سے میاں حسن بدل گیا اور فرید کی جانب اس کا رویہ اور ہو گیا۔

میاں حسن نے فرید کے انتظام پر نکتہ چینی شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باپ بیٹوں میں دل شکنی پیدا ہو گئی۔ جوں ہی فرید کو یقین ہو گیا کہ سلیمان کی والدہ کے جادو سے میاں حسن کو بچانا اس کے بس سے باہر ہے تو اس نے جاگیر کے انتظام میں دلچسپی لینا بند کر دی اور اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔ فرید چند روز انتظار کرتا رہا اور اس نے اپنے والد کو چغل خوروں کے خلاف آگاہ کیا۔ اس نے اپنے والد سے جاگیر کے مالی حالات کی خفیہ جانچ کرانے پر زور ڈالا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خفیہ جانچ کرنے اور بے ایمانی کا پتہ لگانے کے طریقے بھی بتلا دیئے۔ روایت ہے کہ فرید نے میاں حسن سے کہا: ''حاکم کیلئے ضروری ہے کہ وہ رعیت اور عاملوں کے معاملات کا مکمل علم رکھے تاکہ دونوں میں ایمانداری اور دیانتداری قائم رہ سکے۔ زراعت میں ترقی ہو اور اس کو شہرت و سکون خاطر نصیب ہو۔ اگر حاکم کو کبھی عاملوں کی نیک نیتی پر شبہ ہو جائے تو اس کو لازم ہے کہ ان کا تبادلہ کر کے ان کی جگہ آزمودہ اور ایماندار عامل مقرر کرے اور مقدم نویسوں کے پاس سے اصل کاغذات (کاغذات خام) منگوا لے قبل اس کے کہ اس کو اپنے تبادلے کا بھی احساس ہو۔ پھر چودھری اور محرر کو معہ کاغذات خام (کچی بہی) کے اپنے حضور میں طلب کرے۔ جانچ کرتے وقت حاکم

کو یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ زمانہ حال میں ایسے قابل اعتماد وایماندار
اہلکار جن کو زر کی طمع نہ ہو عنقا ہیں۔ رعایا میں شقدار کی مخالفت اور
شکایت کی استطاعت نہیں ہوتی۔ عقل و دانش کا تقاضا یہ نہیں کہ پرانے
شقدار کو بدل کر نیا شقدار مقرر کیا جائے کیوں کہ نیا شقدار پرانے
شقدار کی بداعمالیوں کو ظاہر کرنے کوشش کرے گا تا کہ پرانا شقدار
اسے بھاری رشوت دے اور درخواست کرے کہ رعایا کی جانب سے
کوئی شکایت نہ پہنچنا چاہیے (رعیت رامدعی نہ باید کرد) اگر آج یہ میری
شکایت کریں گے تو کل تمہاری۔ اور نیا شقدار رعیت پر زور ڈالے گا کہ
حاکم کو اصلی حالات معلوم نہ ہو سکیں۔ چنانچہ بہتر ہو گا کہ کوئی منصف
مزاج ثالث بھیج کر اصل کاغذات حاصل کر لیے جائیں اور چودھری
اور نویسندہ کے کاغذات کو بھی طلب کر لیا جائے۔ آپ کو یہ جان کر عین
مسرت ہو گی کہ میں نے پرگنہ کی شقداری سے استعفیٰ دے دیا ہے۔''

اپنے عہدہ سے سبک دوش ہونے کے بعد شیر شاہ سوری نے سہسرام چھوڑ کر آگرہ جانے کا ارادہ کیا۔ جب میاں حسن کے رشتہ داروں کو علم ہوا تو وہ حسن کے پاس آئے اور اس کو سمجھایا کہ بیوی کے کہنے میں آ کر اپنے قابل بیٹے کو دور کرنا اچھا نہیں پھر ملک کے سیاسی حالات بھی اس کی اجازت نہیں دیتے۔ تاہم حسن خان پر ان کی باتوں کا کچھ اثر نہ ہوا اور 1522ء میں فرید نے دوسری بار اپنے والد کا گھر چھوڑ دیا۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً 36 سال تھی۔ اس نے اپنے بیوی بچوں کو سہسرام میں اپنے چھوٹے بھائی نظام خان کے سپرد کر دیا اور خود کانپور کے راستہ سے آگرہ کیلئے روانہ ہو گیا۔

مسٹر کالکا اس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''دردناک انجام کے باوجود بھی فرید کی زندگی کا یہ دور نہایت ہی اہم
ہے ہندوستان کی آئندہ سلطنت کے نظام کیلئے گویا وہ بلا ارادہ سہسرام

میں تیاری کر رہا تھا۔ اسی دور میں فرید کے قابل تحسین اوصاف نمایاں ہوئے۔ جیسے کام میں سرگرمی، مالی اصلاحات میں دور اندیشی اور اور سپہ گری میں حاضر دماغی۔ سہسرام میں ہی وہ ایک ایسا شاہکار بن گیا جس کی یاد نہ مٹ سکی یعنی ایک پٹھان اور پٹواری کا لاثانی مجموعہ اور اس سب سے اہم تر سہسرام کے زبردست شقدار کی شخصیت تھی جس کی دہشت سے خونخوار پٹھان سپاہی اور خاکسار ہندو کاشت کار ایک ساتھ رہتے تھے اور کوئی پٹھان کسی ہندو کو حقارت کی نظر سے دیکھنے کی ہمت بھی نہ کرسکتا تھا۔''

تاریخ شیر شاہی میں شیر شاہ کی سبک دوشی اور دیگر مصروفیات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

''شیر شاہ نے جب جاگیر داری کا نظام درست کر دیا تو حسن خان واپس آ گیا۔ اس نے شیر شاہ سے کہا کہ یا تو وہ اپنا استعفیٰ پیش کر دے بصورت دیگر اسے برخاست کر دیا جائے گا۔ یہ کشمکش باپ بیٹے کے درمیان کوئی نئی بات نہیں تھی۔

اس وقت ایک بار پھر اقتدار کی رسہ کشی شروع ہوئی اور 1518ء میں سلطان جلال الدین لودھی نے اودھ اور جونپو پر قبضہ کرلیا۔ سلطان ابراہیم لودھی نے ایک لشکر جرار کے ساتھ دہلی سے پیش قدمی کی اور اعظم ہمایوں خاں سروانی اور جلال الدین کے مددگاروں کی بیخ کنی کیلئے بڑھا۔

اعظم ہمایوں سروانی نے ہوا کا رخ دیکھا تو اپنی وفاداری تبدیل کر لی اور اپنے بیٹے فتح خاں کے ساتھ سلطان ابراہیم لودھی کی جانب ہو گیا۔ جب اعظم ہمایوں سروانی کی آمد کا علم ہوا تو ابراہیم لودھی نے اپنے

امراءکواس کا پرتپاک خیر مقدم کرنے کیلیئے بھیج دیا۔ یہ مشترکہ فوج قنوج پہنچی ۔جلال خاں نے آ گرہ پر قبضہ کرنے کیلیئے پیش قدمی کی مگر ابراہیم لودھی فوج کا ایک حصہ اعظم ہمایوں عمر خاں سروانی کے پاس چھوڑ کراٹاوہ کے راستے آ گرہ کی جانب بڑا سا اعظم ہمایوں اور دیگر سرداروں نے کالپی کے قلعے پر دھاوا بول دیا۔ اسی اثناء میں ابراہیم لودھی نے آدم خان گکھڑ کی سرکردگی میں ایک دستہ جلال خاں کی راہ مسدود کرنے کیلیئے بھیج دیا۔ جلال خاں نے آ گرہ کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کرلیا تھا اور اب وہ قلعے پر یلغار کرنے ہی والا تھا کہ آدم خان نے اسے صلح پر آمادہ کرلیا۔ آدم خان نے کہا کہ وہ ابراہیم لودھی کی اطاعت قبول کر لے اس کے صلے میں اسے کالپی واپس مل جائے گی۔ جلال خاں نے یہ شرائط مان لیں۔ مگر جب آدم خاں نے رٹاوہ میں ابراہیم خان سے بات کی تو اس نے انکار کر دیا۔ اس سے بہت سے امراء جنھوں نے جلال سے عہد کیا تھا اس سے ناراض ہو گئے۔

اس وقت جلال خاں نے گوالیار کے راجا کے پاس پناہ لے رکھی تھی۔ سلطان ابراہیم لودھی نے اعظم ہمایوں عمر خاں سروانی کو اس کے پیچھے روانہ کیا۔ جلال خاں وہاں سے بھاگ کر مانڈو کے خلجی سلطان کے پاس چلا گیا مگر جب اسے وہاں پناہ نہیں ملی تو گڑھ گنگا کے جنگلات کی طرف روپوش ہونے کیلیئے بھاگا مگر راستے میں ابراہیم لودھی کے دستے نے گرفتار کرلیا۔ یاسنی کی راہ میں جلال خاں کو اس کے محافظوں نے قتل کر دیا۔

اس ساری صورت حال میں جلال خان بھی سخت مصروف رہا تھا۔ اس لیے وہ اس سے پہلے اپنی جاگیر کا رخ نہ کرسکا۔

جب اعظم ہمایوں عمر خاں اپنے بیٹے کے ہمراہ سلطان ابراہیم کے دربار میں پہنچا تو اس نے باپ بیٹے کو گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا۔ اس پر سروانیوں نے علم بغاوت بلند کر دیا اور کئی اور ناراض امراء بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ سلطان ابراہیم نے ایک لشکران کی سرکوبی کیلئے بھیجا۔

اس لشکر پر باغیوں نے کانپور اور قنوج کے درمیان حملہ کر دیا۔ شاہی لشکر کو عبرتناک شکست ہوئی۔ اس پر ابراہیم لودھی نے ایک اور لشکر بھیجا۔ مگراب فوج میں بغاوت ہوگئی اور انھوں نے بادشاہ سے مطالبہ کیا کہ وہ اعظم ہمایوں عمر خاں اور فتح خاں کو آزاد کر دے۔ مگر سلطان نے امراء کو حکم دیا کہ ان باغیوں کی سرکوبی کی جائے۔ اس دوران کئی اشخاص نے صلح کرانے کی کوشش کی مگر ناکام ہوئے اس طرح ایک خونریز جنگ چھڑ گئی جس میں دس ہزار سے زائد افغان مارے گئے۔

جب سروانی اور ان کے حمایتی شکست سے دو چار ہو گئے تو دریا خاں جو سلطان کے امراء میں شامل تھا اور اس نے اس مہم میں نمایاں کردار ادا کیا، سلطان کی جانب بڑھا۔ راہ میں اسے خبر ملی کہ سلطان نے عمر خاں سروانی کو تہہ تیغ کر دیا ہے اس خبر نے سلطان پر سے اُس کا ہر طرح کا اعتماد متزلزل کر دیا۔ اس نے محمد خاں سوری اور دوسرے سرداروں سے بہانہ کیا اور بہار واپس چلا گیا۔

1518 سے 1522 تک حسن خاں بھی انہی مہموں میں مشغول رہا اور یہ چار سال شیر شاہ نے جاگیر کی دیکھ بھال میں گذارے اور جاگیر کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا۔ جب حسن نے یہ صورت حال دیکھی تو بہت خوش ہوا اس نے فراخ دلی سے بیٹے کو شاباش دی۔ مگر حسن کی چہیتی

بیوی کو یہ بات اچھی نہ لگی۔اس نے باپ کو بیٹے کے خلاف کرنا شروع کر دیا اس ضمن میں اس نے اپنے نسوانی ہتھیار بھی استعمال کئے۔حسن خان مجبور ہو گیا اور اس نے جب سلیمان کی والدہ سے ملاقات کی تو وہ اس کے سامنے چھم چھم آنسو بہانے لگی۔حسن ان آنسوؤں کے سیلاب میں بہہ گیا اس نے وعدہ کر لیا کہ وہ ساری جائیداد سلیمان کو دے گا۔ پھر سلیمان کی ماں حسن کی محبوبہء دلنواز بھی تھی اس کا کہا وہ ٹال نہیں سکتا تھا۔

جب حسن خان اپنی چہیتی بیوی کے حسن کے جنگل میں پھنس گیا تو اس نے شیر شاہ کے انتظام پر نکتہ چینی شروع کر دی۔شیر شاہ نے اس صورت حال میں یہی مناسب سمجھا کہ وہ اپنے اس عہدے سے مستعفی ہو جائے۔شیر شاہ نے اپنے والد کو انتظامی باریکیوں سے آگاہ کیا اور اس کے ساتھ ہی اپنا استعفیٰ پیش کر دیا جو فوراً منظور کر لیا گیا۔''

اس نے نہایت عمدگی سے جاگیر کے انتظام کا فریضہ سرانجام دیا مگر اس کے والد کی چہیتی بیوی اسے ایک بار پھر گھر سے نکلوانے میں کامیاب ہو گئی اس کے جلد بعد حسن کا بھی انتقال ہو گیا۔

باب ۱۴

شیر شاہ سوری آگرہ میں

جب شیر شاہ نے ارداہ کیا کہ وہ سہسرام چھوڑ دے اور آگرہ جا کر آب ودانہ کی جستجو کرے تو حسن خاں کے رشتہ داروں نے اسے کہا کہ وہ اپنے بیٹے کو نہ جانے دے۔ مگر حسن خاں نے کسی کی نہ سنی۔ اس طرح ایک بار پھر شیر شاہ کو بے گھر ہونا پڑا اور اس نے 1522ء میں اپنے والد کے گھر کو خیر باد کہہ دیا۔ شیر شاہ نے اپنے بیوی بچوں کو اپنے چھوٹے بھائی کی نگرانی میں سہسرام چھوڑا اور خود کانپور سے ہوتا ہوا آگرہ پہنچ گیا۔

دوران سفر اس کی ملاقات شیخ اسماعیل سوری سے اور حبیب خاں گکھڑ سے ہوئی۔ یہ دو شخصیات اس کی زندگی میں نمایاں مقام رکھتی ہیں 1522ء میں شیر شاہ آگرہ پہنچا۔

اس وقت آگرہ ایک عام سی آبادی تھا۔ اس کی بنیاد سکندر لودھی نے رکھی تھی۔ یہ ایک فوجی چھاؤنی اور دوسرا دارالحکومت تھا۔ دریائے جمنا کے کنارے ایک بلند ٹیلے کے اوپر ایک حصار تھا اس مقام پر بعد ازاں اکبر بادشاہ نے سرخ پتھروں سے ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ آگرہ میں شیر شاہ، دولت خاں کے پاس رہا جو سارنگ خان کا بیٹا تھا۔

شیر شاہ سوری کانپور کے راستے آگرہ روانہ ہوا۔ اس کی تفصیل اکبر نامہ میں یوں مندرج ہے:

> ''ایک روز اتفاقیہ ایک دعوت میں اس کی نظر شیخ اسماعیل پر پڑی۔ فرید نے اپنے میز بانوں سے اس کا حسب ونسب دریافت کیا۔ اس کو

بتایا گیا کہ یہ شیخ اسماعیل سوری ہے اور اس کے قبیلہ کا خواہرزادہ ہے۔
یہ جان کر فرید نے شیخ اسماعیل اور اس کے سالے حبیب خاں گکھڑ کو
اپنے ساتھ آگرہ چلنے کیلئے راضی کر لیا۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ یہ
دو اشخاص فرید کی آئندہ زندگی میں اس کے والد کی جاگیر کے دو پرگنوں
کے مقابلہ میں زیادہ کارآمد ثابت ہوئے اگرچہ فی الحال اس کے دل
میں ان پرگنوں کے حاصل کرنے کی ہی آرزو سمائی ہوئی تھی۔''

آگرہ میں شیر شاہ سوری کی آمد کے حوالے سے ''شیر شاہ سوری اور اس کا عہد'' میں
لکھا ہے:

''جب 1522ء کے قریب فرید نے پہلی بار آگرہ دیکھا تب وہ ایسا شہر
نہ تھا جیسا کہ بعد کو عہد مغلیہ میں ہو گیا۔ سلطان سکندر لودھی نے اس کی
بنیاد ڈالی تھی۔ مگر نہ تو وہ اکبر اور شاہ جہاں کی طرح دولت مند تھا اور نہ وہ
ان کی طرح صاحب ذوق ہی تھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ پٹھان فطرتاً ابھی
دیہاتی تھے یہاں تک کہ جس قصبہ میں بھی وہ آباد ہوتے اس کو بھی
گاؤں بنا ڈالتے تھے۔ جب کہ شہری تہذیب میں تربیت یافتہ مغل جس
کسی ویرانے میں بھی سکونت پذیر ہوتے تھے اس کو دم کے دم میں
ایک دل کش شہر میں تبدیل کر دیتے تھے۔ سکندر لودھی نے آگرہ کی
بنیاد محض فوجی چھاؤنی کیلئے ڈالی تھی۔ لیکن سیاسی ضرورت کے تحت
سکندر اور ابراہیم نے اسے اپنی سلطنت کا دوسرا صدر مقام بنا لیا۔ ابتدا
میں یہ ایک منتشر قصبہ تھا اس کے گاؤں چہار دیواری خام سے محیط
تھے۔ جمنا کے مغربی کنارے پر جو ایک مرتفع ٹیلہ تھا اس پر ایک اینٹوں
کا بنا ہوا حصار تھا۔ اسی حصار کے کھنڈروں پر بعد میں اکبر نے لال
پتھر کا ایک عالی شان قلعہ ''لال قلعہ'' تعمیر کرایا تھا۔

فرید اس شہر میں اجنبی تھا۔ سلطان ابراہیم فرعون کے نقش قدم پر چلنا چاہتا تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے دربار میں معدودے چند افغان سردار رہ گئے۔ افغان سرشت سے ہی جمہوریت کے سرگرم مقلد تھے۔ چنانچہ ان کو اس بات پر مجبور کرنا کہ وہ سینہ پر ہاتھ باندھ کر دربار میں کھڑے رہیں ابراہیم کی سخت کوتاہ اندیشی تھی۔ پچاس سال بعد مغل بادشاہ ہی اس طرز عمل کو اختیار کر سکے۔ جو افغان سردار سلطان بہلول اور سلطان سکندر کے ساتھ ایک ہی مسند پر بیٹھنے کے عادی تھے ان کے ساتھ ایسا سلوک سراسر نادانی تھی۔ ابراہیم اپنے قبیلہ کا سب سے 'عقل مند بیوقوف' تھا جس کا اپنا مقولہ تھا کہ ''بادشاہ کا اپنا کوئی عزیز نہیں، سب لوگ رعایا ہیں۔'' اسی نظریہ کی وجہ سے اس کو پانی پت کے میدان جنگ میں اپنی جان و تخت دونوں سے ہی ہاتھ دھونے پڑے۔''

عباس خان سروانی نے لکھا ہے:

''آگرہ پہنچ کر فرید نے دولت خاں دین بدھو کو اپنا مربی و سرپرست بنایا۔ یہ اعظم ہمایوں سروانی کا ایک خانہ زاد غلام تھا اور بارہ ہزار گھوڑوں کا کمانڈر تھا۔''

تاہم کے آر قانون گو نے اس بیان سے اتفاق نہ کرتے ہوئے ''شیر شاہ اور اس کا عہد'' میں لکھا ہے:

''عباس کا یہ کہنا کہ فرید نے عمر خاں سروانی کا لکا پوریا کے (جس نے اعظم ہمایوں کا خطاب اختیار کیا تھا) خانہ زاد غلام بدھو کے لڑکے کے یہاں ملازمت کی حقیقتاً اتنا ہی لغو ہے جتنا کہ اس کا یہ بیان کہ نارنول میں حسن کا ولی و سرپرست عمر خاں سروانی تھا۔ اس قسم کی بے باکانہ سروانی گپ جس سے کہ عباس سروانی کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ نو

آموز فن کاروں کو گمراہ کرنے کیلئے کافی ہے خاص کر اس حالت میں
جب کہ عباس کے بیانات کی قرار واقعی چھان بین نہ کی گئی ہو اس میں
شک نہیں کہ آگرہ میں فرید نے دولت خاں کو اپنا مربی و محسن بنایا لیکن
یہ دولت خاں ابراہیم لودھی کے جانی دشمن عمر خاں سروانی کے غلام بدھو کا
لڑکا نہیں ہوسکتا۔ عمر خاں سروانی کو تو ابراہیم نے دھوکہ سے ہانسی کے
قلعہ میں قید رکھ کر قتل کر دیا تھا۔ فرید کا یہ مربی دولت خاں سن رسیدہ
جمال خاں سارنگ خانی کے تین لڑکوں میں سے ایک تھا جو کہ حصار میں
ایک سر برآوردہ افغان نہیں بلکہ ایک ترک بچہ تھا۔''

مندرجہ بالا بیان کی تائید و تصدیق ایلیٹ اور واقعات مشتاقی میں بھی ہے۔

دولت خان نے اسے والد کی جاگیر کا پروانہ دے دیا شیر شاہ نے سلطان کے سامنے یہ شرائط بھی پیش کیں کہ اگر اس کی تقرری اس کے والد کی جاگیر میں ہوگئی تو وہ یا اس کا چھوٹا بھائی نظام 400 سوار کے رسالہ کے ساتھ سلطان کی خدمت میں حاضر رہے گا۔ جب ایک بھائی آگرہ میں ہوگا تو دوسرا جاگیر کا انتظام کرے گا۔ کچھ عرصہ بعد جب دولت خاں لودھی نے فرید کی یہ تجویز سلطان ابراہیم کے سامنے پیش کی تو سلطان نے اسے مسترد کر دیا تاہم اس واقعہ کے چند روز بعد ہی میاں حسن انتقال کر گیا اور دولت خاں کی وساطت سے جاگیر شیر شاہ سوری کو مل گئی۔

1524ء کے قریب شیر شاہ سوری سہسرام لوٹا اس کے آنے سے اس کے عزیزوں اور فوجی سپاہیوں کو بہت خوشی ہوئی۔ سلیمان شیر شاہ سے ڈر کر اپنے بھائی کے ساتھ چوند کے جاگیردار محمد خاں سوری کے پاس بھاگ گیا جو اس وقت اپنی ممتاز حیثیت کی وجہ سے سوری قبیلہ کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ وہ حسن سے کچھ رنجش رکھتا تھا (با میاں حسن مخالفت بود)۔ اس کی خواہش تھی کہ فرید اور اس کے بھائی سلیمان میں تنازعہ ہو جائے تاکہ دونوں فریق اس کو ثالث ماننے پر مجبور ہو جائیں۔

عباس خان سروانی اس واقعہ کی بابت لکھا ہے:

''اس نے سلیمان کو تسلی دیتے ہوئے کہا: 'ابھی صبر کرو۔ فرید کے پاس شاہی فرمان ہے۔ دولت خاں یوسف خیل نے مغلوں کو ہندوستان آنے کیلئے مدعو کیا ہے اور ان میں اور سلطان ابراہیم میں جنگ ہوگی۔ اگر لڑائی میں مغلوں کو فتح ہوئی تو میں ان پرگنوں پر بزور شمشیر قبضہ کر لوں گا اور تمہیں سونپ دوں گا اور اگر لڑائی میں سلطان کامیاب ہوگیا تو تم سلطان کے پاس چلے جانا، میں فرید کے خلاف شکایت لکھ دوں گا۔''

تاہم اس موقع پر بابر اور ابراہیم کے درمیان لڑائی نہ ہوئی۔ دولت خاں جس نے اپنے بیٹے دلاور خاں کو کابل بھیجا تھا اپنی اس حرکت کیلئے متاسف ہونا پڑا۔

بابر نے 1524ء میں چوتھی بار دریائے سندھ عبور کیا اور لاہور پر تصرف کر کے پنجاب میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ دولت خاں کو جالندھر اور سلطان پور کا علاقہ ملا اور لودھی تخت کا دعوے دار عالم خاں ملتان کا گورنر مامور ہوا۔ 1525ء شورش کا زمانہ تھا۔ عالم خاں لودھی نے بابر کی اطاعت سے منہ موڑ لیا اور دولت خاں کے ساتھ ہوگیا۔ اگرچہ پنجاب کبھی بھی اس کے قبضہ میں نہ تھا پھر بھی اس نے پورا علاقہ دولت خاں یوسف خیل کو عطا کر دیا۔ پھر اس نے دہلی پر فوج کشی کی لیکن سلطان ابراہیم نے اس کو شکست فاش دے کر ستلج پار بھگا دیا۔ ابراہیم کی اس حیرت انگیز کامیابی نے مشرقی افغان قبیلوں اور بہار کے لوہانیوں کو خوفزدہ کر دیا۔

چنانچہ 1524 سے 1526ء تک محمد خاں سوری شیر شاہ کے خلاف طاقت استعمال کرنے کا نہ سوچ سکا۔ دونوں کے درمیان سیاسی بساط پر داؤ چلتے رہے۔ جب محمد خاں نے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ خود سہسرام پہنچ کر فیصلہ ثالثی دے گا۔ تب فرید خاں نے ادب سے کہا کہ یہ بات خان والا شان کے شایان نہیں ہے کہ وہ خود زحمت برداشت کرے وہ فرید اپنے پاس بلا سکتا ہے۔

شیر شاہ نے ایک خط میں لکھا:

''والد صاحب کی حیات میں آپ میں اوران میں جو کچھ بھی رنجش رہی ہو میں اسے مٹانے کو تیار ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ اپنی باقی ماندہ زندگی آپ کی محبت وشفقت سے فیضیاب ہوتا رہوں۔ میں اپنے بھائی نظام الدین کو آپ کی خدمت میں سلیمان کو بلانے بھیج رہا ہوں۔ میں اس کو جاگیر میں اس قدر حصہ دوں گا جس سے اس کو اطمینان کامل حاصل ہو سکے لیکن اگر اس کا منشا والد کی جاگیر میں حصہ بجز ا کرنا ہے تو میری زندگی میں اس کی امید کا برآنا محال ہے۔ جیسا کہ مثل ہے، ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔''

عباس خان نے لکھا ہے:

''جب محمد خان نے فرید خان کا خط پڑھا تو اس نے سلیمان سے یہ کہا کہ فرید آسانی سے اس کا حصہ نہ دے گا۔ پھر اس کو یہ کہہ کر مزید اطمینان دلایا کہ چوں کہ تینوں بھائی اس کے پاس آ چکے تھے اس لئے اس کا یہ فرض منصبی ہو گیا کہ اس کو اس کا واجب حصہ دلوائے۔ یہ سن کر سلیمان کو تو تسلی ہو گئی مگر فرید کے مخبروں نے سارے واقعہ کی روئداد اس کے پاس بھیج دی۔

1525ء میں لودھی سلطنت کی سیاسی فضا نہایت خراب تھی۔ سلطان ابراہیم کو اس کے چچا عالم خاں کی ناکام بغاوت نے آنے والے خطرات سے آگاہ کر دیا تھا۔ دولت خاں یوسف خیل کی دورنگی سے بیزار ہو کر اس کو سزا دینے کیلئے بابر دوبارہ ہندوستان آنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ اس کو یہ اندیشہ تھا مبادا ہندوستان کے جملہ انحراف افغان سردار سلطان ابراہیم لودھی کے پرچم کے نیچے متفق ہو جائیں۔ حالانکہ افغانوں سے اس قسم کی سیاسی عاقبت اندیشی کی توقع رکھنا تصور سے

زیادہ کچھ نہ تھا۔ ایک طرف تو دولت خاں یوسف خیل کمر میں دو دو تلوار باندھے شیخی بگھارتا پھرتا تھا کہ وہ تن تنہا مغلوں کو ہندوستان سے نکال باہر کر دے گا۔ دوسری طرف اس کا فرزند ارجمند دلاور خاں اپنے والد کی زیر آمدہ حب الوطنی اور قوم پرستی کی جڑ کاٹنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ سلطان ابراہیم لودھی کی فوج عالم خاں کے حملہ کو ایک مرتبہ ناکام کر چکی تھی۔ عالم خاں پر فتح حاصل کرنے کے بعد سے ابراہیم کی فوج کا جوش اور بھی بڑھ گیا تھا۔ دہلی اور آگرہ کے قرب و جوار میں آئندہ حملہ کو روکنے کیلئے زوروں سے فوجی تیاریوں کی ہل چل مچنے لگی۔ مشرق کے افغان سردار کبھی بھی سلطان ابراہیم کے وفادار نہیں رہے چنانچہ اب ان کا یہ بیوقوفانہ خیال تھا کہ ان کا مفاد اسی میں ہے کہ وہ خاموشی سے صورت حال کو دیکھتے رہیں اور ابراہیم کی شکست کیلئے دعا کرتے رہیں۔ محض فرید ہی ایک ایسا فرد تھا جو اس خیال کا حامی نہیں تھا۔ مگر موجودہ سیاسی فضا میں اس کی حیثیت ہی کیا تھی۔ پھر بھی جہاں کہیں افغانوں کی شکست کا ذکر دوران گفتگو آ جاتا تو اس کا دل درد سے بھر آتا اور وہ بے ساختہ کہہ اٹھتا ''اللہ وہ دن کبھی نہ دکھائے۔''

ڈاکٹر عطیہ الرحمن نے لکھا ہے:

''سلیمان نے کہا میں اتنا انتظار نہیں کر سکتا کیوں کہ میری ماں اور ملازمین مارے مارے پھر رہے ہیں۔ محمد خاں نے اپنا ایک ایلچی فرید کے پاس بھیجا اور آپس میں صلح کرنے کو کہا۔ فرید نے جواب بھیجا کہ باپ کی زندگی میں جو کچھ اسے ملتا تھا وہ اسے دینے میں کوئی عذر نہیں لیکن اسے حکومت میں حصہ دار نہیں بناؤں گا کیوں کہ ایک شہر کے دو حاکم نہیں ہو سکتے بالکل ویسے ہی جیسے ایک نیام میں دو تلواریں نہیں سما

سکتیں۔سلیمان کا مقصد حکومت میں شریک ہونے کا تھا لہٰذا وہ اس بات پر راضی نہ ہوا۔''

جب شیر شاہ کو معلوم ہو گیا کہ چوند کا افغان سردار محمد خاں سوری اس سے کینہ رکھتا ہے تو اس نے کسی اور افغان سردار کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔اس وقت بہار کے دریا خاں لوہانی کا بیٹا بہار خاں لوہانی ہی ایک ایسا قوی سردار تھا جو محمد خاں سوری سے اپنی طاقت منوا اور اس کو مرعوب کر سکتا تھا۔لہٰذا اس نے 1525ء کے قریب اس کی ملازمت اختیار کر لی۔بہار خاں نے ابھی تک اپنی خود مختاری کا اعلان نہیں کیا تھا۔فرید کی عملی قابلیت اور مال کے صیغہ میں اس کے وسیع تجربہ کی شہرت ہر چار سو پھیل چکی تھی۔اس لئے فرید کا بہار خاں کی ملازمت میں آنا بہار خاں کیلئے ایک نعمت خداداد تھی۔بہترین خدمات پر شیر شاہ بہار خاں کا معتمد خاص اور جگری دوست بن گیا۔اس کے حسن انتظام کی شہرت بہار میں ہر سو پھیل گئی۔اس کے بڑھتے ہوئے رسوخ نے محمد خاں سوری کو خائف کر دیا۔اس کے دریا خاں سے مراسم رہ چکے تھے اس لئے اس نے بہار خاں کے دربار میں فرید کے خلاف سازش شروع کر دی۔اس دوران خبر ملی کہ بابر نے دولت خاں یوسف خیل کو شکست دے کر پنجاب پر قبضہ کر لیا ہے اور اب دہلی کی جانب بڑھ رہا ہے۔اس خبر سے مشرقی صوبوں میں شدید خوف اور تشویش کی لہر دوڑ گئی۔آنے والے خطرے نے چند روز کیلئے تمام لوہانی، فارمولی اور دریائے گنگا کے مشرق میں رہنے والے افغانوں کو متحد کر دیا۔انھوں نے بہار خاں لوہانی کی کمان میں دس لاکھ فوج منظم کی۔افغانوں کی اس متحدہ فوج نے قنوج کے نزدیک دریائے گنگا کو پار کیا اور دوسری جانب ڈیرے ڈال دیئے۔

انھوں نے دریائے گنگا کے کنارے بہار خاں کے سر پر ہندوستان کا تاج رکھ دیا اور اسے ''سلطان محمد'' کا خطاب عطا کر دیا۔اس موقع پر فرید کو شیر خاں کا خطاب ملا۔

باب ۱۵

’’فرید خان‘‘ سے ’’شیر خان‘‘

فرید نے اپنی آبائی زمین حاصل کرنے کے لئے ابراہیم لودھی سے شاہی فرمان لے لیا جس میں اسے زمین کا مالک قرار دیا گیا تھا۔تاہم اس کے بھائی سلیمان نے ایک جاگیردار محمد خان سوری کی مدد سے اس فرمان پر عمل نہ ہونے دیا۔فرید خان کو علم ہوگیا کہ جاگیر شاہی فرمان سے نہیں بلکہ کسی مقامی سردار کی حمایت سے ملتی ہے۔

اس نے بہار خان بن دریا خان لوہانی حاکم بہار کی ملازمت اختیار کر لی۔اسی دوران اس نے اپنے آقا کو ایک شیر کے اچانک حملے سے بچانے کے لئے شیر کے ساتھ نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور اپنی تلوار سے شیر کو ہلاک کر دیا۔

بعض روایات کے مطابق فرید خان نے سلطان محمد کو جنگل میں شیر کے اچانک حملے سے بچایا تھا اور اسے اپنی پیش قبض سے ہلاک کیا تھا۔مصنف مخزن نے اس کہانی میں ایک جملہ کا اضافہ اور کیا ہے اس نے ’’بیک وقت ضرب شمشیر‘‘ لکھا ہے یعنی فرید نے تلوار کے ایک ہی وار سے شیر کو مار ڈالا۔کالکارنجن قانون گو’’شیر شاہ صفحہ 31‘‘ پر لکھتا ہے’’ایک شیر دکھائی پڑا اور فرید نے اسے مار ڈالا‘‘اس کے 17 سال بعد ڈاکٹر ایس۔کے بنرجی نے ہمایوں نامہ جلد 1 صفحہ 180 پر لکھا’’ایک بار فرید نے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر اپنے آقا کو شیر سے بچایا۔‘‘

ڈاکٹر ایشوری پرشاد اپنی تصنیف’’لائف اینڈ ٹائمز آف ہمایوں‘‘صفحہ 105 پر لکھتا ہے:

’’ایک روز جب آقا اور خادم دونوں شکار کھیل رہے تھے۔ دفعتاً ایک شیر پاس کی ایک جھاڑی سے نکلا۔ فرید نے جسے تلوار زنی میں مہارت حاصل تھی فوراًا سے قتل کرڈالا۔‘‘

بھارت میں شیر شاہ سوری پر جو تاریخی فلم بنائی گئی اس میں اسے خالی ہاتھوں سے ایک شیر کا مقابلہ کرتے اور اسے موت کے گھاٹ اتارتے دکھایا گیا ہے۔

وکی پیڈیا میں ہے:

He is also remembered for purportedly killing a fully grown tiger with his bare hands in Bihar.

بہر کیف اس واقعہ کے بعد اسے ’’شیر خاں‘‘ کا لقب ملا۔اس کے ساتھ ہی اسے جنوبی بہار کا گورنر بھی بنادیا گیا۔

مسٹر کالکارنجن نے لکھا ہے:

’’وہ زندگی کے مصائب کا سامنا کرتے ہوئے 1527ء میں مغلوں کی ملازمت میں آ گیا۔ بابر نے اس کی پیشانی میں حکمرانی کی خوبیوں کو دیکھ لیا، بابر کے رویّے سے شیر شاہ واپس افغانوں میں چلا آیا۔فرید خان اور اس کا بھائی نظام خان، حسن خان کی پہلی بیوی کی اولاد تھے۔ حسن کی بیوی نے اسے اپنے بیٹے سلیمان کو ساری جائداد دینے پر مجبور کیا تو شیر شاہ نے اپنے بھائی کے ساتھ ابراہیم لودھی کے ایک امیر دولت خان کی ملازمت اختیار کرلی۔ان دنوں بابر پنجاب میں اپنی فتح کے علم گاڑنے کے بعد اگلے ہدف کے طور پر ابراہیم لودھی کو دیکھ رہا تھا۔ابراہیم لودھی کی شکست کے بعد شیر خان دُر خان لوہانی حاکمِ بہار (سلطان محمد) کے پاس چلا گیا۔‘‘

ابوالفضل نے لکھا ہے:

’’وہاں سے یعنی نارنول سے حسن چوند گیا۔ اور ناصر خاں لوہانی کے یہاں ملازمت کر لی۔ چوند سہسرام کے علاقہ میں ہے۔ ناصر خاں سلطان سکندر لودھی کا ایک سردار تھا۔ اپنی اہلیت اور قابلیت سے وہ دوسرے سرداروں پر سبقت لے گیا۔ ناصر خاں کے انتقال کے بعد وہ دولت خاں کی خدمت میں گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنا نام ببّن کے یہاں درج کرا لیا جو کہ سلطان سکندر لودھی کا ایک امیر تھا۔ یہاں اس نے تھوڑا بہت نام بھی پیدا کیا۔ اور اپنے حُسن بندوبست سے بہت سی کمیاں پوری کر دیں۔ کچھ دنوں تک وہ اودھ میں تاج خاں لودھی کے یہاں ملازم رہا۔ پھر کچھ دن اس نے جونپور میں سلطان جنید برلاس کے یہاں نوکری کی۔ اس عرصہ میں اس کے والد حسن کا انتقال ہو گیا اور اس کی تمام جائداد پر اس کا قبضہ ہو گیا۔‘‘

عباس نے لکھا ہے:

’’ایک روایت ہے کہ ایک روز فرید اپنے آقا بہار خاں لوہانی کے ہمراہ شکار کیلئے گیا۔ جنگل میں شیر ملا اور فرید نے اسے قتل کر دیا۔ بہار خاں لوہانی جو اس وقت سلطان محمد کا خطاب اختیار کر چکا تھا۔ اس نے اپنے نام کے سکے رائج کیے تھے اور مسجدوں میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا تھا۔ وہ فرید کے اس بہادری کے کام سے بہت خوش ہوا اور اس کو شیر خاں کا خطاب دے دیا۔‘‘

مسٹر کے آر قانون گو نے لکھا ہے:

’’اس مسئلہ پر بحث کی گنجائش نہیں ہے کہ فرید کو شیر خاں کا خطاب سلطان محمد کی تاجپوشی کے موقع پر ملا لیکن گذشتہ 400 سال سے ازمنہ

وسطیٰ اور دور جدید کے مؤرخین عباس کی اس کہانی پر ایمان لاتے رہے ہیں کہ فرید کو شیر خاں کا خطاب محض شیر مارنے کی وجہ سے ملا۔ فرید کو شیر خاں کا خطاب عطا کیا جانا بھی ایک اتفاقیہ واقعہ ہوسکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس خطاب کو ''شیر'' سے کوئی مناسبت ہو۔ بلاشبہ فرید میں شیر کی سی شجاعت تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے کردار میں عیاری اور چالاکی بھی مضمر تھی۔ اس کے یہ اوصاف نہ شیر دل اکبر میں ہی تھے نہ بہادر راجپوتوں میں۔ سرزمین ہند شیروں اور شیر دل لوگوں کا مسکن رہی ہے۔ ہند کی تاریخ میں صدہا شیر خاں اور شیر افگن ہوئے ہیں۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ اس نام کے ہر فرد نے کوئی شیر ہی مارا ہو۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد سیاسی حالات جس تیزی سے بدل رہے تھے اس دوران افغان سرداروں کو شکار کھیلنے کی فرصت کہاں تھی۔ انھیں تو ہر وقت یہ فکر دامن گیر تھی کہ کہیں وہ خود مغلوں کے تیروں کا شکار نہ ہوجائیں۔''

افغانوں کے اس اجتماع کے حوالے سے بابر نے توزک بابری میں لکھا ہے:

''اس وقت یعنی 12 مئی 1526ء کو ناصر خاں لوہانی معروف فارمولی اور دیگر افغان سرداروں کی ایک جمعیت قنوج کے اس جانب ہم سے دو یا تین منزل دور ہے۔ انھوں نے دریا خاں لوہانی کے لڑکے بہار خاں کو سلطان محمود کا خطاب دے کر اپنا بادشاہ بنالیا ہے۔''

{بابر نامہ یا توزک بابری، ظہیر الدین بابر}

بہار خاں کی تاجپوشی کی رسم جنگ پانی پت کے تقریباً دس روز بعد قنوج میں ہوئی جب انھیں سلطان ابراہیم کی شکست اور موت کی خبر پہنچی۔ رسم تاجپوشی کے بعد کچھ افغان امیر بہار خاں سے ناخوش ہوکر بابر کے پاس چلے گئے جن میں بایزید فارمولی بھی شامل تھا جو اپنے برادر معروف فارمولی سے اودھ کی جاگیر کی وجہ سے عداوت رکھتا تھا۔ دوسرا سردار محمد خاں

لوہانی تھا جس کو غازی پور کے جاگیردار ناصر خاں لوہانی سے اسی قسم کی عداوت تھی۔

بابر کی فوج جنگ پانی پت کے بعد تھک چکی تھی اسے ابھی آرام کی ضرورت تھی۔ افغان سرداروں نے بابر کو فوری طور پر فوج کشی کیلئے آمادہ کر دیا تا کہ افغانوں کے متحد و منظم ہونے سے قبل ان پر حملہ کر دیا جائے۔

توزک بابری کے مطابق اس مہم پر بابر نے ہمایوں کو ماہ اگست 1526ء میں روانہ کیا جس نے پانچ ماہ میں ضلع بلیا تک کا تمام علاقہ اپنے تصرف میں لے لیا اور اس کو افغان سرداروں سے کسی جگہ بھی لڑائی کی نوبت پیش نہ آئی۔ اس نے اودھ اور غازی پور کا علاقہ معروف خاں اور ناصر خاں سے چھین کر بایزید فارمولی اور محمد خاں لوہانی کو دے دیا۔ جونپور میں سلطان جنید برلاس اور شاہ میر حسن کو مقرر کر دیا اور کچھ مغل فوج وہاں چھوڑ دی تا کہ وہ افغانوں پر نگاہ رکھ سکے۔ 6 جنوری 1527ء کو فاتح ہمایوں جونپور سے کڑا مانک پور اور کالپی ہوتا ہوا آگرہ پہنچ کر بابر کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ سلطان محمد نے مغلوں سے تصادم سے گریز کیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ محمد خاں سوری اور شیر شاہ بھی اپنی جاگیروں کے دفاع کیلئے روانہ ہو گئے۔

ایک سال ملازمت کے دوران شیر شاہ کو اپنی جاگیر بھی واپس مل گئی اور 1528ء میں شیر شاہ بہار واپس چلا آیا۔ اب وہ بہار خان لوہانی والی بہار کے بیٹے جلال خان کا اتالیق مقرر رہا۔ جب بہار خان لوہانی (سلطان محمد) کا انتقال ہو گیا تو شیر خان کو نائب السلطنت اور جلال خان کا سرپرست بنا دیا گیا۔ اس حیثیت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے شیر شاہ نے بہار میں اپنے قدم مضبوطی سے جما لئے۔ محمود خان لودھی کی بہار میں آمد پر حالات کا رخ تبدیل ہو گیا اور افغان امراء نے محمود خان کی قیادت میں اپنی کھوئی ہوئی حکومت کی بازیابی کیلئے تگ و دو شروع کر دی۔ شیر شاہ کو بھی بادل نخواستہ اس تحریک میں شمولیت اختیار کرنا پڑی مگر بابر کی آمد پر محمود کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں جس کے بعد شیر شاہ کو افغانوں کو مسلمہ قائد تسلیم کر لیا گیا۔

باب ۱۶

شادی اور اولاد

شیر شاہ سوری کی شادی جونپور آنے کے تقریباً سات سال بعد یعنی 1508ء کے لگ بھگ اپنے قبیلہ کی ایک خاتون سے ہوئی جس کے بطن سے شیر شاہ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔

اس نے ایک اور خوبرو خاتون لاڈو ملکہ سے بھی شادی کی۔ روایات کے مطابق اپنے شوہر کے قتل کے بعد اس نے خط لکھ کر شیر شاہ سے مدد مانگی تھی۔ ''آئینہ روہتاس'' میں اس کے بارے میں لکھا ہے:

> ''چنار کے حاکم تاج خان کو ابراہیم لودھی نے تعینات کیا تھا۔ اس کی کئی بیویاں تھیں جن میں سے وہ سب سے زیادہ ''لاڈلی بیگم'' (لاڈو ملکہ) سے پیار کرتا تھا۔ مگر لاڈو ملکہ بے اولاد تھی۔ ایک دن تاج خان کے بڑے بیٹے نے لاڈو ملکہ کا قصہ تمام کرنے کے لئے تلوار سونت لی اور اس کے محل میں داخل ہو کر اسے شدید گھائل کر دیا۔ یہ سن کر تاج خان اپنی چہیتی بیوی کو بچانے کیلئے بے نیام تلوار لے کر جا پہنچا۔ باپ اور بیٹے میں باہم تیغ زنی ہوئی اور تاج خان ایک کاری وار کے نتیجے میں اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو گیا جس کے بعد قلعے کا سارا انتظام اس کے بیٹوں کے پاس آ گیا مگر وہ اپنی نااہلی کی وجہ سے اسے سنبھال نہ پائے

اوران کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر شیر شاہ نے چنار پر قبضہ کر کے 1530ء میں تاج خاں حاکمِ چنار کی بیوہ ''لاڈو ملکہ'' سے شادی کر لی، یہ شادی شیر شاہ کیلئے بہت سودمند اور کامیابیوں کا زینہ ثابت ہوئی۔ لاڈو ملکہ کے بطن سے شیر شاہ کی بیٹی بھی تولد ہوئی تھی جس کی شادی شیر شاہ نے بہرام گور سے کی تھی اور اسے جہیز میں اپنی سلطنت کا ایک حصہ بھی دیا تھا۔''

منظر عباس شاہ نے لکھا ہے:

''شیر خان بہار واپس آ گیا اور صوبیدار سلطان محمد کے پاس ملازمت اختیار کر لی۔ جب صوبیدار فوت ہوا تو اُس کے نابالغ لڑکے کا اَتالیق بن گیا۔ لڑکا بالغ ہوا تو اس نے شیر خان کے سایۂ عاطفت سے نکلنے کیلئے بنگال کے صوبیدار سے اتحاد قائم کر لیا۔ شیر خان نے دونوں کو شکست دے کر بہار اور بنگال کے دارالحکومت گوڑ پر قبضہ کر لیا۔ اِسی دوران سابق حاکمِ چنار کی خُوبصورت بیوہ لاڈو ملکہ سے شادی کر لی۔ اس شادی سے شیر خان کے ہاتھ جہیز کی صورت میں ڈھیر سارا خزانہ آیا، جس میں مخزن کے مطابق ایک سو پچاس عدد نادِر و نایاب زَر و جواہرات، سات من موتی اور ایک سو پچاس من سونا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ چنار کا قلعہ اور نواحی ماتحت ریاستیں بھی مل گئیں۔''

اس کے بعد شیر شاہ کی قوّت میں اضافہ ہو گیا۔ ہمایوں نے اپنی ابتدائی کامیابیوں کے بعد شیر شاہ سے چنار کا مطالبہ کیا جو شیر شاہ نے رد کر دیا۔ ہمایوں نے چھ ماہ تک محاصرہ کیا، مگر بالآخر اسے شیر شاہ سے مصالحت اختیار کرنا پڑی۔ جلال خان بھاگ کر بنگال چلا گیا اور شیر خاں بہار کا آزاد اور خودمختار حکمران بن گیا۔

''شیر شاہ اور اس کا عہد'' میں لکھا ہے:

''فرید کے سب سے چھوٹے لڑکے عبدالرشید کی عمر کے متعلق ایک سرسری حوالہ ہے بعد میں اس کا نام قطب خاں ہوا۔ یہ پندرہ سال کا بچہ تھا۔ جب کہ 1532ء میں اس کو بطور ضمانت شہنشاہ ہمایوں کے حوالہ کیا گیا۔ اور وہ اپنے اتالیق کے ساتھ شاہی خدمت کیلئے گیا۔ اس طرح اس کی تاریخ ولادت 1517ء قائم کی جا سکتی ہے۔ اگر ہم 1517ء کو فرید کے تیسرے لڑکے کی تاریخ پیدائش مان کر پیچھے کی طرف لوٹیں اور فرض کر لیں کہ ہر دو بچوں کے درمیان عموماً دو سال کا وقفہ رہا ہو گا تو فرید کے دوسرے لڑکے جلال خاں کی تاریخ پیدائش (جس نے 1532ء میں ہمایوں کے خلاف چنار کے قلعہ کی حفاظت کی تھی)۔ 1515ء ہونی چاہیے۔ تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ فرید کے دو لڑکوں یعنی جلال خاں اور عادل خاں کے بیچ ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی تھی۔ اس حساب سے فرید کی لڑکی کی تاریخ پیدائش 1513ء اور سب سے بڑے لڑکے عادل خاں کی تاریخ پیدائش 1511ء ہونی چاہیے۔''

مغلیہ دربار تک

سلطان محمد کی ملازمت کے دوران اس کے کئی حاسد بھی پیدا ہو گئے تھے۔آخر کار شیر شاہ نے یہ ملازمت ترک کر دی اور آگرہ آ کر ایک امیر کی سفارش سے ظہیر الدین بابر کی ملازمت اختیار کر لی۔

وکی پیڈیا میں ہے:

‘‘He first served as a private before rising to become a commander in the Mughal Army under Babur and then as the governor of Bihar. In 1537, when Babur's son Emperor Humayun was elsewhere on an expedition, Sher Khan turned against his master and overran the state of Bengal to establish the Sur Empire. A soldier of fortune, Sher Khan also proved himself a gifted administrator as well as an able general. His reorganization of the empire laid the foundations for the later

Mughal emperors, notably Akbar the Great, son of Humayun.''

مشرقی علاقوں پر حملوں کے دوران شیر شاہ نے اپنی شجاعت اور مردانگی کے خوب جوہر دکھائے۔ اس وقت کڑا اور مانک پور میں بابر کی طرف سے ایک سردار جنید برلاس مامور تھا شیر خان نے اس کی فوجی مدد سے اپنے دشمن محمد خان پر حملہ کر کے اسے روہتاس گڑھ کے پہاڑوں (کمایوں کے پہاڑ) میں دھکیل دیا۔ اس کے علاوہ شیر شاہ نے جونپور کے کچھ علاقے بھی فتح کر لئے مگر جب محمد خان نے صلح کی درخواست کی تو شیر شاہ نے اس کے ساتھ صلح کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے تمام علاقے بھی اسے واپس کر دیئے۔

چوند کا افغان سردار محمد خاں سوری، حسن خان سوری کے بیٹوں سے اپنی پرانی مخاصمت کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد مشرقی صوبوں میں بدامنی پھیل گئی جس سے سلطان محمد اور اس کے معاون افغان سردار بھی متاثر ہوئے اور ان کا اتحاد کمزور ہو گیا۔

محمد خاں سوری نے اس موقع کو غنیمت جانا اور شیر خاں کے پاس اپنا ایک قاصد شادی غلام بھیجا اور پُرزور مطالبہ کیا کہ وہ اپنے والد کی جاگیر میں سے ٹانڈہ اور ملہو سلیمان کے سپرد کر دے کیوں کہ اس جاگیر میں اس کا بھی حصہ ہے۔

شیر خاں نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا کہ وہ سمجھداری سے کام لے۔ ہندوستان روہ کا علاقہ نہیں ہے جہاں باپ کی جائیداد اس کے بیٹوں میں بحصہ مساوی تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس نے ٹانڈہ اور ملہو سلیمان کو سپرد کر دینے سے صاف انکار کر دیا اور اپنے غلام ملک سُکھا کو جو کہ خواص پور ٹانڈہ کا حاکم تھا۔ یہ ہدایت کی کہ وہ طاقت کا جواب طاقت سے دے اور مقابلہ میں پورا ساز وسامان لگا دے۔ شادی غلام اپنے آقا کی تمام خانگی فوج لے کر غلام سُکھا پر ٹوٹ پڑا۔ لڑائی میں غلام سکھا مارا گیا اور شیر شاہ کی شکست خوردہ فوج سہسرام کی جانب بھاگ گئی۔ چوند کا جاگیردار شیر کے مقابلہ میں تین گنا زیادہ طاقت ور تھا۔ برعکس اس کے شیر خاں کے پاس اس کے مقابلہ کیلئے کافی ساز وسامان نہ تھا۔ اس نے اس باب میں اپنے بھائی نظام سے مشورہ

کر کے آئندہ کے طرزِ عمل کا فیصلہ کیا کہ نظام تمام عزیز و اقارب اور مددگار لے کر روہتاس کی پہاڑیوں میں چلا جائے اور روہتاس کے راجا سے استدعا کرے کہ وہ عارضی طور پر ان کو اپنے قلعہ میں پناہ لینے کی اجازت دے دے۔ اسی عرصہ میں شیر خاں جونپور کے مغل گورنر سلطان جنید برلاس کے پاس جا کر مدد مانگے۔

اس تجویز کے بموجب شیر شاہ بنارس گیا اور وہاں اپنے سفیر کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے گورنر مذکور کے پاس اپنا سفیر اس منشا سے بھیجا تھا کہ گورنر اس کو اس بات کا اطمینان دلا دے کہ اگر شیر شاہ اس کے پاس جائے تو اس کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچایا جائے گا۔

ڈاکٹر عطیہ الرحمن نے اپنی کتاب ''شیر شاہ سوری'' میں لکھا ہے:

''محمد خاں سوری جب اپنی جاگیر میں واپس آیا اور شادی نام کے ایک غلام کو شیر خاں کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ سلیمان اور احمد تمھارے دونوں بھائی مدت سے میرے پاس مقیم ہیں اور اپنے حصہ میراث سے محروم ہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ان کا حصہ ان کو دے دو۔

شیر خاں نے جواب دیا کہ یہ سرزمین کسی کی ذاتی مملکت نہیں، یہ مملکت ہندوستان ہے۔ لہٰذا جاگیر اسی کے قبضے میں رہتی ہے جس کو بادشاہ سرفراز کرتا ہے۔ آج تک سلاطین ہند کا یہ دستور رہا ہے کہ جو کچھ مرنے والے کا ہوتا ہے وہ مال اس کے وارثوں میں جو سرداری کے قابل ہوتا ہے حکومت اسی کو دی جاتی ہے۔ میں بھی سلطان ابراہیم لودھی کے حکم سے سہسرام اور خواص پور ٹانڈ پر قابض ہوں۔ غلام شادی واپس آ گیا اور شیر خاں کا جواب محمد خاں تک پہنچایا۔ محمد خاں غصے میں آپے سے باہر ہو گیا اس نے شادی کو حکم دیا کہ میری ساری فوج لے کر سلیمان اور احمد کے ساتھ جاؤ۔ تلوار کے زور سے شیر خاں سے جاگیر چھین کر ان دونوں کے سپرد کر دو اور فوج کا زیادہ حصہ ان کی حفاظت کیلئے سہسرام

چھوڑ کر واپس آ جاؤ۔

اتفاق سے ان دنوں ملک سکھ نامی غلام شیر خاں کی طرف سے خواص پور ٹانڈہ کا داروغہ تھا۔ شیر خان نے دشمن کی آمد کی خبر پا کر ملک سکھ کو لکھا کہ دشمن کے مقابلے میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ شادی وغیرہ خواص پور کے نواح میں پہنچے تو ملک سکھ ان کے مقابلے میں آیا اور مارا گیا۔ شیر خاں کا لشکر تتر بتر ہو کر سہسرام واپس آ گیا۔ ان سے مقابلہ کرنے کی طاقت شیر خان میں نہ تھی، چنانچہ اس نے کہیں بھاگ جانے کا ارادہ کیا۔ بعض آدمیوں نے رائے دی کہ پھر سلطان محمد کی خدمت میں حاضر ہونا بہتر ہے۔ شیر خاں نے جواب دیا کہ محمد خاں سلطان کا چہیتا امیر ہے۔ لہٰذا بادشاہ میری خاطر اس کو آزردہ نہیں کرے گا۔ شیر خاں نے اپنی سمجھ سے کام لے کر یہ طے کیا کہ اس وقت جنید برلاس کے ہاں پناہ لینا چاہیے۔''

نظام خاں شیر شاہ کے حکم پر حاکم روہتاس کے پاس چلا گیا۔

عباس سروانی لکھتا ہے:

''ایک بار پہلے بھی روہتاس کے راجا کے نائب چوڑ امن نے میاں نظام کے خاندان کو اپنے یہاں پناہ دی تھی۔ یہ غالباً جنوری 1538ء کی بات ہے۔ جب ہمایوں نے دوسری بار چنار کے قلعہ کا محاصرہ کیا تھا۔ اور شیر شاہ نے چوڑ امن سے ساز باز کی تھی۔''

جب شیر خاں جونپور کیلئے روانہ ہو گیا تو نظام نے بھی معہ اپنے متعلقین کے سہسرام کو خیر باد کہہ دیا اور اپنے فاتح سوتیلے بھائی کے انتقام اور محمد خاں سوری کی فوج سے بچنے کیلئے روہتاس کے قلعہ میں پناہ گزیں ہوا۔ چنانچہ وہ فروری 1527ء سے دسمبر 1528ء تک تقریباً 20 مہینے مجبوراً جلاوطنی کے عالم میں رہا۔

رانا سانگا

''شیر شاہ سوری اور اس کا عہد'' میں مسٹر کے آر قانون گو نے لکھا ہے:

''شیر خاں فروری 1527ء میں سلطان جنید برلاس کے توسل سے مغلوں کی ملازمت میں داخل ہوا۔ اس وقت اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ شیر خاں کو اس کے دشمنوں کے خلاف کوئی مدد مل سکے گی۔ یہ محض ایک موہوم سی امید تھی۔ واقعہ تو یہ ہے کہ 1527ء کے موسم سرما میں بابر بادشاہ کا مستقبل شیر خاں کے مقابلہ میں زیادہ تاریک تھا۔ میواڑ کے رانا سانگا نے راجپوتانہ کی تمام طاقتوں کو اپنے پرچم کے نیچے متحد کر لیا تھا۔ وہ شمالی ہند میں دوبارہ ہندو راج کو زندہ کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس نے مالوہ کی مسلمان طاقت کو سرنگوں کر دیا تھا اور اپنی معرکہ آرا فتوحات سے گجرات کے حکمراں مظفر شاہ دوم کو بھی پامال کر دیا تھا۔ اس سب کے باوجود اس میں سیاسی بیداری اور دور اندیشی برائے نام ہی تھی۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ ہند کے جملہ ہندو جنگجو حکمران اس کمزوری کا شکار رہے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ دلیر اور بلند حوصلہ پرتھوی راج دوم کی مانند رانا سانگا کو بھی بالآخر ہار کا منہ دیکھنا پڑا اور وہ اپنے منصوبہ میں ناکام رہا۔ اگر دہلی اور اجمیر کے چوہان حکمراں میں ذرّہ برابر بھی سیاست دانی اور فن حرب کی مہارت ہوتی تو وہ اپنے پڑوس کے کمزور مسلم حکمران خسرو ملک غزنوی سے مل کر اپنے مشترکہ دشمن شہاب الدین غوری کو دریائے سندھ نہ پار کرنے دیتا۔ تب تاریخ اس کو ''محافظ قوم وملت'' کے لقب سے یاد کرتی۔ اسی طرح اس موقع پر سیاست کا یہی تقاضا تھا کہ پانی پت کے میدان جنگ میں رانا سانگا

ابراہیم لودھی کے شانہ بشانہ تلوار پکڑتا، لیکن بدقسمتی سے مہارانا کا رویہ پرتھوی راج کے ہم عصر راجا جمو کے مانند افسوس ناک اور قابل مذمت رہا۔ راجا جمو نے شہاب الدین غوری کو خسرو ملک کے خلاف حملہ کی ترغیب محض اس غرض سے دی تھی کہ سیالکوٹ پر اس کا قبضہ ہو جائے لیکن بعد میں اسے کف افسوس ملنا پڑا اور وہ خود بھی غوری کے حملہ کا شکار ہوا۔ رانا سانگا نے بھی ابراہیم لودھی کے خلاف بابر کی مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ دونوں طاقتوں کو (مغل اور پٹھان) آپس میں لڑا دے گا اور جب وہ باہمی جنگ و جدل سے کمزور ہو جائیں گے تو دونوں کو نیست و نابود کر دے گا۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد ہی جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ سکندر لودھی کا لڑکا تخت کا دعویدار محمود دس ہزار افغان فوج کے ساتھ رانا کے ساتھ ہو گیا۔ محمود اس وقت خانہ بدوش تھا۔ حالاں کہ وہ بھی تخت کا دعویدار تھا۔ الور کا بہادر اور جری حاکم حسن خاں میواتی بھی ایک کثیر فوج کے ساتھ رانا سے آ کر مل گیا۔ مغلوں میں آئندہ لڑائی کے خیال سے ہی خوف اور سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ روزانہ کسی نہ کسی افغان سردار کے ساتھ چھوڑنے کی خبر آ جاتی تھی جن کے ساتھ بابر نے احسان کیے تھے۔ بابر خود امداد غیبی کیلئے دعا مانگ رہا تھا اور خداوند تعالیٰ کے حضور میں توبہ کر رہا تھا کہ وہ ایک مقررہ تاریخ سے شراب نوشی ترک کر دے گا۔ حالاں کہ اس عرصہ میں بھی وہ اکثر عیش و عشرت و حسن کی محفلوں میں مصروف رہتا تھا اور خوب شراب پیتا تھا۔''

جنگ کنواہہ اور رانا سانگا کی شکست

رانا سانگا بھرپور تیاری کے باوجود کنواہہ میں شکست سے دوچار ہوا۔ اس جنگ کے حوالے سے مسٹر کالکا نے لکھا ہے:

''بالآخر 17 مارچ 1527ء کو کنواہہ کی فیصلہ کن لڑائی ہوئی۔ یہ مقام فتح پور سیکری سے 10 میل بجانب مغرب ہے۔ یہ لڑائی پانی پت کی لڑائی سے زیادہ خونریز تھی۔ اس لڑائی میں بابر کو رانا سانگا کی متحدہ فوج پر فتح نصیب ہوئی۔ یہ فتح خود مغلوں کو تو ایک کرشمہ الٰہی معلوم ہوا کیوں کہ آج تک مغل فوج کا سامنا ایسے قوی دشمن اور مسلح و منظم فوج سے نہیں ہوا تھا۔ بابر نے ہند کے گھوڑ سواروں کے گھسے پٹے طرز لڑائی کے خلاف عثمانی ترکوں کی نوایجاد طرزِ جنگ کو استعمال کیا تھا۔ حقیقتاً یہ کوئی جنگ نہ تھی بلکہ افغانوں اور راجپوتوں کی خودکشی تھی۔ جو مغل فوج کی توپوں اور بندوقچیوں کا شکار ہوئے۔ یہ لوگ ارابہ یعنی لکڑی کی عارضی دیوار کے پیچھے سے مہلک گولہ باری کرتے۔ یہ ارابہ بیل گاڑیوں کو چمڑے کی رسیوں سے باندھ کر بنایا گیا تھا۔ اس کے برعکس دوسری جانب راجپوت اور افغانوں کی فوج تھی جو شجاعت اور دلیری میں ذرا بھی کم نہ تھی۔ لیکن جن کے پاس اسلحہ حرب صرف نیزہ اور شمشیر ہی تھے جو دشمن تک چوٹ بھی نہ کر سکتے تھے۔ ہند کی فوجی تاریخ میں پانی پت اور کنواہہ کی لڑائیاں 16ویں صدی کے طریقہ جنگ میں ایک معرکتہ الآرا انقلاب کی علمبردار ہیں۔ بابر کی فتح نے ہند کی قسمت کو 200 سال سے بھی زیادہ عرصہ کیلئے خاندان تیموریہ کے ساتھ وابستہ کر دیا۔

شیر خاں نے مغلوں کے ساتھ رہ کر اسی قسم کی تربیت حاصل کی جیسا کہ 1800 سال پیشتر چندر گپت موریہ نے سکندر اعظم کے خیمہ میں رہ کر کی تھی۔ مغرور چندگپت موریہ کی ہی طرح شیر خاں کی وفاداری مشتبہ ہوگئی

تھی اور اسے اپنی سلامتی جان کیلئے فرار ہونا پڑا۔‘‘

عباس نے لکھا ہے:

’’شیر شاہ نے کڑا مانک پور کے گورنر سلطان جنید برلاس کی فوجی اعانت سے اپنی جاگیر کی طرف پلٹا۔ (یہ فوج جونپور سے بھیجی گئی تھی)۔ اب کے محمد خاں سوری شیر شاہ کا مقابلہ نہ کر سکا اور شکست کھا کر کمایوں کی پہاڑیوں میں جا گھسا۔ شیر شاہ نے فتح کے بعد بیش قیمت نذرانے جنید برلاس کی خدمت میں بھیجے اور محمد خاں سوری کو پیام بھیجا، ’آپ میرے بزرگ اور چچا کی مانند ہیں میں آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں۔ میری لڑائی صرف اپنی جاگیر کی واگزاری کیلئے تھی میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہوں اور اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کہ آپ پہاڑوں میں تکلیف میں مبتلا رہیں۔ آپ بصد شوق واپس تشریف لائیں اور اپنی جاگیر سنبھالیں‘۔ اس فراخدلانہ پیشکش سے محمد خاں سوری پہاڑوں سے نیچے آ گیا اور شیر شاہ کی فیاضی کی بدولت اس کا بندہ بے دام بن گیا۔‘‘

مخزن میں ہے:

’’کچھ دن بعد شیر خاں فوج کی ایک ٹکڑی لے کر جو کڑا مانک پور کے گورنر نے دی تھی وہ محمد خاں سوری سے نبرد آزما ہو گیا۔ سہسرام سے شیر خاں سلطان جنید برلاس کی خدمت میں آ گیا اور اس کی وساطت سے بابر کے دربار میں پیش ہوا۔ اس نے چندیری کے محاصرہ میں شرکت کی اور کچھ مدت تک مغلوں کی فوج کے ساتھ رہ کر طریقہ جنگ و نظام حکومت سیکھے۔ ایک روز ایک دعوت میں بابر کی موجودگی میں شیر خاں کو چینی کی طشتری میں مچھلی (ماہی چا، ایک قسم کی پڈنگ) کھانے کو دی

گئی۔شیر خاں اس کھانے سے ناواقف تھا۔اس نے فوراًاپنے خنجر سے اس کو کاٹا اور کھانے لگا۔بابر یہ سب دیکھ رہا تھا۔اس نے اپنے وزیر کی توجہ اس طرف دلائی اور کہا کہ اس نے ایک سے ایک عالی مرتبہ ذی القدر بہادر افغان دیکھے ہیں لیکن آج تک کسی اور افغان نے اس کو متاثر نہیں کیا۔اس نے اپنے وزیر کو یہ بھی تاکید کی وہ شیر خاں پر متواتر اپنی نگاہ رکھے۔میر خلیفہ شیر خاں کی جانب سے بابر کو یقین دلاتا ہے کہ شیر خاں نیک طبع اور نیک سرشت ہے اس کے ساتھیوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے کہ اس کی جانب سے کسی قسم کا کوئی خدشہ پیدا ہو۔

شیر شاہ بابر کی اس سرگوشی سے متفکر ہو جاتا ہے اور اپنے خیمہ کو واپس لوٹ کر اپنے ہمرائیوں سے اس کا تذکرہ کرتا ہے اور چپ چاپ بھاگ کھڑا ہوتا ہے بابر کو مجلس میں شیر خاں کی عدم موجودگی کا احساس ہوتا ہے وہ شیر خاں کو بلانے کیلئے آدمی بھیجتا ہے اور یہ معلوم ہونے پر کہ شیر خاں بھاگ گیا میر خلیفہ سے ناراض ہوتا ہے۔

شیر شاہ سہسرام جا کر جنید برلاس کی خدمت میں بیش قیمت تحفے اور سوغات بھیج کر اپنی غیر حاضری کا عذر پیش کرتا ہے اور اس وقت یہ خیال بھی ظاہر کرتا ہے کہ نہ تو مجھے ہی مغلوں پر اب کوئی اعتماد رہ گیا ہے اور نہ مغل ہی میرا اعتبار کرتے ہیں اب وقت اور حالات کا تقاضا یہی ہے کہ میں سلطان محمد لوہانی کی خدمت میں چلا جاؤں اور اس نے ایسا ہی کیا۔''

ستار طاھر نے چندیری کے معرکے کے بعد اس دعوت کے بارے میں لکھا ہے:

''شیر خان پر کڑی نگاہ رکھو وہ چالاک آدمی ہے۔اس کی پیشانی سے بادشاہت کی علامتیں جھلکتی ہیں۔میں کئی افغان امراء سے مل چکا ہوں

جو مرتبے میں شیر خان سے کہیں زیادہ اونچے ہیں مگر ان میں سے کوئی ایک بھی مجھے متاثر نہیں کر سکا لیکن جونہی شیر خان کو میں نے دیکھا میرے دل میں آیا اسے فوراً گرفتار لینا چاہئے۔اس میں عظمت وجلال کی صفات دکھائی دیتی ہیں۔''

{تاریخ خان جہان ومخزن افغانی نعمت اللہ بن خواجہ حبیب اللہ ہراتی}

منظر عباس شاہ نے اپنی کتاب ''ٹلہ جوگیاں اور روہتاس'' میں لکھا ہے:

''بعدازاں 1527 میں شیر خان آگرہ چلا گیا۔اُس نے مغل فوج میں ملازمت کر لی اور بابر بادشاہ کی مصاحبت میں داخل ہوگیا۔شیر خان نے چندیری، جون پور اور بنگال کی جنگی مہمات میں بابر کی بہت مدد کی تھی کیونکہ اُس کو ان علاقوں کے طبعی جغرافیہ کا علم تھا اور یہاں اُس کا اثر ورسوخ بھی تھا۔مغل سرداروں کے ساتھ میل جول سے شیر خان نے بہت فائدہ اُٹھایا۔اُسے مغلوں کے طریقِ جنگ، طرزِ حکومت اور مغل سرداروں کے کردار اور رویّوں سے پوری آگاہی حاصل ہوگئی۔یہ اُنہی دِنوں کی بات ہے جب کسی روز شیر خان نے کہا تھا کہ

''اگر قسمت نے ساتھ دیا تو میں ایک دِن
مغلوں کو ہندوستان سے باہر نکال دوں گا''

اُنہی دنوں ایک اور واقع بھی پیش آیا۔ایک شام مغل دعوت میں بابر بادشاہ کے دستر خوان پر شیر خان کو چینی کی طشتری میں ایک قسم کا خوان 'ماہی چا' کھانے کو دیا گیا۔شیر خان کچھ دیر تک اس کے کھانے کے طریقے سے اُلجھا رہا۔'خود را دَر خوردَن عاجز یافتہ'۔پھر اُس نے اپنا خنجر نکالا، ماہی چا کے ٹکڑے کیے اور اپنے پیالے میں ڈال کر کھانے لگا۔بابر بادشاہ کو یہ بات ناگوار گزری۔کہتے ہیں کہ بابر نے جو اُس کی

پیشانی پر بادشاہت کے آثار پہلے ہی دیکھ چکا تھا، ایک سردار میر خلیفہ سے سرگوشی کی۔

''شیر خان مردِ دلیر و زیرک اَست دِلش از ہیبتِ من خائف نیست۔''

اور اس کو ہدایت کی کہ وہ شیر خان پر نظر رکھے۔ شیر خان بھی بیدار مغز اور چوکس دماغ تھا، بابر کے ارادے کو بھانپ گیا اور مغل دربار سے بھاگ نکلا۔''

ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ شیر شاہ پر چونکہ نگہ رکھی جا رہی تھی اس لئے اس نے اپنے وفاداروں سے مل کر پلان بنایا اور پھلوں کے ایک ٹوکرے میں روپوش ہو کر وہاں سے باہر نکل گیا۔

مسٹر کالکارنجن نے لکھا ہے:

''1526ء کے قریب سلطان جنید برلاس اور شاہ میر حسن کی تقرری جونپور میں ہوئی۔ چندیری کا محاصرہ 1528ء میں ہوا۔ ببّن لودھی نے مارچ 1527ء میں لکھنؤ کا محاصرہ کیا اور بایزید فارمولی کی وفاداری بھی مشتبہ ہو رہی تھی۔ چندیری کے محاصرہ میں بابر کی فوج ببّن لودھی کے ہاتھوں شکست کھا کر بھاگ کر قنوج میں پناہ گزیں ہوئی تھی۔ فروری 1528ء میں حالات اتنے بدتر ہو گئے تھے کہ بابر کو اپنی فوج کشی کا منصوبہ بدلنا پڑا اور اب اس نے قنوج کی طرف رخ کیا۔ یہاں گنگا پار کرنے کے راستہ پر معروف فارمولی کے لڑکے نے اس کو روکا۔ 1529ء سے پیشتر بابر کی تزک میں شیر خاں کا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ ایک جگہ کسی ضمن میں یہ ذکر ضرور ہے کہ 1528ء کے آخری نصف میں بابر نے اس کو کچھ پرگنے دیئے۔''

مغلوں کو برصغیر سے نکالنے کے حوالے سے شیر شاہ کی گفتگو پر تنقید کرتے ہوئے

مسٹر کالکارنجن نے لکھا ہے:

''عباس نے یہ کہانی اپنے چچا شیخ محمد سے سنی تھی۔ شیخ محمد چندیری کی لڑائی میں خان خاناں یوسف خیل کے جو بابر کو کابل سے بلا کر لایا تھا ہم رکاب تھا۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز شیخ ابراہیم سروانی نے شیخ محمد سے کہا 'شیر خاں کے خیمہ پر تشریف لے چلیے اور اس کی لاف زنی پر غور فرمایئے جس کا کہ سب لوگ مذاق اڑاتے ہیں'۔ کہا جاتا ہے کہ اس مجلس میں شیر خاں لاف زنی میں حد سے زیادہ تجاوز کر گیا اور گرم ہو کر ڈینگ مارنے لگا۔ شیخ محمد! تم آج میرے اور ابراہیم کے درمیان گواہ ہو اگر قسمت نے یاوری کی تو میں بہت جلد مغلوں کو ہندوستان سے نکال دوں گا۔ میں کافی عرصہ مغلوں کے ساتھ رہا ہوں۔ میں نے ان کی 'طرز جنگ' دیکھی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ دوران جنگ ان میں ثبت وقرار ترتیب و تنظیم نہیں ملتی۔ ان کا بادشاہ اپنے عہد کی شان و خاندانی تکبر کی وجہ سے خود سلطنت کی دیکھ بھال نہیں کرتا ہے۔ ان کے امیر ہر معاملہ میں بدنیتی سے کام لیتے ہیں خواہ وہ کسی سپاہی سے متعلق ہو یا کاشت کار سے۔ یا کسی باغی زمیندار کے متعلق ہو۔ اگر تقدیر نے یاوری کی تو شیخ تم دیکھو گے اور سنو گے کہ میں کس طرح تمام افغانوں کو اپنی کمان میں متحد و منظم کرتا ہوں۔ اور پھر ان کو منتشر نہ ہونے دوں گا۔''

عباس سروانی نے ماہی چا کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ماہی چا چینی کی طشتری میں دسترخوان پر لگایا گیا تھا اور شیر خاں قاعدہ خوردن ماہی چا سے بے بہرہ تھا۔ اس نے اپنے خنجر (کرد) سے اس کو چھوٹے چھوٹے لقموں میں کاٹ لیا اور بڑے اطمینان سے ان لقموں کو

لکڑی کے چمچہ میں رکھ کر کھالیا۔"

اکبر نامہ میں ابوالفضل کا بیان ہے:

"ایک روز سلطان جنید برلاس نے موقع کا فائدہ اٹھا کر یہ سوچا کہ فرید اور دیگر افغان سرداروں کا تعارف جو اس کے دربار میں اس وقت موجود تھے جہاں پناہ گیتی ستانی فردوس مکانی بابر بادشاہ سے کرا دے۔ جوں ہی ظل الٰہی کی مردم شناس نگاہ فرید خاں پر پڑی۔ انھوں نے فرید کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا 'سلطان جنید برلاس! دیکھو، اس افغان کی نگاہوں میں کتنا شر پوشیدہ ہے اسے حراست میں لینا چاہیئے'۔ دوسرے دونوں افغانوں کے ساتھ بادشاہ لطف و مہربانی سے پیش آیا۔ قبل اس کے جنید برلاس کے سپاہی اس کو گرفتار کر سکیں۔ فرید بادشاہ گیتی ستانی کی نظروں سے خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔"

مخزن میں ہے:

"سلطان جنید برلاس بادشاہ کے حضور میں شیر خاں اور دیگر دو افغان سرداروں کو لایا۔ بادشاہ نے شیر خاں کو حراست میں لینے کا حکم صادر فرمایا۔ اسی درمیان دستر خوان بچھایا گیا اور شیر خاں کے سامنے طبق ماہی چا پیش کیا گیا۔ شیر خاں کچھ دیر تک اس کے کھانے کے طریقہ پر الجھا رہا (خود را در خوردن عاجز یافتہ) پھر اس نے اپنا چھرا نکالا اور اس ماہی چا کو لقموں میں تراش لیا (ریزہ ریزہ ساختہ) اور لکڑی کے کف گیر میں رکھ کر کھانے لگا۔ بادشاہ نے میر خلیفہ سے کچھ باتیں تنہائی میں کیں۔ جس سے شیر خاں کو شک پیدا ہو گیا۔ اور اسی شب وہ لشکر سے بھاگ کھڑا ہوا"۔

{تاریخ خان جہان ومخزن افغانی نعمت اللہ بن خواجہ حبیب اللہ ہراتی}

احمد یادگار نے ''تاریخ سلاطین افغان'' میں اسی کہانی کو لکھا ہے تاہم ڈارن نے ہسٹری آف افغان جلد دوم میں اس کھانے کا نام ''ماہی چا'' کی بجائے ''عرابیکیا'' لکھا ہے۔

مسٹر کے آر قانون گو نے لکھا ہے کہ اصل واقعات اوران کی تواریخ کچھ آگے پیچھے ہو چکی ہیں بہرحال یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ:

''شیر خاں بابر کے حضور میں سلطان جنید برلاس سے ایک تعارفی خط لے کر حاضر ہوا اور بادشاہ کے ساتھ ساتھ چندیری گیا۔ چندیری سے وہ بابر کے ساتھ جونپور گیا۔ جہاں ببّن اور بایزید کے خلاف جنگ کی۔ جس کا کہ تزک میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اس کے بعد اس نے (بابر) بنگال کے سلطان تصرف شاہ کے خلاف فوج کشی کی۔ ان تمام لڑائیوں میں شیر خاں نے بابر کی بڑی مدد کی کیوں کہ اس کو اس علاقہ کے طبعی جغرافیہ کا علم تھا۔ اوران وجوہات سے وہ بابر کی نظروں میں چڑھ گیا۔ اس کے بعد جملہ واقعات کہ کس طریقہ سے شیر خاں نے سہسرام و خواص پور ٹانڈہ کی جاگیر واپس پائی بابر کی سرگزشت میں قلم بند ہیں۔ مسز بیورج نے اشارہ کیا ہے کہ بابر کی تزک میں 15 اپریل سے 18 ستمبر 1528ء تک کے واقعات کا ایک خلا ہے۔ 935ہجری یعنی 1529ء کی ڈائری لکھتے وقت بابر نے جگہ جگہ سال گذشتہ کا حوالہ دیا ہے اس سے چھوٹی موٹی کڑی پوری ہوجاتی ہے اور یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اس وقفہ میں جب کہ بابر افغانوں کے خلاف جدوجہد کررہا تھا۔ وہ جونپور، چوسہ اور بکسر میں موجود تھا۔ 1528ء کے آخری حصہ کی بابر کی مہموں کی بدولت شیر خاں کو منجملہ اپنے پرگنوں کے چند اور بھی پرگنے

ملے۔“

اس کے بعد جب شیر شاہ سوری دوبارہ افغانوں میں لوٹ گیا تو اس نے بھی مغلوں کے خلاف لشکر کشی میں معاونت کی۔ تزک بابری میں ہے:

”جب ہم اس علاقہ میں قیام پذیر تھے بار ہا یہ خبر ملی کہ سلطان محمود لودھی نے دس ہزار افغانوں کی ایک کثیر فوج اکٹھا کر لی ہے اور وہ فتح خاں سروانی کے ساتھ دریا کے راستہ چنار کی جانب کوچ کر چکا ہے اور شیر خاں سوری بھی جس کو کہ ہم نے سال گذشتہ میں کئی پر گنے بطور انعام عطا کیے تھے اور اس خطہ کی نگرانی کیلئے مقرر کیا تھا۔ ان سرکش افغانوں کے ساتھ ہے اور اس نے چند افغان سرداروں کے ساتھ گنگا کو پار کر لیا ہے۔“

1529ء میں شیر خاں نے بابر کے خلاف افغانوں کا ساتھ بادل ناخواستہ ہی دیا تھا جب سلطان سکندر کے لڑکے محمود دعویدار تخت کا پہلا حملہ ہی ناکام رہا تو بہت سے افغان سرداروں نے خفیہ طور پر بابر کی اطاعت قبول کر لی۔ سوری سرداروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ بابر نے اپنی تزک میں لکھا ہے:

”اس روز 31 مارچ 1529ء کو جلال خاں لوہانی ولد بہار خاں، فرید خاں ولد ناصر خاں لوہانی، شیر خاں سوری، علاء الخاں سوری بن محمد خاں سوری وغیرہ افغان سرداروں سے اطاعت نامے موصول ہوئے۔“

☆ نہانی اور لوہانی ایک ہی خاندان کیلئے مستعمل ہیں۔

باب ۱۸

شیر شاہ سوری نائب گورنر بہار

بہار کی سلطنت پے در پے انقلابات دہر کا سامنا کر رہی تھی۔ سلطان محمد شاہ کو صرف دو سال ہی حکمرانی کا موقع ملا۔ اس وقت لودھی، فارمولی، سروانی اور لوہانی پٹھان مغلوں کے خلاف انفرادی لڑائیوں میں مشغول تھے۔ عدم اتفاق اور نفاق انھیں زوال کی پستیوں میں لے جا رہا تھا مگر وہ اس سے بے خبر تھے۔ اس وقت پٹھانوں کے ببن لودھی اور بایزید فرمولی نمایاں سردار تھے۔ جنوری 1527ء میں ہمایوں نے فتح خاں کو ظہیر الدین بابر کے پاس بھیجا۔ بابر نے اسے خلعت عطا کی ''خان جہاں'' کا خطاب دیا اور جب فتح خان اپنی جاگیری کی جانب واپس جانے لگا تو بابر نے اس کے بیٹے کو بطور ضمانت اپنے پاس رکھ لیا۔ کنواہہ کی جنگ کے بعد فتح خاں نے سیاسی بساط تبدیل کرنے کیلئے سلطان سکندر کے بیٹے محمود سے رابطہ کیا۔ اس نے ببن اور بایزید کو بھی محمود کی حمایت پر آمادہ کر لیا۔ محمود تاج و تخت کا دعویدار بن کر سامنے آیا۔ فتح خاں مغلوں سے پنجہ آزمائی سے قبل بہار پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے بہار سے لوہانیوں کو نکالنے کیلئے بنگال کے نصرت شاہ کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا۔

1528ء میں سلطان محمد کا انتقال ہو گیا۔ اس پر لوہانی سرداروں نے اتفاق رائے سے اس کے کم عمر بیٹے جلال خاں کو تخت نشین کر دیا۔ اسے سلطان جلال الدین کا خطاب دیا گیا اور اس کی والدہ دودو بیگم کو اس کا نگران مقرر کر دیا۔

1528ء میں بابر مشرقی صوبوں کی حمایت سے واپس آیا تو شیر شاہ کو بھی اس کی جاگیر اور منصب واپس مل گیا۔ شیر شاہ کا شمار اس وقت مغلوں کے حمایتوں میں ہوتا تھا۔

اسی دوران سلطان سکندر کے بیٹے محمود نے اچانک منظر عام پر آ کر دسمبر 1528ء

میں بہار کے پایہ تخت پر قبضہ کرلیا۔ بابر کو یہ اطلاع 8 جنوری 1529ء میں دھولپور میں موصول ہوئی۔ محمود کے ساتھ 10000 افغان موجود تھے جس سے لوہانی خائف تھے محمود نے لوہانیوں سے وعدہ کیا کہ جب جونپور اس کے قبضے میں آ جائے گا تو وہ بہار جلال الدین کو واپس دے دے گا۔

فروری 1529ء میں محمود نے چنار کا رخ کیا۔ اس سے قبل اس کے سسر فتح خاں سروانی نے بہار میں اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ فتح خاں اس کا سسر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا وزیر بھی تھا۔

محمود کے کوچ کے بعد دُو دُو بیگم نے اپنے بیٹے جلال الدین اور کثیر تعداد میں لوہانیوں کے ساتھ دریائے گنگا پار کر کے پٹنہ کے سامنے حاجی پور میں پناہ لے لی۔ اس علاقے کا حاکم مخدوم عالم، سلطان نصرت شاہ کا برادر نسبتی تھا۔

بابر نے محمود کو شکست دی تو بہار پر محمد زماں مرزا کو 13 اپریل 1529ء گورنر مقرر کر دیا۔ اسی اثناء میں دودو بیگم نے بابر کو خط لکھا تا کہ وہ اس کے بیٹے جلال الدین کی حفاظت وسرپرستی کرے جن کے بارے میں بابر نے تزک میں لکھا ہے:

> ''16 اپریل کو دودوٓ اور اس کے لڑکے جلال خاں ولد بہار خاں کی جانب سے بذریعہ سفیر ایک خط موصول ہوا جس سے معلوم ہوا کہ بنگال کے سلطان نصرت شاہ نے انھیں نظر بند کر لیا تھا۔ انھوں نے یہ بھی خبر دی کہ وہ میرے پاس آ رہے ہیں۔ بنگالیوں کی حراست سے نجات پانے کیلئے انھوں نے دوبدو کی لڑائی بھی لڑی۔ دریا کو پار کیا اور بہار پہنچ گئے ہیں۔ اب میرے پاس آنے کیلئے راستہ میں ہیں۔''

4 مئی 1529ء میں بابر نے ہلیا میں فرید کے مقام پر، دریائے گھاگھر اور گنگا کے سنگم پر فتح حاصل کی۔ نصرت شاہ نے صلح کر لی اور گنڈک کا شمالی کنارا اور گنگا کا جنوبی کنارہ سرحد مقرر رہوا۔ نیز اس نے وعدہ کیا کہ بنگال میں بابر کے دشمن افغانوں کو پناہ نہیں ملے گی۔

اس پر بابر نے محمد زمان مرزا کو تو بہار کی بجائے جونپور کا علاقہ دے دیا اور 16 مئی کو لوہانیوں سے صلح کا معاہدہ کرلیا۔ اس کے بارے میں بابر تزک میں رقمطراز ہے۔

''دریا خاں کا پوتا جس کے پاس شیخ جمالی گیا تھا اپنے امراء اور سرداروں کے ہمراہ میرے پاس آیا۔ یحییٰ خاں لوہانی اور اس کے علاوہ سات آٹھ ہزار لوہانی افغان بھی آئے۔ میں نے 50 لاکھ کا علاقہ محمود خاں لوہانی کو دیا اور ایک کروڑ کی زمین خالصہ کرلی۔ بہار کا باقی ماندہ علاقہ جلال خاں کے حوالے کر دیا جس نے ایک کروڑ سالانہ خراج کا وعدہ کیا۔ اس خراج کی وصولی کیلئے ملا غلام یساول کو بھیجا گیا۔''

اس طرح سلطان جلال الدین والئی بہار مغلوں کے باجگذاروں میں شامل ہوگیا۔ دُودُو بیگم اس صورت حال سے نمٹنے کی اہل نہیں تھی۔ اس عالم میں اس کی نگاہیں شیر شاہ کی جانب اُٹھیں۔ اس وقت شیر شاہ سلطنت مغلیہ کا حامی اور جاگیر دار تھا۔ ماضی میں اس نے جس خوش اسلوبی سے جلال خاں کے اتالیق اور جاگیر کے منتظم کے فرائض سرانجام دیئے تھے اس نے دُودُو بیگم کی نظروں میں خاصا مقام بنالیا تھا۔ اب اس نے پھر شیر شاہ کو بلا کر اپنا نائب مقرر کیا۔ شیر شاہ اس عہدے پر 1529ء سے 1533ء تک برقرار رہا۔

1529 کے بعد بابر شراب، افیون اور معجون کا بے حد عادی ہوگیا۔ ساتھ ساتھ اس کا سن بھی آگے بڑھا۔ چنانچہ اس کی جسمانی حالت بالکل ہی خستہ ہوگئی روز افزوں نفس پرستی اور لونڈیوں کی صحبت نے اس کی صحت کو خاک میں ملا دیا۔ ان لونڈیوں کو ایران کے شاہ طہماسپ نے بطور دل کش تحفہ دے بھیجا تھا بابر نے ان کے ساتھ نکاح کرلیا اور ان کے نام ''گلنار اغاچہ'' اور ''انار گل اغاچہ'' رکھے لیکن اس سے صورت حال میں ردو بدل نہیں ہوا۔

1530ء میں دودو بیگم کے انتقال سے تمام ذمہ داریاں شیر شاہ کے شانوں پر آ گئیں سالانہ ایک کروڑ خراج کی ادائیگی سے لوہانی پریشان تھے پھر سلطان محمود لودھی، ببن اور بایزید کے دوبارہ حملے کا خوف بھی ان کے اعصاب پہ سوار تھا۔ بابر پنجاب کی بغاوت فرد کرنے

میں مشغول تھا اور اس لیے لوہانیوں کی مدد کیلئے فوراً نہیں آ سکتا تھا۔ مذکورہ دشمن بابر کے حملہ کے دوران مہوبہ ضلع میر پور میں روپوش ہو گئے تھے۔

اپریل 1527ء میں بابر نے ہمایوں کو کابل اور بدخشاں کا گورنر مقرر کیا تھا۔ ہمایوں نے راہ میں شاہی خزانے پر قبضہ کر لیا جو دہلی سے قابل روانہ کیا گیا تھا۔ اس پر بابر نے ہمایوں کو تحریری سرزنش کی۔ لاہور میں عوام بابر کے خلاف ہو گئے۔ گوالیار کے گورنر رحیم دادخاں نے بغاوت کر دی تھی۔ لاہور کے امام نے بابر کے خلاف فتویٰ جاری کر دیا کہ وہ رعایا پر ظلم کرتا ہے۔

بابر ان حالات میں سخت پریشان تھا پھر ہمایوں بھی کابل سے بدخشاں اور پھر آگرہ پہنچ گیا۔ رحیم دادخاں اور کالپی کا گورنر میر خواجہ، ہمایوں کے سالے تھے لہٰذا بابر نے انھیں معاف کر دیا۔ رحیم دادخان کو بغاوت پر اس کے بھائی مہدی خواجہ نے ابھارا تھا۔ 1529ء میں ہمایوں اپنی جاگیر سنبھل ضلع مراد آباد کی طرف چلا گیا اور بابر نے لاہور کی راہ لی۔

جنوری 1530ء میں ہمایوں بستر علالت پر دراز ہو گیا اور اسے بغرض علاج فروری میں آگرہ منتقل کر دیا گیا۔ بابر نے ہمایوں کے بستر کے گرد چکر لگاتے ہوئے دعا مانگی کہ اللہ میاں ہمایوں کو تندرست کر دے اور اس کے بدلے میں اس کی جان لے لے۔

بابر بیمار پڑ گیا اور ہمایوں ٹھیک ہو گیا۔ ہمایوں کو بابر نے کڑا مانک پور کی جانب روانہ کیا تاکہ وہ باغیوں کو سزا دے ہمایوں اس مہم کے دوران ہمایوں کالنجر قلعے تک جا پہنچا۔ باغی ببن اور بایزید اس وقت مہوبہ کے جنگلات سے گوریلا کارروائیاں کر رہے تھے۔ ہمایوں اور بابر کی بیماری نے ان کے حوصلے بڑھا دیئے تھے تاہم ہمایوں نے ان کو اس جنگل سے نکال باہر کیا مگر وہ پھر اودھ اور سارن میں جا کر روپوش ہو گئے۔

ہمایوں نے کالنجر کا محاصرہ کر لیا اور راجا نے 12 من سونے کے عوض صلح کا معاہدہ کر لیا۔ ہمایوں واپس آگرہ پہنچا۔ بابر بدستور بیمار تھا۔ میر خلیفہ کی سازشوں کی وجہ سے ہمایوں کو پھر اپنی جاگیر سنبھل کا رخ کرنا پڑا جونپور کا حاکم محمد زماں مرزا تھوڑی سی فوج چھوڑ کر چلا گیا۔

جنید برلاس سے بابر برہم تھا اور اس کا کچھ پتا نہیں تھا یہ حالات شیر شاہ کے پیش نظر تھے اور وہ عقابی نگاہوں سے سیاست کے رنگ بدلتے افق دیکھ رہا تھا۔

سلطان محمد شاہ لوہانی (بہار خاں ولد دریا خاں) نے بہار میں جس لوہانی ریاست کی بنیاد رکھی وہ اس پر صرف دو سال حکمراں رہا اور پانی پت کی جنگ کے بعد اس سے الگ ہو گیا۔ اس جنگ میں ببن لودھی اور بایزید فارمولی نے مغلوں کے خلاف زیادہ جوش کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس وقت اڑھائی افغان قبیلوں کا اتحاد تھا جو اصل افغان کہلاتے تھے اور سوری ان میں شامل تھے جبکہ باقی پٹھان قبائل کے لحاظ سے خالص نہیں سمجھے جاتے تھے۔

سلطان جلال الدین لوہانی اب مغلوں کا باجگذار تھا۔ اسے مالی پریشانیاں گھیرے ہوئے تھیں اور اس کی والدہ اسے پریشانیوں کے اس جنگل سے تنہا نہیں نکال سکتی تھی چنانچہ اس نے اس کڑے وقت میں شیر شاہ سوری کو آواز دی اور اس کے آنے کے چند ماہ بعد ستمبر 1529ء میں اس کو سلطنت بہار کا نائب بنا دیا۔ اس وقت شیر شاہ مغل حکومت کا ایک قدآور حامی اور شاہ آباد ضلع کا حاکم تھا۔ وہ سلطان جنید برلاس (چنار) کے ماتحت تھا۔ 1530ء میں دودو بیگم کے انتقال کے بعد چند لوہانی سرداروں نے شیر شاہ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

باب ۱۹

چنار کے قلعہ پر شیر شاہ کا قبضہ

قلعہ چنار کا حاکم تاج خاں سارنگ حانی تھا۔ 1528ء میں اس نے مغلوں کی اطاعت تو کر لی مگر قلعہ بدستور اسی کے کنٹرول میں رہا۔ بابر نے جنید برلاس کو اس قلعہ کا گورنر مقرر کر دیا تھا مگر وہ اس قلعے پر قابض ہونے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

عباس خان سروانی نے لکھا ہے:

''شیر خاں کو چنار کا قلعہ لاڈ ملکہ سے ملا۔ یہ اس قلعہ کے محافظ (کمانڈنٹ) تاج خاں سارنگ خانی کی لاولد بیوہ تھی۔ سلطان سکندر کے عہد سے مشرقی علاقہ میں چنار ایک ایسا مستحکم قلعہ تھا جس کو کوئی بھی فتح نہ کر سکا تھا۔ 1528ء کے بعد اصولاً یہ قلعہ مغل بادشاہ کے قبضہ میں چلا گیا تھا کیوں کہ تاج خاں سارنگ خانی نے مغلوں کی اطاعت قبول کر لی تھی لیکن وہ قلعہ سے دست بردار نہیں ہوا تھا۔ بابر کی اس پر برابر نگاہ تھی۔ مگر وہ اس قلعہ کو سلطان جنید برلاس کے تصرف میں لانے میں کامیاب رہا۔ جنید کو اس نے قلعہ کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔''

تاج خاں کی دو بیویاں تھیں پہلی بیوی سے اس کی اولاد تھی مگر دوسری بیوی لاڈ و ملکہ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں تھی تاہم تاج خاں لاڈ و ملکہ کے حسن کا گرویدہ تھا اور یہ اس کی محبوب بیوی تھی تاج کے تین بھائی تھے جن کے نام میر احمد، میر داد اور میر اسحاق تھے۔ یہ تینوں تاج خاں کے نائب بھی تھے اور لاڈ و ملکہ سے زیادہ قریب تھے۔ روایت ہے کہ دوسری بیوی سے جو

بیٹے تھے وہ اکثر اخراجات کی تنگی اور اپنی عسرت کی شکایت کرتے رہتے تھے۔ خزانے پر لاڈو ملکہ کا کنٹرول تھا۔ اس پر ایک شب کو تاج خاں کے بیٹے نے لاڈ ملکہ پر تلوار کے ساتھ قاتلانہ حملہ کر دیا مگر تاج خاں کو خبر ہو گئی وہ بے نیام تلوار کے ساتھ دوڑا مگر اس تصادم میں وہ خود ہی اپنے بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا۔

عباس خان سروانی نے یہ کہانی ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''تاج خاں اپنی بیوی لاڈ ملکہ کی محبت کا غلام تھا۔ لاڈ ملکہ فہم و دانش کا ایک پتلا تھی۔ تاج خاں نے اپنے تینوں ترکمان بھائیوں میر احمد، میر داد، میر اسحاق کو اپنا نائب بنا رکھا تھا ان سرداروں نے لاڈ ملکہ کا ساتھ دینے کے عہد و پیماں کیے تھے۔ لاڈ ملکہ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ لیکن تاج خاں کے دوسری بیوی سے کئی لڑکے تھے۔ وہ اپنے لڑکوں کی گذر بسر کیلئے کافی روپیہ نہیں دیتا تھا اور لاڈ ملکہ کے خوف سے یہ لڑکے آرام سے روٹی بھی نہ کھا سکتے تھے ان لڑکوں نے کئی بار اپنے والد سے اس امر کی شکایت بھی کی لیکن تاج خاں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک شب تاج خاں کے سب سے بڑے لڑکے نے لاڈ ملکہ پر تلوار سے حملہ کیا جب شور تاج خاں کے کانوں تک پہنچا تو وہ اپنے لڑکے کو مارنے کیلئے تلوار لے کر دوڑا۔ بچاؤ کا کوئی راستہ نہ دیکھ کر لڑکے نے اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ تاج خاں کے لڑکوں کے تعلقات فوج سے اچھے نہ تھے۔ فوج کی کثیر تعداد لاڈ ملکہ کی حمایت میں تھی۔ چند بد طینت لوگ تاج خاں کے لڑکوں کے ساتھ ہو گئے کیوں کہ یہ خزانہ کیلئے لڑا کرتے تھے۔ شیر خاں نے جو اس وقت چنار کے قریب ہی تھا۔ ترکمان بھائیوں سے پوشیدہ طریقہ سے مصالحت کی بات چیت شروع کر دی۔ تینوں بھائی اس بات پر متفق الرائے تھے کہ چوں کہ لاڈ ملکہ ایک عورت ہے وہ

چنار کے قلعہ کی زیادہ عرصہ تک حفاظت نہیں کرسکتی۔ اس لئے قلعہ کو شیر خان کے سپرد کر دینا ہی سود مند ہوگا اور شیر خاں اس طرح ان کا ممنون ہو جائے گا۔ انھوں نے لاڈ ملکہ کو یہ بھی سمجھایا کہ اگر وہ شیر خاں سے شادی کرلے تو ہر حالت میں یہ تجویز ہر دو فریقین کیلئے مفید ہوگی۔ لاڈ ملکہ اس تجویز سے متفق ہوگئی اس نے فوراً میر داد کو شیر خان کے پاس بھیج دیا تاکہ قبل اس کے کہ تاج خاں کے لڑکوں کو ان کے اس ارادہ کا علم ہو شیر خاں آکر قلعہ پر قبضہ کرلے۔''

اس صورت حال میں عوام الناس کی ہمدردیاں بھی لاڈو ملکہ کے ساتھ ہوگئیں جس کو گھائل کر دیا گیا تھا اور اس کے شوہر کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

لاڈو ملکہ خود بھی یہی چاہ رہی تھی کہ قلعہ کی حفاظت کا انتظام مضبوط ہاتھوں میں ہونا چاہیے۔ اس لئے اس نے انھیں اجازت دے دی کہ وہ شیر شاہ سے رابطہ کریں۔ شیر شاہ سے مذاکرات نتیجہ خیز ثابت ہوئے۔

چند ماہ بعد 1530ء میں شیر شاہ بڑی تمکنت سے قلعہ چنار میں آیا جہاں اس کا پر جوش استقبال کیا گیا۔ اسی روز لاڈو ملکہ اس کی دلہن بن گئی۔ قلعہ چنار شیر شاہ کے تصرف میں آ گیا اس وقت شیر شاہ کی عمر قریباً چوالیس برس تھی۔ لاڈو ملکہ نے شیر شاہ کو 150 عدد نایاب جواہر، سات من موتی اور کئی من سونا دیا۔ غالباً انہی موتیوں میں سے شیر شاہ نے کچھ موتی قلعہ روہتاس جہلم کے شاہی دروازے پر جڑوائے تھے جو بعد ازاں مقامی اور غیر مقامی لوگوں کی دست برد کا شکار ہوگئے۔ بعض مورخین شادی کی اس داستان سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تاج خاں سارنگ خانی طبعی موت مرا تھا اس کے بیٹے کم سن تھے جن کے ساتھ اس نے بابر سے ملاقات بھی کی تھی۔ اس لیے میر داد وغیرہ کے مشورے پر لاڈو ملکہ نے شیر شاہ سے شادی کرلی تاکہ ان سب کو ایک محافظ اور سرپرست مل جائے۔

مسٹر کالکارنجن نے اس حوالے عباس پر خاصی جرح کرنے کے بعد لکھا ہے:

’’لاڈو ملکہ اس وقت نہایت مضطرب تھی۔ اس نے میر داد کو کہلا بھیجا کہ وہ شیر خاں کو بلا تامل چنار لائے۔ شیر خاں کی آمد کے روز ہی رسم نکاح ادا ہو گئی۔ عباس اس کے متعلق خاموش ہے کہ بصورت طلاق شیر خاں نے اپنی متمول دلہن کیلئے کتنی رقم دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ لاڈو ملکہ نے اپنے نئے شوہر کو بطور پیش کش 150 عدد نایاب جواہر 7 من موتی اور 150 من سونا دیا اس طرح شیر خاں نے جنگ کیلئے کافی سرمایہ فراہم کر لیا۔ خاص کر ایسے وقت میں جب کہ سلطنت مغلیہ میں تسلط ایک دور کی ندا تھی۔ تنہا چنار کا قلعہ ہی ایسا نادر و نایاب تحفہ تھا جس کے سامنے تمام ہیرے جواہرات و سونا ہیچ تھے جو اس کو لاڈو ملکہ سے ملے تھے۔ شیر خاں نے چنار پرگنہ کو فوراً اپنے تصرف میں کر لیا اور اس علاقہ میں اپنی طاقت بڑھالی۔‘‘

باب ۲۰

گوہر گوسائیں سے شادی

1530ء میں ہیا یک بار پھر قسمت کی دیوی شیر شاہ مہربان ہوئی۔ ہوا یوں کہ 1529ء میں ناصر خاں لوہانی آف غازی پور کا انتقال ہو گیا۔ ناصر خاں نے ابراہیم لودھی کے عہد میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ظہیر الدین بابر بھی ناصر خاں کو سرنگوں کرنے سے عاجز آ گیا تھا۔

گوہر گوسائیں ایک ہندی خاتون اور ناصر خاں کی بیوی تھی۔ناصر خاں کی وفات کے بعداب تمام جائیداد مال کی بلاشرکت غیرے سے گوہر ہی مالک تھی ناصر خاں کے بیٹے فرید خاں نے جو پہلی بیوی سے تھا بابر کی اطاعت کر لی۔اس طرح گوہر کا مستقبل مخدوش نظر آ رہا تھا۔

گوہر بھی اب کسی مضبوط سہارے کی تلاش میں تھی جو اسے جنگ وجدل کے طوفان سے بچا سکے۔ ہر طرف سے گھوم کر اس کی نگاہیں بھی شیر شاہ پر مرکوز ہو گئیں اس وقت شیر شاہ چنار کا حاکم تھا گوہر نے ایک قاصد کے ذریعے شیر شاہ کو شادی کا پیغام دیا۔شیر شاہ نے بلا تامل یہ پیشکش قبول کر لی۔

گوہر شیر شاہ کے حلقہ زوجیت میں داخل ہو گئی اور اس نے شیر شاہ کو بے شمار سونا وچاندی بھی پیش کیا۔اب شیر شاہ نے خوب طاقت حاصل کر لی تھی مگر فی الحال اسے کہیں طاقت آزمائی کا موقع نہیں ملا تھا۔یہ دو بیویاں اس کیلئے لکشمی دیویاں ثابت ہوئی تھیں۔

مخزن میں اس حوالے سے لکھا ہے:

''1530ء میں شیر خاں کیلئے دوسری شادی نیک فال ثابت ہوئی۔ اوائل 1529ء میں غازی پور کے ناصر خاں لوہانی کا انتقال ہو گیا جو سلطان ابراہیم لودھی کے زمانے میں باغی تھا لیکن اس کی وفات کے بعد قوم پرست بن گیا اور آخر وقت تک بابر اسے زیر کرنے میں ناکام رہا۔ مرتے وقت اس نے ایک کثیر دولت اپنی منظور نظر ہندوستانی بیوی کے پاس چھوڑی جس کا نام گوہر گوسائیں تھا۔ نام کا آخری لفظ اس کے ہندو ہونے کی دلالت کرتا ہے۔ (یہ لفظ سنسکرت زبان کے لفظ ''سوامی'' کا بگڑا ہوا ہے۔) ناصر خاں سلطان سکندر اور ابراہیم کا ہم عصر تھا۔ اس کی عمر بوقت انتقال تقریباً 80 سال ہوگی۔ گوہر گوسائیں اس کی آخری اور لاولد بیوی تھی۔ ناصر خاں کی وفات کے بعد اس کے لڑکے فرید خان نے جو اس کی دوسری بیوی کے بطن سے تھا بابر کی اطاعت قبول کر لی اور بابر نے اس کے عوض میں اس کے والد کی جاگیر کا ایک حصہ اس کو دے دیا۔ اب گوہر گوسائیں کا رتبہ اور دولت اپنے سوتیلے لڑکے کے ماتحت جس نے مغلوں کی اطاعت قبول کر لی تھی، محفوظ نہ تھے۔ وہ ایک محافظ اور سرپرست کی تلاش میں تھی۔ چونکہ شیر خاں کسی زمانہ میں ناصر خاں کی خدمت میں رہ چکا تھا اس لئے اس کی اس سے پیشتر ہی شناسائی تھی۔ چنانچہ گوہر گوسائیں نے چنار کے نئے مالک کے سامنے نکاح کی تجویز پیش کی۔ یہ شادی شیر خاں کیلئے غیبی امداد سے کم نہ تھی گوہر اپنے ساتھ 300 من سونا لے کر آئی۔''

{تاریخ خان جہان ومخزن افغانی نعمت اللہ بن خواجہ حبیب اللہ ہراتی}

باب ۲۱

ظہیر الدین بابر کا انتقال اور سیاسی بساط

1530ء کے اختتام تک شیر شاہ سوری کا ستارہ عروج پر پہنچ گیا۔ اب اس کا شمار ممتاز ترین صاحب دولت و فراست اور ایسے قوی افغانوں میں ہونے لگا تھا جنھوں نے مغلوں کی اعلانیہ مخالفت میں کوئی پیش قدمی نہیں کی تھی لیکن چند ہی روز میں حالت بدلنے لگی۔ 26 ستمبر 1530ء کو بابر اس دارِفانی سے کوچ کر گیا اور اس کے انتقال کے فوراً ہی بعد شیر خاں چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پسنے لگا۔ ایک طرف سلطان محمد لودھی اور دوسری جانب بادشاہ ہمایوں اس کے دشمن بن گئے۔

تاریخ روہتاس میں ہے:

''26 ستمبر 1530ء کو بابر کا انتقال ہو گیا۔ بابر نے بہت سے علاقے فتح تو کیے تھے مگر ابھی تک عملاً ایک سلطنت معرض وجود میں نہیں آئی تھی ہر طرف شورشیں، انتشار اور بغاوتوں کا عالم تھا۔ پھر بابر کو ہندوستان کی فضاؤں میں ابھی محض چار برس کا عرصہ بیتا تھا۔ اس لیے بابر کے انتقال کے ساتھ ہی ایک بار پھر ہندوستان کا سیاسی منظر تبدیل ہونے لگا۔''

باب ۲۲

ہمایوں کی تاج پوشی اور جنگ دوراہا

بابر کے انتقال سے قبل ہی ببن اور بایزید نے پھر سر اٹھالیا تھا اور انھوں نے روپوش سلطان محمد لودھی کو بلوالیا اور جونپور پہ قبضے کی منصوبہ بندی کی ۔ یہ صورت حال انتہائی خطرناک تھی پھر ایک طرف ہمایوں اور دوسری جانب سلطان محمد معرکہ آرائی کی تیاریاں کر رہے تھے ان دونوں کے بیچ میں شیر شاہ تھا۔اس صورت حال کے نتیجے میں ستمبر 1531ء میں جنگ دوراہا وقوع پذیر ہوئی۔

1530ء میں افغانوں نے سلطان محمد کو مضبوط کرنا شروع کر دیا تھا جبکہ اس وقت ہمایوں عسکری سازشوں کا شکار ہو کر اپنی جاگیر سنبھل میں مقیم تھا۔افغانوں نے جلال الدین کو ہٹا کر سلطان محمد لودھی کیلئے جگہ بنالی۔شیر شاہ افغانوں کی مخالفت مول نہیں لے سکتا تھا اور اس وقت دانشمندی کا تقاضا تھا کہ وہ ان سے تعاون کرتا۔لہٰذا اس نے سلطان محمد کی جانب دست تعاون بڑھا دیا۔

سلطان محمد لودھی نے شیر شاہ سے وعدہ کیا کہ مغلیہ فوج کو شکست دینے کے بعد بہار کا علاقہ اسے واپس کر دیا جائے گا۔شیر شاہ اپنی جاگیر پہ واپس چلا آیا۔اس کے کچھ ہی دن بعد سلطان محمد اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ سہسرام پہنچا۔اب شیر شاہ جنگ میں عملی شمولیت سے پہلو تہی نہیں کر سکتا تھا ورنہ پہلے اس کا خیال تھا کہ وہ مغلوں سے نہیں لڑے گا مگر سلطان محمد خود اس کی جانب چلا آیا تھا۔

شیر شاہ نے سلطان محمد کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ بیش قیمت نذرانے پیش کئے۔ نیز امراء کا بھی شایان شان استقبال کیا اور انھیں بھی تحفے تحائف دیئے۔ بادشاہ نے چند روز سہسرام میں شیر شاہ کی مہمان نوازی کا لطف اٹھایا اور جونہی شیر شاہی دستے تیار ہو گئے یہ لشکر جونپور کی جانب بڑھا۔ مغل فوجی جون پور کا قلعہ چھوڑ کے بھاگ نکلے۔ سلطان محمد لودھی نے لکھنؤ اور مضافاتی علاقہ بھی اپنے قبضے میں لے لیا۔

عباس خان سروانی نے لکھا ہے:

"1530ء کے آخری نصف میں آگرہ کی ابتری اور سازشوں سے پٹھانوں کو ایک سنہری موقع ملا۔ ایک طرف تو بندھیل کھنڈ کے تباہ ہو جانے کے بعد ببّن اور بایزید نے قنوج اور جونپور سے لے کر دریائے گھاگھرا اور اس کے پار تک کے تمام علاقہ کو سلطان محمد کی حمایت میں ابھارا۔ دوسری طرف ہمایوں اپنی جاگیر سنبھل میں صبر کے ساتھ خاموش بیٹھا تھا۔ کیوں کہ میر خلیفہ اس کو تخت سے محروم رکھنے کیلئے متواتر سازشیں کر رہا تھا۔ افغانوں نے ایک کثیر فوج لے کر دریائے گنگا کو پٹنہ کے مقام پر عبور کیا اور نابالغ لوہانی حکمراں کو تخت سے ہٹا کر سلطان محمود لودھی اور اپنے لیے وہاں جگہ بنا لی۔ جب سلطان محمود بن سکندر لودھی بہار پہنچا تو شیر خاں میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ وہ ان سرداروں سے اپنی طاقت منوا لیتا کیوں کہ ان کے پاس ایک کثیر فوج تھی اور ان کے پیرووں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ اگرچہ شیر خاں سلطان محمود کے سامنے حاضر بھی ہوا لیکن افغانوں کو اس پر اعتماد نہ تھا۔ سلطان نے بہار کے علاقہ کو اپنے افغان سرداروں میں تقسیم کر دیا اور شیر خاں سے یہ کہا کہ جب جونپور کا علاقہ مغلوں سے چھین لیا جائے گا تو بہار کا علاقہ جو اس نے بنگالیوں کو ہرا کر اپنے قبضہ میں کر لیا ہے اس واپس کر دیا جائے گا۔

شیر خاں نے التجا کی کہ اگر بہار اس کو دینا ہی ہے تو اس کے متعلق ایک شاہی فرمان جاری کر دیا جائے۔ سلطان نے ایسا ہی کیا۔ شیر خاں بہار کے علاقہ کا شاہی فرمان لے کر اپنی جاگیر واپس لوٹ آیا اور اس نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ سلطان محمود نے بھی اپنی فوج کو تیار کیا اور جونپور کی جانب کوچ کر دیا۔ اس نے شیر خاں کو حکم نامہ بھیج دیا کہ وہ فوراً اپنی فوج لے کر آ جائے۔ شیر خاں نے سلطان کو یہ جواب دیا کہ جیسے ہی اس کی فوج پورے طریقہ سے مسلح ہو جائے گی وہ حاضر خدمت ہو جائے گا۔ جب سلطان کے امیروں کو اس خط کا علم ہوا تو انھوں نے سلطان کو بتایا کہ شیر خاں مغلوں سے ساز باز کر رہا ہے۔ وہ بادشاہ (محمود لودھی) کی مدد کیلئے نہیں آئے گا۔ عیاری اور بہانہ سازی اس کی فطرت ہے، حیلہ گری اور رُوباہی اس کا پیشہ، اس کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ اس کو ساتھ چلنے کیلئے مجبور کرنا چاہیے۔ اعظم ہمایوں فتح خاں سروانی نے عرض کیا:

''اس کو ساتھ لے کر چلنے کی ایک سہل ترکیب ہے۔ شیر خاں اس وقت اپنی جاگیر میں ہے۔ جہاں بھی وہ ہو ہمیں بھی اسی طرف اپنی فوج کا رخ کر دینا چاہیے۔ اس کی غیر حاضری کا اس سے تاوان وصول کرنا چاہیے۔ وہ ہم کو ایک شاندار دعوت دے اور وہاں سے ہمارے ساتھ چلے۔

اعظم ہمایوں کی اس تجویز سے سب امیروں نے اتفاق کیا اور سلطان کی فوج منزل بہ منزل کوچ کرتی ہوئی سہسرام پہنچ گئی یہاں شیر خاں موجود تھا۔ جب شیر خاں کو یہ علم ہوا کہ سلطان معہ اپنی فوج و امراء کے سہسرام آ رہا ہے اور وہ شیر خاں کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کرے گا تو وہ بہت

پریشان ہوا۔ اس نے اپنے بہی خواہوں اور رفیقوں سے کہا:
''اعظم ہمایوں فتح خاں اور مسند عالی عیسیٰ خاں وسروانی سرداروں نے میرے سب منصوبے خاک میں ملا دیے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ اس فوج کشی سے کچھ حاصل نہ ہوگا کیوں کہ امیر ایک دوسرے سے متفق نہیں ہیں اور بغیر اتحاد کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ ان سرداروں میں سب سے زیادہ فوج ببّن اور بایزید فارمولی کے پاس ہے۔ دلیری اور جاں بازی میں ان کا نام ہے لیکن عقل اور شعور کی ان میں کمی ہے۔ امورِ ملکی سے وہ بے بہرہ ہیں۔ میری دلی خواہش یہ تھی کہ جب ان کی فوجیں میرے علاقہ سے باہر ہو جائیں تو میں اس نازک کیفیت سے گلوخلاصی حاصل کرلوں اور پھر عذر و معذرت کرلوں۔ لیکن ان سروانی سرداروں کے ورغلانے سے سلطان محمود ادھر آ رہا ہے اب حیلہ و حوالہ سے کام نہیں چلے گا۔ اب مجھے ہر حال میں اس فوج کے ساتھ جانا ہی ہے۔ تم لوگ کوچ کیلئے اعلان کردو میں سلطان کے استقبال کیلئے جا رہا ہوں۔ میں اس کے ہم رکاب رہوں گا اور معافی مانگوں گا۔ تاکہ وہ مطمئن ہو جائے۔ تم ان کی مہمان نوازی کا سامان بھی فراہم کرلو۔

شیر خاں نے اس قسم کا انتظام کر دیا کہ ہر منزل پر ہر امیر کے رتبہ کے مطابق اس کو تحفہ جات و سوغات ملتے رہیں۔ اس نے سلطان کی خدمت میں بذات خود نذر پیش کی۔ سلطان چند روز شیر خاں کے ہاں قیام کرنے پر راضی ہو گیا۔ تاکہ اس دوران میں شیر خاں اپنی فوج کی تیاری مکمل کرلے۔ بعد ازاں سلطان نے شیر خاں کے ساتھ کوچ کیا اور جب جونپور کے نزدیک پہنچ گئے تو سلطان نے اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ یہ خبر سن کر مغل جونپور کا قلعہ خالی کر کے چل دیئے

سلطان نے کچھ روز جونپور میں قیام کیا اور فوج کو آگے بھیج دیا۔اس نے لکھنؤ اور اس کے قرب وجوار کے علاقہ کو فتح کرلیا۔''

بابر کی علالت کی خبر پر اس کے تمام رشتہ دار وہاں آن موجود ہوئے تھے ان میں مہدی خواجہ تھا جو بابر کا بہنوئی اور اس کی ہمشیرہ خانزادہ بیگم کا تیسرا شوہر تھا۔مہدی خواجہ کالپی کا گورنر بھی تھا۔ بابر کا داماد محمد زمان مرزا ابن سلطان حسین مرزا والئی ہرات بھی یہ خبر سن کر آگرہ پہنچ گیا۔محمد زماں سلطان بیگم بنت بابر کا شوہر تھا۔اس کے علاوہ بابر کا وزیر اعظم میر خلیفہ بھی وہاں موجود تھا۔

بابر کے انتقال کے بعد زمام اقتدار ہمایوں کے ہاتھ آ گئی۔ میر خلیفہ ہمایوں کے خلاف تھا مگر ایک واقعہ نے کایا پلٹ دی۔ ہوا یوں کہ محمد مقیم، مہدی خواجہ کے ساتھ انتظار گاہ میں بیٹھا ہوا تھا۔اسی دوران میر خلیفہ بھی وہاں تھا۔ جب وہ خیمے سے باہر گیا تو مہدی خواجہ نے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''اللہ نے چاہا تو سب سے پہلے تیری ہی کھال کھینچوں گا'' مہدی خواجہ کی نظر جب محمد مقیم پر پڑی تو اس نے اسے دھمکاتے ہوئے کہا کہ اگر اس نے کسی کو یہ بات بتائی تو اس کی خیر نہیں۔مگر اس نے فوراً یہ بات میر خلیفہ کو بتا دی۔ میر خلیفہ نے اس پر ہمایوں کو بلانے کیلئے قاصد روانہ کر دیا۔

مسٹر کالکا نے اس حوالے سے لکھا ہے:

''اس اثنا میں قریب المرگ بادشاہ بابر کے صدر مقام آگرہ میں اس کے بستر کے چاروں طرف سنسنی خیز واقعات رونما ہو رہے تھے۔ بابر کی مزاج پرسی کا بہانہ کر کے تمام مرزا آگرہ میں اکٹھے ہو گئے تھے ان میں سے کچھ خاص نام تھے مہدی خواجہ جو بابر کی ہمشیرہ خانزادہ بیگم کا شوہر اور کالپی کا گورنر تھا۔محمد زماں مرزا جو عالی مرتبہ تیموریہ سلطان حسین مرزا والی ہرات کا پوتا اور بابر کی دختر معصوم سلطان بیگم کا شوہر

تھا۔ بابر نے 1529ء میں اس کو سلطان جنید برلاس کی جگہ جونپور کا گورنر مقرر کیا تھا۔ میر خلیفہ وزیر اعظم جو تاریخ میں ''بادشاہ بنانے والا'' بننا چاہتا تھا اور اس وقت آگرہ کے حالات پر قابو پائے ہوئے تھا۔ شہزادہ ہمایوں جس کے متعلق میر خلیفہ اور دیگر مرزاؤں کی رائے اچھی نہیں تھی اس وقت پس پردہ تھا۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ آخری وقت میں محض ایک واقعہ نے ہمایوں کی ہاری بازی پلٹ دی۔ ایک روز اتفاقاً مؤرخ نظام الدین احمد کا والد خواجہ محمد مقیم ہروی میر خلیفہ اور مہدی خواجہ کے ساتھ انتظاری خیمہ میں موجود تھا۔ میر خلیفہ کے چلے جانے کے بعد مہدی خواجہ خود کلامی میں مشغول ہو گیا اور داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے میر خلیفہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ''انشاء اللہ سب سے پہلے تیری ہی کھال اتاری جائے گی۔'' ادھر جب مہدی خواجہ نے محمد مقیم کو خیمہ میں دیکھا تو اس نے کان پکڑ کر یہ تاکید کی کہ اگر اس نے اس بات کا کسی سے باہر ذکر کیا تو اس کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ لیکن محمد مقیم پر اس دھمکی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ فوراً میر خلیفہ کے پاس پہنچا اور تمام واقعہ اس کے گوش گذار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میر خلیفہ نے فوراً پینترا بدل دیا اور اس نے ہمایوں کو بلانے کیلئے اپنا قاصد سنبھل بھیج دیا۔ 26 دسمبر کو بابر کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ہمایوں اپنے والد کے انتقال کے بعد آگرہ پہنچا جہاں 4 دن بعد 30 دسمبر 1530ء کو اس کی تاج پوشی کی رسم ادا ہوئی۔''

نصیر الدین ہمایوں، اپنے والد کے انتقال کے بعد آگرہ پہنچا۔ 30 دسمبر 1530ء میں اس کی تاجپوشی کی رسم ہوئی۔ عنان اقتدار سنبھالنے کے بعد ہمایوں جاگیر کی نئے سرے سے تقسیم اور دیگر امراء سے معاہدوں و صلح جیسے امور میں مشغول ہو گیا۔ اس دوران کامران مرزا

نے کابل، قندھار اور ملتان تک کے علاقے پر تسلط جما لیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر ہمایوں نے یہ علاقے اسی کو بطور انعام دے دیئے اور عسکری مرزا کو سنبھل کی جاگیر اور ہندال مرزا کو الور کی ریاست سونپ دی۔ نیز اس نے محمد سلطان مرزا اور محمد زماں مرزا کو بھی معاف کر دیا جو اس کی سلطنت میں انتشار پسندانہ کارروائیاں کر چکے تھے۔

عین اسی وقت ہمایوں کو یہ تشویشناک خبر ملی کہ ببن اور بایزید گور سے مغلوں کی جانب پیش قدمی کر رہے ہیں۔ ہمایوں نے بھی فی الفور لشکر تیار کیا۔ اس لشکر محمد سلطان مرزا اور محمد زماں مرزا کے علاوہ عسکری مرزا بھی شامل تھے۔

اگست 1531ء میں مغلیہ فوج نے آگرہ سے کابل کا رخ کیا۔ اس فوج کی اگلی منزل جونپور تھی اس وقت ببن اور بایزید نے اپنے سپاہیوں کو دریائے گومتی اور سرجو کے کناروں پہ وسیع علاقوں میں پھیلا رکھا تھا۔ لکھنو کے نزدیک دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ جنگ کا آغاز چھوٹی موٹی جھڑپوں سے ہوا۔ مبارزت طلبی میں بہادر اپنی انفرادی شجاعت کے مظاہرے کرنے لگے۔ مغل، افغانوں سے لڑ رہے تھے۔ مارنے والے اور مرنے والے دونوں مسلمان تھے ناعاقبت اندیشی کی پٹیاں ان کی آنکھوں پر منڈھی ہوئی تھیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے امریکہ نے جب افغانستان میں آگ اور بارود کا عبرتناک کھیل شروع کیا تو افغان آپس میں دست وگریباں تھے۔ اتحادی فوجوں نے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا دی مگر کرد مسلمان فتح کے جشن منا رہے تھے۔

شیر شاہ صورت حال سے سخت پریشان تھا۔ اسی دوران باقاعدہ لڑائی شروع ہوگئی۔ مغلوں کا پلہ ابتداء ہی سے بھاری تھا۔ جب افغان پسپا ہونے لگے تو شیر شاہ نے بربنائے مصلحت اس جنگ سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

اس جنگ کا نام دوراہا اس لئے رکھا گیا کہ یہ جنگ دو شاہراؤں کے سنگم پر لڑی گئی تھی اور ہمایوں نے دونوں راستے بند کر کے افغانوں کے لئے مشکل کھڑی کر دی تھی اور افغانوں کو گوریلا طریق جنگ کی بجائے کھلے میدان میں لڑنا پڑا اور انھیں شکست ہوئی۔ دوراہا کا

نام ''دہردہ'' ہے جو دریائے گومتی کے کنارے جونپور سے بجانب شمال 48 میل ہے اور 82.20 طول بلد اور 20.30 عرض بلد پر واقع ہے۔

اس اثناء میں ابراہیم خاں یوسف لودھی بڑی بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ بایزید فارمولی بھی معرکہ آرائی میں کام آگیا۔ اس صورت حال میں سلطان محمد لودھی نے دل برداشتہ ہو کر تاج وتخت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ آخری وقت تک ریوا میں رہا اور وہیں اس کا انتقال ہوا۔

اس بات کے شواہد بھی ملتے ہیں کہ یہ لڑائی ''دوراہا'' کے مقام پر ہوئی تھی۔ اس لئے اسے لکھنو کی لڑائی یا جونپور کو فتح نہیں کہا جا سکتا دراصل لکھنو کے مقام پر بھی جھڑپیں ہو گئی تھیں اور اس مقام پر محمد سلطان مرزا نے غیر منظم افغانوں کو شکست سے ہمکنار کر دیا دوراہا کا نام بعد ازاں دہردہ ہو گیا۔

دوراہا کی لڑائی پانی پت کی لڑائی کے بعد دوسری خوفناک وخونریز لڑائی ثابت ہوئی اس لڑائی میں سلطان مرزا اور محمد زماں مرزا نے بھی کلیدی کردار ادا کیا اور افغانوں کے راہ فرار کی ناکہ بندی کر لی۔ لڑائی کے اختتام پر ہمایوں نے انھیں بہار اور لکھنو کا گورنر بنا دیا۔

علاقہ اودھ پر گل چہرہ کے شوہر سردار تخت بغا چغتائی کو مقرر کیا گیا اودھ چونکہ بہار اور قنوج کے درمیان واقع تھا اس لیے محمد زماں مرزا اور سلطان پر بخوبی نظر رکھی جا سکتی تھی۔

شیر شاہ نے اس جنگ میں حصہ لینے سے پہلو تہی کی اور مغلوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔

مسٹر کالکا رنجن نے اس حوالے سے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

''شیر خاں جانتا تھا کہ افغانوں میں اتحاد نہیں ہے اور ہر سردار اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رہا ہے لہٰذا اس نے ہندو بیگ کے پاس یہ پیغام بھیجا:

'میں وہ ہوں جسے مغلوں نے خاک سے اٹھا کر سرفراز کیا۔ میں بدرجہ

مجبوری سلطان محمود کے ساتھ ہوں لیکن لڑائی کے میدان میں کوئی ہتھیار نہیں اٹھاؤں گا اور میں ہی افغان فوج کی شکست کا باعث بنوں گا۔

جب ہندو بیگ نے شیر شاہ کے اس خط کو ہمایوں کے سامنے پیش کیا تو بادشاہ نے شیر شاہ کے نام ایک فرمان جاری کر دیا کہ وہ سلطان محمود کے خیمہ میں رہنے کی وجہ سے پریشان نہ ہوا گر اس نے بادشاہ کے کام میں مدد کی تو اس کا مرتبہ اور بلند کر دیا جائے گا۔

چند روز کی صف آرائی کے بعد با قاعدہ جنگ شروع ہوگئی۔ جنگ کے وقت شیر شاہ اپنی فوج لے کر اپنے راستے چل دیا۔ سلطان محمود لودھی کو بری طرح مات ہوئی۔ حالاں کہ ابراہیم خاں یوسف خیل لودھی اس جنگ میں نہایت شجاعت و دلیری سے لڑا۔ اس نے ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیا یہاں تک کہ لڑتے لڑے ہی اس نے دم توڑا۔ میاں بایزید فارمولی بے حد شراب پی کر بدمست و بدحواس ہو گیا تھا اسی عالم بے خبری میں وہ مارا گیا۔ سلطان محمود اور دیگر امیر سردار مغلوب ہو کر بہار واپس لوٹ گئے۔ سلطان کے پاس نہ تو اب خزانہ تھا نہ جاگیر جس سے فوج کو مسلح کرتا۔ جن امیروں نے اسے تخت پر بٹھایا تھا ان میں سے بیشتر لکھنؤ کی جنگ میں کام آ چکے تھے۔ باقی ماندہ افغان باہمی بغض و نفاق کا شکار ہو کر تتر بتر ہو گئے۔ چوں کہ اس میں افغانوں کی مخالفت کی تاب نہ رہی اس لئے اس نے تخت و تاج سے استعفیٰ دیا اور پٹنہ (ریوا) میں سکونت اختیار کر لی۔ اس کے بعد اس نے اپنے آخری وقت تک کبھی تخت و تاج کا خواب نہیں دیکھا۔ اس کی وفات 949 ہجری میں ہوئی۔‘‘

باب ۲۳

قلعہ چنار کا مطالبہ

ہمایوں نے میر ہندو بیگ کو شیر شاہ کے پاس بھیج کر مطالبہ کیا کہ شیر شاہ چنار کا قلعہ اس کے حوالے کر دے۔ شیر شاہ نے کچھ وقت حاصل کرنے کیلئے مذاکرات کا سلسلہ شروع کر دیا اس دوران میں شیر شاہ نے افغانوں نہ صرف جنگ کیلئے تیار کر لیا بلکہ اس نے انھیں حکم دیا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو جھارکھنڈ اور روہتاس کے کوہستانی علاقوں کی طرف محفوظ مقامات پر چھوڑ آئیں۔

شیر شاہ نے چنار کی مقامی آبادی کو بھی جھارکھنڈ کے جنگلات میں مقیم ہونے کا حکم دیا۔ قلعہ چنار کی حفاظت کیلئے شیر شاہ نے اپنے بیٹے جلال خاں کو مقرر کیا۔ اس کا ایک اور فوجی دستہ بھی تھا جو جلال خاں بن جولو کے زیر کمان تھا۔

''شیر شاہ سوری اور اس کا عہد'' میں لکھا ہے:

> ''اس اثنا میں شہنشاہ ہمایوں نے میر ہندو بیگ کو شیر شاہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ چنار کے قلعہ کو با مصالحت و رضا مندی اس کو سونپ دے۔ شیر خاں کو اس اقدام کی پہلے سے ہی توقع تھی۔ چنانچہ وہ جلد ہی چنار واپس لوٹ آیا تھا۔ وہ کسی بھی قیمت پر چنار کے قلعہ کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا۔ وہ ارادتاً ہندو بیگ کے ساتھ صلح کی گفت وشنید کو طول دیتا رہا۔ تا کہ اس دوران میں وہ اپنی تیاریاں مکمل کر لے۔ ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ اس نے افغانوں کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو میدانی علاقہ سے ہٹا کر پہاڑی علاقہ میں لے جائیں اور روہتاس وجھارکھنڈ (ضلع مرزاپور) کے دشوار گذار جنگلات میں جا کر پناہ لیں۔ اس نے چنار کی تمام شہری آبادی کو شہر خالی کرنے اور جھارکھنڈ کے جنگلات میں جا کر بسنے کا حکم دیا اور قلعہ کی حفاظت کیلئے ایک فوجی دستہ اپنے دوسرے لڑکے جلال خاں اور ایک فوجی دستہ جلال جہاں بن جولو (جلال خاں جلوانی) کی کمان میں مقرر کر دیا۔ ہمایوں نے اپنے چند سرداروں کو چنار کے قلعہ کا محاصرہ کرنے کیلئے پہلے سے ہی روانہ کر دیا تھا۔"

ہمایوں نے کچھ سرداروں کو ہراول کے طور پر روانہ کیا تاکہ وہ جا کر قلعہ چنار کا محاصرہ کرسکیں۔ نومبر 1531ء میں ہمایوں خود بھی چنار کے قلعے کو فتح کرنے کیلئے آن پہنچا۔ قلعے پر حملہ کر دیا گیا۔ جلال خاں نے اس حملے کا پوری شدت سے جواب دیا اور تابڑتوڑ حملوں سے مغلوں کو پیچھے ہٹا دیا۔

قلعہ چنار کو فتح کرنا آسان نہیں تھا۔ اس کیلئے ضروری تھا کہ دریائے گنگا سے کشتیوں کے ذریعے قلعہ کی سپلائی بند کر دی جائے۔ اس وقت شیر شاہ بھی مغلوں کی فوج سے تھوڑے ہی فاصلہ پر موجود تھا۔

اسی اثناء میں ہمایوں کو علم ہوا کہ مالوہ میں بہادر شاہ گجراتی آگرہ پہ قبضہ کرنے کا پروگرام بنا رہا ہے۔ اس سے ہمایوں تشویش کا شکار ہو گیا۔ اس وقت شیر شاہ نے بھی ایک قاصد بھیج کر صلح کی پیشکش کی۔

شیر شاہ نے کہا اگر ہمایوں صلح کر لے تو شیر شاہ اپنے بیٹے عبدالرشید (قطب خاں) کو 500 سواروں سمیت اس کے ساتھ بھیج دے گا۔ ہمایوں نے شیر شاہ کو جواب دیا کہ وہ جلال خاں کو اس کے ساتھ بھیجے مگر شیر شاہ نے صاف انکار کر دیا۔ بہر کیف دونوں میں صلح کا معاہدہ

طے پا گیا۔ دسمبر 1531 میں ہمایوں واپس لوٹ گیا۔ ہمایوں کے اس طرح واپس لوٹ جانے سے افغانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور شیر شاہ کے وقار میں بھی اضافہ ہو گیا۔

قلعہ چنار پر حملے سے اس بات کا علم بھی ہوتا ہے کہ اگر شیر شاہ نے جنگ دورا ہا میں مغلوں کی حمایت کی ہوتی تو وہ اس پر حملہ نہ کرتے۔ اس واقعہ نے اسے افغانوں کا ہیرو بنا دیا۔

باب ۲۴

شیر شاہ اور مخدوم عالم کا معاہدہ

جب دودو بیگم کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا جلال کمسن تھا جبکہ لوہانی شیر شاہ کو اس کی طاقت و اقتدار سے ہٹانے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ سلطان محمود لودھی کی واپسی اور مغلوں کی تند و تیز یورش نے انھیں شیر شاہ کی حمایت پر مجبور کر دیا تھا۔

جب دریائے گھا گھرا تک مغلوں کا قبضہ مستحکم ہو گیا تو مخدوم عالم بھی خدشات میں گھر گیا۔ اس وقت نصرت شاہ ایک طرح سے خلوت نشین ہو چکا تھا اور اس ولی عہد بھائی عبدالبدر محمود اور نصرت شاہ کا سالا مخدوم عالم اقتدار کیلئے رسہ کشی میں مشغول تھے۔

چونکہ شیر شاہ اور مخدوم عالم مغلوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف تھے اس لیے دونوں نے آپس میں فوجی و دفاعی تعاون کا معاہدہ کر لیا۔

کتاب ''شیر شاہ سوری اور اس کا عہد'' میں لکھا ہے:

''کمسن جلال کی والدہ دودوؔ کے انتقال کے بعد لوہانی سردار اور بھی سرکش ہو گئے ان کے اور شیر خاں کے تعلقات میں کشیدگی ہو گئی۔ لیکن سلطان محمود کی آمد نے جو دونوں کیلئے مشترکہ مصیبت تھی کچھ عرصہ کیلئے باہمی بغض و نفاق کو مٹا دیا۔ جب یہ طوفان ختم ہوا تو لوہانی سرداروں کو شیر خاں کی مدد و رہنمائی کی اشد ضرورت پڑی۔ علاقہ میں امن و امان قائم رکھنے اور مغل گورنر زماں مرزا کو باہر رکھنے میں وہ شیر خاں کی مدد کے محتاج تھے۔ چنانچہ اوائل 1534ء میں ہی انھوں نے شیر خاں کو دوبارہ نائب گورنر بنا دیا۔ لیکن سال کے آغاز سے ہی یہ ظاہر ہونے لگا

کہ شیر خاں کے دن امن و امان سے نہ گذریں گے۔ بنگال کی سلطنت پر فکر و پریشانی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سلطان نصرت شاہ مغلوں کے خوف سے نجات پا کر عیاشی و نفس پرستی میں مشغول ہو گیا اور سلطنت کے مستقبل سے بے نیاز۔ اس کے چھوٹے بھائی عبدالبدر محمود جس کو اس نے اپنے تخت کے وارث ہونے کا اعلان کر دیا تھا اور مخدوم عالم میں وراثت کے مسئلہ کو لے کر رسہ کشی شروع ہو گئی۔ مخدوم عالم دریائے گنگا کے شمالی کنارے پر بلیا سے تربت تک کے تمام علاقہ پر بہ حیثیت گورنر نصرت شاہ قابض تھا۔

1531ء میں ہمایوں نے مشرقی صوبہ جات کے خلاف جو فوج کشی کی تھی اس سے اس خطہ میں مغلوں کی طاقت میں اضافہ ہو گیا اور مخدوم عالم کو اپنے عقب میں دریائے گھاگرہ کی جانب سے خدشہ پیدا ہو گیا۔ مغلوں کی طاقت و اقتدار میں اضافہ ہونا شیر خاں کیلئے مستقل خطرہ کی ایک گھنٹی تھی۔ چنانچہ اس مشترکہ غنیم کے خوف نے دونوں جاہ طلب حوصلہ مند سرداروں کو متحد کر دیا۔ دونوں کے آقا کمزور تھے لہٰذا دونوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ ایک دوسرے کے ذاتی مقاصد کی تکمیل میں مدد کریں گے۔ لوہانی سرداروں کو مخدوم عالم اور شیر خاں کا اتحاد پسند نہ آیا کیوں کہ وہ مخدوم عالم کو آنے والے زمانہ میں شیر خاں کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے۔ لیکن شیر خاں کی قسمت برابر اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ ببّن اور بایزید کے انتقال کے بعد افغانوں میں سراسیمگی کا عالم تھا۔ بہت سے افغان معہ اہل وعیال اور مال ومتاع کے ساتھ یا تو بنگال کی جانب بھاگ رہے تھے یا بندھیل کھنڈ کے جنگلوں میں پناہ گزیں ہو رہے تھے۔"

باب ۲۵

بی بی فتح ملکہ کی معاونت

بی بی فتح ملکہ معروف امیر فارمولی کی اکلوتی دختر تھی جو سلطان بہلول لودھی کا بھانجا تھا۔اس کی شادی میاں محمد فارمولی سے ہوئی تھی۔اس کو جہیز میں بہت سا سونا ملا تھا۔اس وقت وہ ایک ضعیف العمر بیوہ کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہی تھی۔اس نے اپنا نصف سونا شیر شاہ کو دے دیا جس سے شیر شاہ نے ایک اور افغانی رسالہ تیار کیا۔شیر شاہ سوری کا بیٹا جلال خاں سوری فتح ملکہ کے بھائی نعمت اللہ ''نیا موٗ'' کی دختر مہر سلطان سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ چونکہ نیا مو فتح ملکہ کے والد کا متبنیٰ تھا اس لئے اس کی جائیداد کی وارث مہر سلطان تھی۔شیر شاہ سوری نے اپنے بیٹے کو اس غرض سے اس شادی کی اجازت نہ دی تا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اس نے یہ شادی دولت کے لالچ میں کی ہے۔

عباس نے لکھا ہے:

''بی بی فتح ملکہ کے زر سے ایک فوج فراہم کر کے اس نے بنگال کے علاقہ پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اور گڑھی تک کے کل اضلاع اپنے تصرف میں کر لیے۔''

عباس نے لکھا ہے:

''جب مستعفی کا چھوٹا بھائی بایزید فارمولی سلطان محمد لودھی کے ہم رکاب مغلوں سے جنگ کرنے گیا تھا تو بہار میں مستعفی فارمولی کی بیوہ

بی بی فتح ملکہ اپنی جوان بھتیجی مہر سلطان کے ساتھ رہ گئی تھی۔ اس کو اپنے والد اور شوہر سے کثیر دولت ورثہ میں ملی تھی۔ اس نے اپنی دولت کا ایک حصہ بایزید کی حب الوطنی کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں صرف کیا۔ بایزید کی وفات کے بعد اس نے اپنے متعلقین اور دولت کو بہار کے جنگلوں میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ اس کا آخری نصب العین بندھیل کھنڈ کے بھاٹا ریوا علاقہ میں جانا تھا۔ یہاں سلطان محمود اپنے ایک دوست ہندو راجا کے یہاں زندگی کے باقی ماندہ دن خلوت میں بسر کر رہا تھا۔ شیر خاں نے بی بی فتح ملکہ کو اس مخدوش قدم اٹھانے سے روکنے کی کوشش کی اور اس کو بتایا کہ بندھیل کھنڈ کی جانب جانا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ اس نے ملکہ کو یہ بھی یقین دلایا کہ وہ اس کی ہر ممکن طریقہ سے حفاظت کرے گا اور اس کی آزادی عمل اور دولت میں کوئی رخنہ اندازی نہیں کرے گا۔ فارمولی اور لودھی قبیلہ کے دیگر افغانوں کو بھی اس نے اپنے یہاں ملازمت کرنے کی ترغیب دی اور اس طرح پورا سال لوہانیوں سے بغیر کسی مخالفت کے گزر گیا۔''

سلطان نصرت شاہ کو دسمبر 1532ء (939 ہجری) میں کسی نے قتل کر دیا۔ اس کا وارث فیروز اس وقت نابالغ تھا اور اپنے چچا عبدالبدر کے زیر اثر تھا جس نے نصرت شاہ کے دوران حیات ہی سلطان بدر شاہ کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ مشرقی بنگال کے کچھ حصے بھی اس کے زیر تصرف تھے۔ جہاں 1536ء میں اس نے اپنے نام کے سکے بھی جاری کیے تھے۔ مخدوم عالم کے علاوہ باقی ماندہ سردار اسے نصرت شاہ کا جانشین مانتے تھے۔ مخدوم عالم کا صدر مقام حاجی پور تھا جو آج کے پٹنہ شہر کے مقابل ہے۔ 1526ء میں دریائے گھاگرہ کے کنارے بابر کی فوج سے کامیاب ٹکر لینے کے بعد اس کی عظمت و رتبہ میں اضافہ ہو گیا تھا۔ نصرت کے انتقال کے بعد اس نے علاؤالدین فیروز کو گوڑ کے تخت پر بٹھا دیا جسے تین ماہ میں ہی چچا محمد شاہ

نے قتل کر دیا تھا۔ اس نے شیر خاں کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی فوج کے ہمراہ آ کر اس سے ملے اور اپنا تمام خزانہ بھی گھا گرہ کے اس پار شیر خاں کی نگرانی میں بھیج دے۔ شیر شاہ نے مخدوم عالم سے یہ کہہ کر معذرت کی کہ وہ اس وقت لوہانیوں کی دشمنی کی وجہ سے بہار نہیں چھوڑ سکتا۔ تاہم اس نے ایک فوج میاں ہنسو کی کمان میں روانہ کر دی۔

عباس خان سروانی نے لکھا ہے:

''قصہ کوتاہ شیر خاں نے میاں ہنسو کو مخدوم عالم کی مدد کیلئے بھیجا۔ مخدوم عالم نے اپنا سارا مال و متاع شیر خاں کی تحویل میں بھیج دیا اور کہلوا دیا کہ اگر جنگ میں فتح نصیب ہوئی تو اپنی تمام چیزیں واپس لے لے گا۔ فی الحال یہ سب تمہارے پاس زیادہ محفوظ رہیں گی۔ جب مخدوم عالم جنگ میں ہلاک ہو گیا اور میاں ہنسو زندہ واپس آ گیا تو تمام مال شیر خاں کے ہاتھ لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میاں ہنسوٗ شیر خاں اور لوہانیوں کے درمیان مخاصمت پیدا ہو گئی اور روز بروز جھگڑا اس حد تک پہنچ گیا کہ لوہانی شیر خاں کو قتل کرنے کی سوچنے لگے۔''

سلطان محمد شاہ نے اس کے بعد لوہانی علاقہ پر حملہ کیا جس کا محرک شیر شاہ اور مخدوم عالم کا اتحاد تھا۔

باب ۲٦

بنگالی لشکر کا حملہ

بنگال کی فوج نے یہ حملہ جون 1533ء میں کیا تھا جس کا پس منظر یہ تھا کہ جب بنگال میں نصرت شاہ قتل ہو گیا تو مخدوم علی نے اس کے بیٹے علاؤالدین فیروز شاہ کو تخت نشین کر دیا اور خود اپنا خزانہ شیر شاہ کے پاس امانتاً بھیج دیا کیوں کہ اسے علم تھا کہ اب بنگال کی سیاسی بساط پر کئی خونریز کارروائیاں ہوں گئیں۔ فیروز کے بعد اس کا بھائی غیاث الدین محمد شاہ تخت نشین ہو گیا۔ فیروز شاہ کو اس کے چچا محمد شاہ نے تخت نشین ہونے کے محض تین ماہ بعد ختم کر دیا تھا۔ اس سے قبل مخدوم عالم اور محمد شاہ کے درمیان ایک خوفناک تصادم ہوا جس میں مخدوم عالم مارا گیا تھا۔

بنگال میں سلطان محمود شاہ نے فیروز اور مخدوم عالم کو ختم کرنے کے بعد شیر شاہ پر یلغار کا منصوبہ بنایا۔ مونگیر میں قطب خاں شیر شاہ پر حملے کیلئے لشکر تیار کر دیا تھا۔ شیر شاہ کیلئے یہ صورت حال خاصی تشویشناک تھی اس نے بنگال کے سلطان سے پیغامات کا تبادلہ کیا اور اسے کہا کہ وہ جلال خاں کی سلطنت پر غاصبانہ قبضہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ شیر شاہ نے اسے پرانے روابط کا بھی واسطہ دیا مگر یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ اسی دوران میں قطب خاں نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ سرحد عبور کر کے بہار کا رخ کیا۔

شیر شاہ نے بھی فی الفور فوج بھرتی کی اور قطب خاں کے راستے میں ایک مضبوط دیوار بن کر حائل ہو گیا۔ شیر شاہ پہلے تو قطب خاں سے آنکھ مچولی کھیلتا رہا۔ وہ قطب خاں کے

لشکر کے سامنے آتا اور دور ہی رہ کر واپس ہو جاتا اس کے اس طرز عمل سے قطب خاں اس خوش فہمی کا شکار ہو گیا کہ شیر شاہ اس سے خائف ہے۔ مگر ایک دن شیر شاہ نے اپنی فوج کو منظم کیا اور چشم زدن میں قطب خاں کے لشکر پر ٹوٹ پڑا۔

عبداللہ نے تاریخ داؤدی میں لکھا ہے:

''شیر خاں اور اس کے افغان سرداروں نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ بالترتیب کھلے میدان میں آ کر بنگال کے قطب خاں جیسے قوی دشمن کی فوج سے زور آزمائی نہ کریں گے۔ چنانچہ انھوں نے غیر مسلسل حملوں سے قطب خاں کی فوج کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ جس سمت بھی بنگال کی فوج پیش قدمی کرتی شیر خاں کے سپاہی گھوڑوں پر سوار تیار اور باخبر نظر آتے ایک روز شیر خاں میدان میں آیا لیکن دور ہی دور قطب خاں کی فوج کے زیر نگاہ سامنے کوچ کرتا رہا۔ کئی روز اس طور پر گذر گئے اور لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ قطب خاں کو یقین ہو چلا کہ شیر خاں میں اس سے مقابلہ کرنے کی قدرت نہیں لہٰذا بہتر یہ ہوگا کہ اسے بہار کی سرحد سے ہی باہر کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ متواتر شیر خاں کا پیچھا کرتا رہا۔ جب شیر خاں ایک منزل آگے بڑھ جاتا تو سلطان کی فوج بھی ایک منزل آگے آ جاتی۔''

{تاریخ داؤدی، عبداللہ}

شیخ اسماعیل سوری اور گکھڑ سردار حبیب خان بھی اس کے ساتھ تھے حبیب خان گکھڑ ایک بہترین قدر انداز تھا اس نے تاک کر تیر چھوڑا جو سیدھا قطب خاں کے جا لگا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ دیکھتے ہی اس کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور شاندار فتح کے ساتھ ساتھ ایک قیمتی، خزانہ، ہاتھی اور توپ خانہ بھی شیر شاہ کے ہاتھ لگا۔

اس فتح کی خوشی میں شیر شاہ نے اسماعیل سوری کو ''شجاعت خاں'' اور حبیب خاں

گکھڑ کو ''سرمست خاں'' کا خطاب دیا۔

اس معرکے میں بہت سامال غنیمت بھی ہاتھ آیا جسے شیر شاہ نے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ اب سورج گڑھ تک کا تمام علاقہ شیر شاہ کے زیر نگیں آ گیا۔ یہ لڑائی 1533ء وسط میں لڑی گئی۔

باب ۲۷

شیر شاہ کے خلاف سازش

لوہانی سردار شیر شاہ کی کامیابیوں سے پریشان تھے اور اب اس سے نجات پانا چاہتے تھے اس کیلئے انھوں نے شیر شاہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر ان کیلئے مشکل یہ تھی کہ شیر شاہ جس طرف بھی جاتا تھا کم وبیش چار سو جانباز اس کے آگے پیچھے باڈی گارڈ بن کر چلتے تھے۔

قطب خاں کی شکست سے لوہانی سرداروں کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی اور انھیں شیر شاہ ہمیشہ کیلئے اپنے سروں پہ مسلط نظر آ رہا تھا۔ جلال خاں اب شباب کی دہلیز پہ پاؤں رکھ رہا تھا وہ چاہتے تھے کہ جلال خاں، شیر شاہ کے اثر سے نکل کر خود مختار حاکم بن جائے۔

اب کے لوہانیوں نے ایک نئی سازش کے تانے بانے بنے اور یہ منصوبہ بنایا کہ شیر شاہ کو خبر دی جائے کہ جلال خاں بیمار ہے اس لئے وہ فوراً آئے جب شیر شاہ، جلال خاں سے ملنے آئے گا تو اسے ایک دروازے سے نکل کر دوسرے دروازے کی طرف جانا پڑے گا اس اثنا میں چھپے ہوئے شمشیر زن اس کا کام تمام کر دیں گے۔

جب یہ منصوبہ بن رہا تھا تو اس وقت وہاں شیر شاہ کے خیر خواہ بھی موجود تھے انھوں نے لوہانیوں کی اس خطرناک سازش سے شیر شاہ کو آگاہ کر دیا۔ جب شیر شاہ کو جلال خاں کی مصنوعی علالت کی اطلاع ملی اس نے ٹال مٹول سے کام لیتے ہوئے کافی دن گذار دیے اور اس دوران بڑی تنخواہوں کی پیشکش کر کے اپنی فوجی طاقت میں دگنا اضافہ کر لیا۔ اب لوہانی شیر شاہ کی طاقت سے ٹکر نہیں لے سکتے تھے۔

جب شیر شاہ نے محسوس کیا کہ اب وہ لوہانیوں کا سامنا کرسکتا ہے۔تو اس نے جلال خاں کو لکھا:

''السلام علیکم! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حاکم بنگال آپ کے خلاف فوج کشی اور بہار پر قبضہ کا ارادہ رکھتا ہے۔لوہانی اس وقت تین قسم کے لوگوں پر مشتمل ہیں۔وہ لوگ جنھیں آپ نے جاگیریں دی ہیں۔اور وہ نہایت خوشحال ہیں ان کی نظریں اب نئے مقبوضہ اضلاع پر ہیں۔میں آپ کا خیر خواہ ہوں اور میرا مشورہ ہے۔کہ آپ اس دولت وجاگیر سے ایک نئی فوج تیار کر کے اپنی طاقت میں اضافہ کریں۔اس وجہ سے لوہانی امراء مجھ سے خفا ہیں اور مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔

اگر آپ مجھے اپنا مخلص سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں آپ کی بھلائی کیلئے کر رہا ہوں تو لوہانیوں کو تاکید کر دیں کہ وہ میرے بارے میں اپنے ذہنوں سے شکوک وشبہات نکال دیں اور مجھے نقصان پہنچانے سے باز رہیں۔

آپ کو ان کی شکایت پر غور نہیں کرنا چاہیے اور ان کے مشوروں پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔آپ اچھی جانتے ہیں کہ سوری قبیلہ کی تعداد لوہانی قبیلہ سے بہت ہی کم ہے۔آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر کسی افغان کے چار بھائی دوسرے سے زیادہ ہوتے ہیں تو وہ دوسروں کو قتل کرنے اور خون ریزی سے نہیں چوکتا۔اس لئے براہ کرم آپ مجھے اپنے محل میں طلب نہ فرمائیں اگر آپ ضروری خیال کرتے ہیں تو مجھے اپنا محافظ دستہ ساتھ رکھنے کی اجازت دیں۔''

عباس کے الفاظ میں:

’’آپ بخوبی جانتے ہیں کہ بنگال کا بادشاہ آج یا کل آپ کے خلاف فوج کشی کی راہ دیکھ رہا ہے تا کہ وہ بہار پر قبضہ کرے۔لوہانیوں میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ پہلے وہ جن کو آپ نے جاگیریں بخشی ہیں اور وہ فراغت اور آسودگی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ ان اضلاع کی طرف آنکھ لگائے ہیں جن پر آپ نے حال میں ہی قبضہ کیا ہے میں آپ کا خیر خواہ ہوں اور مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ اس روپیہ اور جاگیر کی مدد سے نئی فوج بھرتی کریں۔تا کہ ہماری طاقت اس قدر مضبوط ہو جائے کہ دشمن کے حوصلے ہماری فوج کو دیکھ کر پست ہو جائیں اسی لئے وہ (یعنی لوہانی سردار) میرے خلاف شاکی ہیں اور مجھے نقصان پہنچانے کے کوشاں ہیں۔اگر آپ مجھے اپنا خیر خواہ سمجھتے ہیں اور آپ کو یقین ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں آپ ہی کی بھلائی کیلئے ہے تو آپ لوہانیوں کو تاکید کر دیں کہ میرے متعلق آپ کے خیالات پراگندہ نہ کریں اور مجھے ضرر پہنچانے کے منصوبے نہ بنائیں۔نہ آپ کو ان کی شکائتوں پر غور کرنا چاہیے اور نہ ان کے کہنے کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔آپ یہ بھی بخوبی جانتے ہیں کہ افغانوں کی یہ خصلت ہے کہ اگر کسی افغان کے چار بھائی کسی دوسرے افغان سے زیادہ ہوتے ہیں تو وہ دوسروں کو قتل کرنے اور توہین کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ براہِ کرم آپ مجھے اپنے محل کے اندرونی حصہ میں طلب نہ کریں اور اگر آپ مجھے طلب ہی کریں تو مجھے اپنے ساتھ حفاظتی دستہ رکھنے کی اجازت دیں۔‘‘

اس کے جواب میں جلال خاں نے اپنے استاد کو قسم کھا کر یقین دلایا کہ اس کے دل میں شک وشبہ ہے اور وہ شیر شاہ کے خلاف کسی سازش میں شریک نہیں ہے۔مگر حقیقت یہ تھی کہ

اب شیر شاہ اور لوہانیوں کے مابین فاصلہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

شیر شاہ نے جلال خاں کو یہ بھی تجویز پیش کی کہ وہ تمام لوہانی سرداروں کی ڈیوٹی لگائے کہ وہ بھی اگلے محاذ پر دشمن کے مقابلے کیلئے جائیں۔ جلال خاں نے لوہانی سرداروں سے مشاورت کے بعد شیر شاہ کو طلب کر کے حکم دیا کہ وہ اپنی جاگیر چلا جائے۔ مال گذاری وصول کرے اور اس کے ساتھ ساتھ مغلوں پر بھی نظر رکھے۔

دسمبر 1533ء میں شیر شاہ اپنے شاگرد سے رخصت ہو کر اپنی جاگیر میں چلا گیا۔ جاتی دفعہ جلال خاں نے اسے ایک خلعت بیش بہا اور ایک اعلیٰ نسل کے گھوڑے سے بھی نوازا۔

لوہانیوں نے جلال خاں سے کہا تھا کہ بنگالی فوج کا وہ خود مقابلہ کر لیں گے شیر شاہ کے ساتھ اس کے تنخواہ دار اور وفادار فوجی بھی چلے آئے۔ شیر شاہ نے بہار کو ہر حال میں تحفظ دیا تھا اور کبھی جلال خاں کی سرپرستی سے غافل نہیں ہوا تھا۔

اگر شیر شاہ نہ ہوتا تو بہار کی ریاست کا نام ونشان تک مٹ جاتا۔ مگر شیر شاہ نے اپنا فرض بطریق احسن نبھایا اور بہار کے تحفظ کیلئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ چھوڑا۔ شیر شاہ اپنے ماتحت سپاہیوں سے اس طرح کا سلوک کرتا تھا کہ وہ اس پر جان چھڑکنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ نیز کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ شیر شاہ کے حکم سے سرتابی کر سکتا۔

مسٹر ڈارن نے لکھا ہے:

''لوہانی مجلس خاص نے غور وخوض کے بعد جلال خاں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ شیر خاں کی تجویز کو قبول کر لے اور اس کو مغرب کی سمت میں اپنی جاگیر کو روانہ کر دے۔ تا کہ وہ مغلوں کی نقل وحرکت پر نگاہ رکھ سکے اور وہ خود بنگال کی فوج کا مقابلہ کریں گے۔ لیکن در پردہ لوہانی سرداروں کا اصل منشا یہ تھا کہ بہار کا علاقہ بنگال کے سلطان کو بطور نذر یا تحفہ پیش کر دیں اور بعد ازاں اس کی فوج میں شامل ہو کر اس علاقہ کو

بطور جاگیر واپس لے لیں۔

چنانچہ جلال خاں نے شیر خاں کو یہ لکھ دیا کہ وہ مال گذاری وصول کرنے اور مغلوں پر نظر رکھنے کا کام کرے اور بنگال کے سلطان کا مقابلہ وہ خود کرے گا۔ جلال خاں نے ایک عام دربار کیا اور شیر خاں کو ایک گھوڑا اور خلعت دے کر رخصت کر دیا۔ اس طرح شیر خاں اور اس کا شاگرد نہایت ہی خوش اسلوبی سے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ بعد ازاں ان کو کوئی بھی موقع ایک دوسرے سے ملنے کا نہ ملا۔ اور دسمبر 1533ء کے موسم خزاں میں غیر رسمیہ طور پر شیر خاں کی نائب گورنری کے واقعات کا زمانہ ختم ہو گیا۔''

مسٹر کالکا نے لکھا ہے:

''شیر خاں نے اشتعال انگیز حالات میں بھی اپنے لوہانی آقا کے خلاف کبھی زور آزمائی نہیں کی۔ یہ تاریخ کی ایک حقیقت ہے کہ اگر شیر خاں جلال خاں کی نابالغی میں اس کا محافظ و سرپرست نہ ہوتا تو آخری 3 سالوں میں (1530ء سے 1533ء) لوہانی ریاست کا وجود ہی نقشہ سے مٹ جاتا۔ یا تو یہ سلطنت مغلوں کے ہاتھوں تباہ ہو جاتی یا سلطان بنگال کے حملے اسے نیست و نابود کر دیتے۔''

عباس خان سروانی نے تاریخ شیر شاہی میں لکھا ہے:

''چار سال کے اندر شیر خاں بالکل خود مختار حکمراں بن گیا اور فوج کی اکثریت اس سے وابستہ ہو گئی۔ اس نے ان کو طرح طرح کے انعام و اکرام دے کر اپنی طرف ملا لیا جس کا اثر اس پایہ پر پہنچ گیا کہ بہار کی سرحد میں اس کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کی کوئی ہمت نہ کرتا تھا۔''

باب ۲۸

سورج گڑھ کی لڑائی

سورج گڑھ کا معرکہ اپریل 1534ء میں پیش آیا اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب شیر شاہ اپنی جاگیر میں سہسرام لوٹ آیا تو لوہانیوں نے جلال خاں کے ساتھ بنگال کا رخ کیا اور بجائے لڑنے کے حاکم بنگال سلطان محمود کے لشکر شامل ہو گئے اب وہ اس کے ساتھ مل کر شیر شاہ کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ جلال خاں اور لوہانیوں کے اس اقدام نے شیر شاہ کو ایک واضع موقف فراہم کر دیا اور ساری صورت حال گویا اس کے حق میں ہوگئی۔ مغلوں کی جانب سے بھی شیر شاہ کو کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا۔

تاہم اس بات کا امکان تھا کہ کہیں دہلی اور بنگال والے اس کے خلاف اتحاد نہ کرلیں۔ اس صورت حال میں اس نے تیزی سے سپاہیوں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا۔

اپنی بیویوں لاڈ ملکہ اور گوہر کوسائیں سے ملنے والا خزانہ اس وقت شیر شاہ کے بہت کام آیا۔ بنگال کے سلطان نے اس دفعہ کی مہم کا سالار ابراہیم بن قطب خاں کو مقرر کیا۔ اس مرتبہ بھی جنگی ہیڈ کواٹر مونگیر کا مضبوط قلعہ ہی تھا۔ گور سے سامان حرب وضرب اور سپاہ کی ایک بڑی تعداد بھی ابراہیم کے پاس پہنچ گئی۔ ابراہیم کی فوج میں ایک توپ خانہ بھی تھا علاوہ ازیں ہاتھیوں کا ایک بڑا دستہ اور جنگی کشتیوں کا ایک بیڑا بھی تھا۔ یہ بیڑا رسد اور نقل وحرکت کے کام بھی آ سکتا تھا۔

اس اثناء میں شیر شاہ نے بھی اپنی فوج کو جنگ کیلئے پوری طرح تیار کرلیا تھا۔ شیر شاہ

ایک حربی روح کا مالک تھا۔ وہ اس کوشش میں تھا کہ فوج کے قلعہ سے باہر آنے سے پہلے ہی محاصرہ کر لے۔

شیر شاہ کی فوج میں چند ہاتھی اور بہت سے گھڑسوار تھے۔ ایک چھوٹے پیمانے کا توپ خانہ اور تھوڑی سی تعداد میں بندوقچی بھی تھے۔ یہ بندوقچی پیادہ دستے پر مشتمل تھے۔

اس فوج کے ساتھ شیر شاہ بہار کی سرحد پار کر کے بنگال میں داخل ہو گیا اس نے سورج گڑھ کے مقام کو اپنا مستقر بنا لیا۔ جنگی نکتہ نظر سے یہ ایک اہم مقام ہے جہاں کھڑک پور کی پہاڑیوں کا زیریں حصہ اور کول ندی تھی۔ اس نے ابراہیم خاں کی بڑی فوج کو علاقائی محل وقوع کے چنگل میں پھانس لیا۔ یہ مقام مونگیر سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا بعد ازاں اس مقام سے جی ٹی روڈ بھی تعمیر کیا گیا۔ اس صورت حال کے بارے میں عباس نے لکھا ہے۔

''ولایت بہار پس پشت دادہ و روبرو بادشاہ بنگال شد و گرد لشکر خود قلعہ خام از گل ساخت''

''یعنی شیر شاہ نے بہار کی ریاست کو عقب میں رکھتے ہوئے، بنگال کے بادشاہ کا سامنا کیا اور اپنی فوج کے ارد گرد مٹی سے قلعہ خام بنا لیا۔

بہر حال شیر شاہ کا مقابلہ اس وقت شاہ بنگال سے نہیں بلکہ اس کے سردار ابراہیم شاہ قطب خاں سے ہوا تھا۔ سورج گڑھ کا میدان نہایت تنگ تھا۔ شیر شاہ نے اپنی فوج اس میدان میں اس ترتیب سے کھڑی کی تھی کہ کول ندی بھی اس کے کنٹرول میں تھی۔ عقب محفوظ بھی تھا اور کھلا بھی تھا۔ جبکہ مقابل فوج کیلئے یہ میدان جنگ ایک قتل گاہ سے کم نہیں تھا۔

بنگالی فوج کے دائیں طرف دریائے گنگا، عقب میں قلعہ مونگیر اور جنوبی سمت کھڑک پور کی پہاڑیاں تھیں۔ بنگالی فوج نے پے در پے حملے کئے مگر شیر شاہ نے ہر حملے کا منہ توڑ جواب دیا۔ ابراہیم نے مزید کمک طلب کر لی۔

شیر شاہ نے یہ تمام حملے قلعہ خام کی فصیلوں سے پیچھے رہ کر ہی روکے تھے۔ اس کے بعد شیر شاہ نے اپنے سپاہیوں سے مشورہ کیا اور عام حملے کا منصوبہ طے پا گیا۔ افغانوں نے اپنی

تلواروں کے دستوں پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کیا کہ وہ ابراہیم خاں کو بھی موت کے گھاٹ اتار کر اس کے باپ کے پاس پہنچا دیں گے۔

شیر شاہ نے افغانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

''میں نے ہنوز بنگالیوں پر مکمل حملہ نہیں کیا۔ ابھی تک قلعہ بندی کی پشت پر سے اپنا کام کر رہا ہوں۔ چند سپاہیوں نے بنگالیوں سے معمولی جھڑپیں کی ہیں جس سے بنگالی اپنی طاقت کا میری طاقت سے موازنہ کر سکیں اور ان کے دماغ سے غرور نکل جائے۔ اگر میرے عزیز و رفیق اجازت دیں تو میں کل اپنی فوج کو جنگ کیلئے صف آرا کر دوں۔ اب غنیم کی کمک آنے والی ہے۔ لہٰذا جنگ کیلئے تامل و تاخیر مصلحت و دوراندیشی کے خلاف ہے۔

افغانوں نے جواب دیا::

''انشاءاللہ جو شربت مرگ باپ نے چکھا تھا بیٹے کو بھی وہی پلایا جائے گا۔''

اس پر شیر شاہ نے ابراہیم کو پیغام بھیجا کہ اب تک وہ اس خیال سے خاموش تھا کہ شاید مصالحت کی کوئی راہ نکل آئے مگر اب براست جنگ کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ لہٰذا کل میدان جنگ میں بے نیام شمشیروں سے فیصلہ کیا جائے گا۔

شیر خاں نے اپنا ایک سفیر ابراہیم خاں کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا:

''تم بار بار کہتے ہو قلعہ سے باہر آؤ تا کہ میدان جنگ میں ایک دوسرے کے جوہر کھل جائیں۔ لیکن میں اب تک جنگ سے اس لئے گریز کرتا رہا کہ مجھے یہ امید تھی کہ شاید صلح ہو جائے۔ براہِ عنایت کل صبح تشریف لائیے۔ تا کہ ہم لوگ قسمت آزمائی کر لیں۔''

ابراہیم خاں نے اس خط کے جواب میں کہلا بھیجا:

میں نے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ کل میدان کارزار گرم ہو۔''

ابراہیم خاں نے کہا کہ وہ کل میدان جنگ میں بے چینی سے اس کا انتظار کرے گا۔
وہ شب جنگی تیاریوں میں گذر گئی۔ نماز فجر کے بعد شیر شاہ نے اپنی فوج کی صف بندی کی اور اپنے سپاہیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''دشمن کے پاس سامان حرب وضرب اور ہاتھیوں کی بہتات ہے۔ لہٰذا میرا حربی منصوبہ یہ ہے کہ میں ان پہاڑیوں کے عقب میں اپنے آزمودہ کار سپاہیوں کے ساتھ روپوش رہوں گا۔ میرے سپاہیوں کا ایک دستہ میدان جنگ میں آگے بڑھے گا اور تیروں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے پیچھے ہٹنا شروع کر دے گا۔ دشمن میری چال میں آ جائے گا اور جب پسپا ہوتے ہوئے سپاہیوں کے ساتھ اس مقام تک پہنچے گا اسے نرغے میں لے لیا جائے گا۔''

اس جنگی حکمت عملی پر عمل درآمد کرتے ہوئے ایک افغان دستے نے آگے بڑھ کر بنگالی فوج پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی ان کا انداز یوں تھا گویا جنگ پوری طرح بھڑک چکی ہے۔ ذرا سی دیر میں افغانوں کی صفیں درہم برہم ہوگئیں اور انھوں نے طے شدہ پروگرام کے مطابق سرپٹ پیچھے دوڑنا شروع کر دیا۔

ابراہیم خاں کے لشکر نے سمجھا کہ افغان میدان جنگ سے فرار ہو رہے ہیں وہ پوری تیز رفتاری سے افغانوں کے پیچھے لگ گئے۔ توپ خانہ اور پیدل فوج پیچھے رہ گئی۔

یہ فوج پہاڑیوں سے پار پہنچ گئی جہاں شیر شاہ گھات لگائے ان کا منتظر تھا۔ یہاں پہنچ کر افغان رک گئے انھوں نے نہایت سرعت سے مڑ کر اپنی صف بندی کر لی۔ اسی اثناء میں شیر شاہ کسی بپھرے ہوئے شیر ہی کی طرح بنگالی فوج پہ جھپٹ پڑا۔ فضا میں تلواریں بجلی کی طرح چمکنے لگیں۔ لوہے سے لوہا ٹکرانے لگا، گرد و غبار و جنگی نعروں اور زخمیوں کی چیخوں سے ایک قیامت صغریٰ کا منظر تھا۔

ابراہیم نے جم کر مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ زیادہ دیر شیر شاہ کے سامنے نہ جم سکا اور لڑتے لڑتے کام آ گیا۔ یہ جنگ نہایت خونریز ثابت ہوئی اور دونوں جانب سے بے شمار سپاہی اور سردار مارے گئے۔

یہ فتح شیر شاہ کی عسکری قابلیت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ سلطان محمود کیلئے یہ شکست نا قابل برداشت دھچکا تھی۔ ابراہیم کی ہلاکت سے گویا بنگال کے اقتدار کا سورج ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔ چنار سے سورج گڑھ تک کا تمام علاقہ اب شیر شاہ کے زیر تسلط تھا۔

قطب خاں اور ابراہیم خاں کے ساتھ لڑائیوں اور فتح کے بعد شیر شاہ اپنے سپاہیوں جاگیرداروں اور امراء کی نگاہوں میں ہیرو بن گیا۔ سب نے اپنے مفادات شیر شاہ سے وابستہ کر لیے تھے۔ جلال خاں نے بہار سے بھاگ کر گویا اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مار لی تھی اور عوام وخواص کی نگاہوں میں غدار ٹھہرا تھا مگر شیر شاہ نے دوبارہ بہار کو حملہ آور دشمنوں سے بچایا تھا اس لئے اب وہ افغانوں کا مسلمہ قائد بن چکا تھا۔

بنگالی فوج کو شکست دینے کے بعد شیر شاہ انتظامی امور کی جانب متوجہ ہوا اس نے تمام محکمے فعال بنا دیئے اور رعایا کی خوشحالی کیلئے ٹھوس اقدامات کیے۔ شیر شاہ ایک انصاف پسند حکمران تھا۔ زیادتی کرنے والا اگر اس کا رشتہ دار بھی ہوتا تو احتساب وسزا سے بچ نہیں سکتا تھا۔

شیر شاہ نئے بھرتی ہونے والے سپاہیوں اور ملازمین سے کہا کرتا تھا:

''سنو! میں تمہیں پوری تنخواہ وقت پہ دوں گا اس میں سے ایک پیسہ بھی کم نہیں ہو گا لیکن اگر تم نے کسی سے دنگا وفساد، تشدد اور ظلم یا کوئی اور جرم کیا تو تمہیں عبرتناک سزا دی جائے گی۔''

اس طرح شیر شاہ کی شہرت ہر طرف ہو گئی اور لوگ اس کے بارے میں کہا کرتے تھے:

''شیر شاہ نہ تو خود کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ کسی دوسرے کو کسی پر ظلم کرنے

دیتا ہے۔''

شیر شاہ نے بے شمار بے روزگار نوجوان افغانیوں کو اپنی فوج میں شامل کر لیا۔ اس نے لوگوں کی فلاح و بہبود اور علاقوں کے انتظامی معاملات کو بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش کی۔ اپنی فوج کو جدید انداز میں آراستہ کرنا شروع کیا اور اسے جنگی تربیت دی۔ توپ خانے پر پوری توجہ صرف کی اور افغانوں کو گولہ اندازی کی تربیت دی۔ اب شیر شاہ کے پاس ایک بہترین اور اسلحہ سے لیس فوج تھی مگر اس بات کو نہ تو بنگال کے حکمران سمجھ سکے نہ اس کا احساس مغلوں کو ہوا۔ شیر شاہ نے انتظام وانصرام کے نقائص دور کیے۔ فلاحی کاموں پر توجہ دی اور فوج کے رسالے اور توپ خانے کو پوری طرح لیس کر دیا۔ اس نے فوج میں اضافے کے ساتھ ساتھ اس کی حربی صلاحیتوں میں بہتری کی اور اس کی تربیت پر توجہ دی تاکہ اس کی فوج ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار رہے۔

اس قدر کامیابی کے باوجود شیر شاہ نے نہایت اعتدال پسندی اور عجز کا مظاہرہ کیا۔ اس نے اپنے آپ کو حکمران کہنے کے بجائے ''مسند حالی'' کا خطاب اختیار کیا جو لودھی سلطنت میں اعلیٰ افغانوں کو دیا جاتا تھا۔

''تاریخ روہتاس'' میں ہے:

> ''شیر شاہ نے سلطنت مغلیہ کی اطاعت جاری رکھی اور اس کی وفاداری کے صلے میں اسے چنار اور ملحقہ اضلاع بھی دے دیے گئے۔ شیر شاہ نے بہار کے تخت پر بیٹھ کر سلطان کا لقب اختیار کرنے کی بجائے اپنے لئے ''مسند عالی'' کا خطاب پسند کیا جو لودھیوں کے دور میں بڑے بڑے افغان سرداروں کو دیا جاتا تھا۔ اس سے شیر شاہ کی دوراندیشی کا اظہار ہوتا ہے اگر وہ اس وقت جلد بازی کا مظاہرہ کرتا تو ممکن تھا کہ امراء کو ایک سوری کا تخت نشین ہونا نہ بھاتا۔''

نیز تاحال شیر شاہ بظاہر ہمایوں کا وفادار تھا۔ اس کے نام کے سکے جاری کرتا تھا۔

اب اس کیلئے سیاسی افق بھی وسیع ہو گیا تھا۔شیر شاہ گور پر قبضہ کرنا چاہتا تھا نیز شمالی بہار میں دریائے گنگا کے دونوں جانب مونگیر اور بھا گلپور پر تسلط جمانا چاہتا تھا۔مگر عین اس وقت دہلی میں فوجی تیاریاں عروج پر پہنچ گئیں۔شیر شاہ کو خدشہ ہوا کہ کہیں یہ سیل بے پناہ باغیوں کی سرکوبی کے بعد اس کی طرف رخ نہ کر دے مگر جلد ہی اس طوفان کا رخ بدل گیا تھا اور اس کی وجہ تھی بہادر شاہ۔

باب۲۹

نئی جنگی تیاری

1534ءتا1536ء

چنار کی صلح کے بعد ہمایوں نے بابر کے مقولے ''بابر عیش کوش کہ ایں عالم دوبارہ نیست'' کے مطابق کامل ایک برس عیش کوشی میں بسر کر دیا۔ اس دوران اس کے دربار میں مختلف علوم کے ماہرین کا ہجوم تھا۔ اس نے دنوں کے نام سیاروں کے نام پر رکھ دیئے۔ شاہی محکموں کے نام آبی، آتشی اور بادی عناصر کے حوالے سے رکھے گئے۔ آگرہ میں اس کے شب و روز انہی مشاغل میں گذر رہے تھے۔ درباریوں اور امراء کو حسب مراتب لباس پہننے کی تاکید تھی۔ امراء کو سونے کے تیر دیئے گئے تھے جو ان کے مراتب کو ظاہر کرتے تھے۔

''شیر شاہ سوری اور اس کا عہد'' میں ہے:

''اب ہمایوں کا شاندار دربار سات سیاروں کا منطقہ البروج بن گیا تھا۔ ہفتہ کے ساتوں دنوں کے نام ایک ایک سیارہ پر رکھے گئے تھے اور جو روز جس سیارہ کیلئے مقرر تھا اس روز درباریوں کو اسی کے مطابق پوشاک پہننا پڑتی تھی۔ شاہی دفتر کے کام کی تقسیم میں بھی چار عناصر کی بنا پر چار محکموں میں کی گئی تھی۔ آب، خاک، آتش، باد۔ ہر محکمہ کے صدر کی پوشاک وہی مقرر کی گئی تھی جو اس محکمہ کے متعلق عنصر کی تھی۔ مثلاً داروغہ توپ خانہ و بارود اسلحہ میر آتش کیلئے سرخ رنگ کی پوشاک مقرر کی گئی تھی کیوں کہ آتش کا رنگ سرخ ہے۔ دربار کے امرا و

سرداروں کے منصب اور عہدوں کا تعین بھی عجیب وغریب اور پر
جدت طریقہ سے کیا گیا۔ بادشاہ نے بارہ قسم کے سونے کے تیر
بنوائے۔ یہ تیر سونے کی مقدار کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف
تھے۔ ہر امیر وسردار کو اس کے عہدہ کے مطابق تیر دیا جاتا تھا اور بادشاہ
ظل الٰہی ان سب سے بالاتر تھا۔ غرض کہ بندۂ تخیل ہمایوں کے کردار
میں اپنے والد بابر سے زیادہ اپنے لڑکے اکبر کی جھلک تھی۔''

ان ایام میں ''قانون ہمایونی'' بھی مرتب کی گئی۔ شعراء نے مختلف مجموعے تیار کردیے۔ ہمایوں کا جھکاؤ تصوف کی جانب ہوگیا اور اس نے شیخ بہلول کی ارادت اختیار کرلی۔

گلبدن بیگم کے بیان کے مطابق ہمایوں تبدیلی آب وہوا کیلئے گوالیار بھی گیا۔ 1534ء کے آخری مہینوں میں ہمایوں نے ''بہ فال اندر پرست'' (سال تعمیر) میں نئی دہلی بنیاد رکھی اور اسے ''دین پناہ'' کا نام دیا۔ اس کے علاوہ ایک عظیم الشان قلعہ بھی تعمیر کیا گیا۔ دین پناہ کو کرہ ارض کا مرکز قرار دیا گیا جس طرح نظام شمسی میں سورج کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ہمایوں نے بھی اپنی ذات کو سورج سے تشبیہہ دی۔

کامران مرزا نے ہمایوں کی شان میں ایک شاندار قصیدہ لکھا جس پر خوش ہوکر اسے دہلی سے 62 کلومیٹر دور ''ہریانہ'' کا علاقہ بطور انعام دے دیا گیا۔ ہمایوں نے دریا جمنا میں ایک خوبصورت شہر بھی تعمیر کرایا جس میں لکڑی کا تین منزلہ قصر رواں اور باغ بھی تھا۔ نیز دکانیں اور بازار بھی تھا یہ گویا ایک تیرتا ہوا شہر تھا۔ قصر رواں میں دربار بھی منعقد کیا جاتا تھا۔

مسٹر کالکا نے لکھا ہے:

''سیّاروں پر ٹکٹکی لگانے والا بادشاہ یہ بھول گیا تھا کہ سورج و چاند کو بھی
ایک دن گہن لگتا ہے۔ درباری سیاروں کے دائرہ سے باہر ہندوستان
میں موذی راہو اور کیتو بھی موجود ہیں جو ان روشن سیاروں کو نگلنے کو ہر

وقت کمر بستہ رہتے ہیں۔ (اعلیٰحضرت بادشاہ اپنی تشبیہ سورج و چاند
سے دیا کرتے تھے)۔ اس وقت یہ موذی ستارے مشرق میں شیر خاں
اور مغرب میں بہادر شاہ تھے۔ ان دونوں میں بہادر شاہ شہابی اور تند خو
تھا اور شیر کم سخن۔ مگر ہمایوں کے تخت پر گھات لگائے تھا۔''

دوسری جانب بنگال میں شیر شاہ کے خلاف جنگی تیاریاں پورے عروج پر تھیں۔ سلطان محمود بپھرا ہوا تھا اور قطب خاں مقتول کا بیٹا ابراہیم بھی اپنے باپ کا انتقام لینے کیلئے انگاروں پہ لوٹ رہا تھا۔ زماں مرزا نے شیر شاہ کے خلاف طاقت استعمال کرنے کی بجائے اپنے ہی حلیف حاکم اودھ تخت بغا سلطان کے خلاف صف آرائی شروع کر دی۔ سلطان مرزا نے ہمایوں کے ایک وفادار امیر حاجی محمد خاں کوکی کے والد کو تہ تیغ کر دیا۔ اس طرح زماں مرزا اور سلطان مرزا بغاوت کے جھنڈے لہرانے لگے۔ ان علاقوں میں بغاوت کے یہ شعلے پوری طرح بھڑک رہے تھے اور انہی شعلوں نے پوری سلطنت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

اس عالم میں اگرچہ شیر شاہ کیلئے دونوں جانب سے خطرہ تھا۔ ایک طرف ہمایوں اور دوسری طرف حاکم بنگال اس کے درپے تھا۔ تاہم شیر شاہ کے شب و روز بھی اپنی فوج کو مضبوط بنانے میں صرف ہو رہے تھے۔

ہمایوں دین پناہ کی بنیاد رکھنے کے بعد باغیوں کی جانب متوجہ ہوا۔ جونہی مغل فوج نے باغیوں کی جانب رخ کیا محمد زماں مرزا، محمد سلطان مرزا اور اس کا بیٹا الغ مرزا دریائے گنگا کے کنارے فتح گڑھ میں جمع ہو گئے۔ مغلیہ فوج نے بھوجپور جو دوسرے کنارے پر تھا پڑاؤ ڈال دیا۔

یادگار ناصر مرزا نے دریائے گنگا عبور کر کے باغی لشکر پر دھاوا بول دیا۔ چونکہ یادگار ناصر مرزا، بابر کا سب سے چھوٹا بھائی اور ہمایوں کا چچا تھا اور خاندان میں اسے ''بزرگ'' کا مقام حاصل تھا اس نے باغیوں کو صلح کا لالچ دے کر گرفتار کر لیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ باغی امراء کی جان بخشی کی سفارش کرے گا جس پر باغیوں نے بغیر لڑے ہی ہتھیار ڈال دیئے اور

ہمایوں کی اطاعت قبول کر لی تھی۔اس مہم سے فارغ ہو کر ہمایوں خوشی خوشی آگرہ لوٹ آیا۔چونکہ اس نے اس دوران شیر شاہ سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا اس لئے اب شیر شاہ کو کم از کم ایک جانب سے تو اطمینان حاصل ہو گیا تھا۔

اگرچہ یادگار مرزا نے باغیوں سے وعدہ کیا تھا کہ انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا مگر ہمایوں نے انھیں بیانہ کے قلعے میں قید کر دیا اور حکم دیا کہ ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی جائیں۔اس پر باغی قیدی محافظوں سے ساز باز کر کے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

زماں مرزا گجرات چلا گیا اور سلطان مرزا نے قنوج کی راہ لی۔یادگار ناصر مرزا بھی گجرات چلا گیا تاکہ وہ بہادر شاہ کی حمایت حاصل کر سکے۔بہادر شاہ نے مصلحت آمیز رویہ اپناتے ہوئے ہمایوں کو تحفے تحائف کے ساتھ دوستی اور حمایت کا پیغام بھیج دیا۔

باب ۳۰

بہادر شاہ

بہادر شاہ 1526ء میں گجرات کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی فوج کی جدید پیمانے پر تنظیم کی تھی اور اپنے توپ خانہ کو موثر بنانے کیلئے ترکی آفیسر بلوائے تھے۔ اس نے بے شمار گولہ و بارود پرتگالیوں سے حاصل کیا تھا۔ اس جدید فوج سے اس نے آٹھ سال کے عرصہ میں اپنی سلطنت کو مضبوط بنا لیا جو بابر کی سلطنت سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ خاندیش و احمد نگر تک کا علاقہ اسی کی سلطنت میں شامل تھا۔ سندھ کے ارغون اور کچھ کے باسی اس کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف تھے۔ مالوہ اور راجپوتانہ میں اس نے اپنی دھاک بٹھا دی تھی۔ ناگور، اجمیر، بانسواڑہ، ڈونگر پور، الور، ابھور، بوندی اور رنتھمبور تک کسی کو اس کے خلاف سرکشی کی جرأت نہیں تھی۔ میواڑ کی ریاست کو اس نے پے در پے حملوں سے سرنگوں کر دیا تھا۔ بندھیل کھنڈ تک مالوہ کی فوجیں پہنچ چکی تھیں۔

جب ہمایوں گوالیار میں تھا تو اس وقت بہادر شاہ نے چتوڑ پر حملہ کر دیا۔ بہادر شاہ نے رانا سانگا کی بیوہ رانی کرم وتی سے صلح کی کوشش کی جو قبول نہ کی گئی۔ جب گجرات کی یورش بڑھی تو رانی نے ہمایوں سے مدد کی درخواست کی مگر ہمایوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بنگال جاتے ہوئے ہمایوں کو رانی چتوڑ کرم وتی کی راکھی ملی تھی اور اس درخواست پر وہ اس کی مدد کیلئے لوٹا تاہم چتوڑ پہنچنے میں دیر ہو گئی اور اس پر بہادر شاہ کا قبضہ ہو گیا تھا۔ رانی نے رسم جوہر کے ذریعے جان دے دی تھی۔ ہمایوں نے جا کر رانی کے

بیٹے بکر ماجیت کو تخت پر بٹھا دیا۔ (یہ روایت مسٹر ٹاڈ کی بیان کردہ ہے جو اس نے بھاٹوں سے نقل کی ہے)

مسٹر کالکارنجن لکھتے ہیں:

''راجپوت بھاٹوں نے اس روایت کی تشہیر سے ایک متعصب مغل بادشاہ کو راجپوت ہیرو بنانے کی کوشش کی ہے۔''

''ہمایوں اس وقت ارادۃً چتوڑ سے مشرق 100 میل مندسور میں بہت عرصہ تک اس لئے مقیم رہا کہ بہادر شاہ کو اپنے جہاد یعنی کافروں کے خلاف اپنی کارروائی سے فراغت نصیب ہو جائے۔''

ابو الفضل نے لکھا ہے:

''جب سورج گڑھ کی لڑائی کے بعد سیاسی افق پر شیر خاں کی قسمت کا ستارہ چمکنے لگا تو بہادر شاہ کی نظر اس پر گئی اور اس نے افغانوں کو ساتھ لے کر مشترکہ دشمن یعنی مغلوں کی مخالفت کرنے کا منصوبہ بنا دیا۔ لودھی عہد کے تمام بڑے بڑے امیر کبیر اس کے دربار میں پناہ لے چکے تھے۔ ابراہیم کے چچا سلطان علاؤ الدین عالم خاں لودھی کو بہادر شاہ نے یہ امید دلائی کہ وہ اس کے خاندانی عظمت و رتبہ کو پھر سے واپس دلا دے گا۔ بہادر شاہ نے شیر خاں کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ دونوں مل کر مغلیہ حکومت کے خلاف جنگ کریں۔ مشرق سے شیر خاں حملہ کرے اور مغرب سے گجرات کی فوج آگرہ و دہلی پر فوج کشی کرے۔ اس نے سوداگروں کے ذریعہ شیر خاں کے پاس خاصی رقم بھیجی اور اس کو ساتھ ملنے کی دعوت دی۔ شیر خاں نے روپیہ تو سرکشی کیلئے جمع کر لیا اور نہ جانے کے لیے بہانہ بنا دیا۔''

شیر شاہ نے اس پیشکش سے انکار بھی نہ کیا مگر عملی گرم جوشی کا مظاہرہ بھی نہ کیا۔ بہادر

شاہ نے چتوڑ پر حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ اس نے سلطان علاؤالدین عالم خاں کی کمان میں ایک فوج کالنجر کی جانب بھیجی۔ اس وقت بندھیل کھنڈ میں بے شمار افغان پناہ گزین تھے۔ وہاں تاج وتخت کا دعویدار سلطان محمد بھی تھا۔ علاؤالدین کا لڑکا رنتھمبور کی طرف تھا اسے 40 کروڑ روپیہ دیا گیا تھا کہ وہ نئی سپاہ بھی بھرتی کر سکے۔

سورج گڑھ کی لڑائی کے بعد جب شیر خاں کی طاقت تسلیم کر لی گئی تو بہادر شاہ نے افغانوں کے ساتھ مل کر مغلوں سے پنجہ آزمائی کا منصوبہ بنایا جو اس وقت دونوں کے مشترکہ دشمن تھے۔

بہادر شاہ نے ابراہیم کے چچا سلطان علاؤ الدین عالم خاں لودھی کو دوبارہ تاج دلانے کا خواب دکھایا اور شیر خاں سے کہا کہ دونوں مل کر مغلیہ حکومت کے خلاف جنگ کریں۔ شیر خاں مشرق سے اور گجراتی فوج مغرب سے آگرہ و دہلی پر حملہ کرے۔

ابوالفضل لکھتا ہے:

''اس نے سوداگروں کے ذریعہ شیر خاں کے پاس خاصی رقم بھیجی اور اس کو ساتھ ملنے کی دعوت دی۔''

برہان الملک کو پنجاب کی جانب بھیجا گیا تا کہ وہاں سے دہلی کے خلاف تیاری کر سکے۔

1534ء میں ہمایوں نے مغلیہ فوج کے ساتھ تسخیر بنگال کی غرض سے مشرق کی جانب کوچ کیا۔ جب ہمایوں بنگال کی جانب بڑھ رہا تھا۔ بہادر شاہ اس خیال سے خوش ہو ہی رہا تھا کہ اس نے یہ خبر سنی کہ تاتار خاں نے آگرہ سے بیانہ تک کے علاقوں پر دھاوا بول دیا ہے۔

تاتار خاں نے ہمایوں کے کوچ کرتے ہی آگرہ پر چالیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ حملہ کر دیا اور بلا مزاحمت بیانہ تک کے علاقے کو روند ڈالا۔ تاتار خاں نے یہ کارروائی نہایت جلد بازی میں کی تھی۔ اس کے ساتھ بہت سے افغان بھی شامل ہو گئے۔ انھوں نے ان علاقوں

میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا تھا۔

نومبر 1534ء میں ہمایوں نے عسکری مرزا کو ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا تاکہ تاتار خاں کو اس جسارت کی قرار واقعی سزا دی جا سکے۔ ہمایوں نے کالپی سے بہادر شاہ کو خط لکھا کہ تاتار خاں نے نہایت ہی گھٹیا حرکت کی ہے۔ اس شکایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمایوں بھی براہ راست بہادر شاہ سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

جب عسکری مرزا کا لشکر پہنچا تو تاتار خاں کے ساتھی اسے چھوڑ کے بھاگ گئے۔ تاتار خاں نے اپنے رشتہ داروں سمیت چمبل کے غاروں میں پناہ لے لی۔ مگر بعد ازاں آگرہ میں مندرائیل (آگرہ، کرالی) کے مقام پر ایک لڑائی میں مارا گیا۔

بہادر شاہ نے تاتار خاں کی حمایت سے گلو خلاصی کیلئے ہمایوں کو ایک مناسب جواب دیا۔ ہمایوں سے نہایت عجز انکسار سے خطاب کرتے ہوئے لکھا کہ تاتار خاں کی اس جسارت میں اس کی مرضی شامل نہیں تھی۔ اس کے بعد ہمایوں اور بہادر شاہ میں خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بہادر شاہ نے ہمایوں کو محافظ دین لکھا اور چتوڑ کی مہم کے دوران اس سے مدد کی درخواست اور یہ وعدہ لیا کہ وہ اس دوران بہادر شاہ کو پریشان نہیں کرے گا۔

اکبر نامہ میں ہے:

"بہادر شاہ ہمایوں کو بیش قیمت تحفے اور خطوط بھیجتا رہا اور دوسری جانب راجپوتانہ کی سرحد پر فوج جمع کر کے چتوڑ پر حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے سلطان سکندر کے بھائی سلطان علاؤ الدین عالم خاں کی قیادت میں ایک فوج کالنجر کی جانب روانہ کی۔ بندھیل کھنڈ میں بھاٹ ریوا کے راجاہاں بہت سے افغان سردار پناہ گزیں تھے اور تاج کا دعویدار سلطان محمد بن سلطان سکندر کسمپرسی کی حالت میں اپنی زندگی بسر کر رہا تھا۔ سلطان علاؤ الدین کا اس مہم سے مقصد افغانوں کو بیدار کرنا اور اس سمت شیر خاں کی مدد سے مغلیہ مقبوضات پر قبضہ کرنا تھا۔

سلطان علاؤالدین کے لڑکے تاتارخاں کو رنتھمبور بھیج کر نئی فوج بھرتی کرنے اور مغلیہ فوج کو ورغلانے کیلئے 40 کروڑ روپیہ دیا گیا۔فوج کا ایک دستہ برہان الملک کی کمان میں پنجاب کی جانب روانہ کیا گیا۔تا کہ ادھر سے دہلی کے خلاف مورچہ بندی کی جا سکے۔''

جب بہادر شاہ کی طرف سے تسلی ہوگئی تو ہمایوں نے 18 فروری 1535ء میں تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ زرافشاں باغ آگرہ سے پھر کوچ کیا۔

شیر شاہ کو اس کوچ کی خبر ملی تو اس نے فتح ملکہ سے قرض کیلئے درخواست کی جسے اس نے منظور کر لیا۔فتح ملکہ میاں محمد فارمولی بن مستغنی فارمولی کی بیوہ تھی۔فتح ملکہ کا والد سلطان بہلول لودھی کا بھانجا تھا جو امیر کالا پہاڑ فارمولی کے نام سے مشہور تھا۔شیر شاہ نے ایک مرتبہ اسے اور اس کی بھتیجی مہر سلطان کو بندھیل کھنڈ جانے سے روکا تھا۔شیر شاہ نے اسے گذر اوقات کیلئے چند گاؤں بھی دیئے تھے۔جلال خاں مہر سلطان سے شادی کرنا چاہتا تھا۔مہر سلطان نیا موکی بیٹی تھی جسے امیر کالا پہاڑ نے پالا تھا۔تاہم شیر شاہ نے جلال خاں کو اس کے ارادے سے باز رکھا۔

عباس نے لکھا ہے:

''ایک وقت تھا جب شیر خاں نے اس کو بندھیل کھنڈ میں پناہ لینے پر اس کی جان و مال کی حفاظت کا خود ذمہ لے کر منع کیا تھا۔اور وعدہ وفا کرنے کی قسم بھی کھائی تھی۔مگر یہ وعدہ تین سال پیشتر کا تھا۔جب کہ ببن اور بایزید کے ساتھی دوراہہ کی لڑائی کے بعد مغلوں کے انتقام سے بچنے کیلئے بھاگ رہے تھے۔بی بی فتح ملکہ مشہور و معروف امیر فارمولی کی دختر تھی۔جو سلطان بہلول لودھی کا بھانجا تھا۔بی بی فتح ملکہ اپنے کفایت شعار باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔بوقت شادی وہ اپنے شوہر میاں محمد فارمولی کے لیے 600 من سونا بطور جہیز لے کر آئی تھی۔اس کا

شوہر اودھ کے نامی گرامی شخص مستعفی فارمولی کا لڑکا تھا۔لودھی عہد کی اس بیوہ کی دولت پر دست درازی کرنا آسان کام نہیں تھا۔شیر خاں نے اس بیوہ کو 300 من سونا بطور عارضی قرضہ دینے کیلئے راضی کرلیا۔ یہ اس کی ضرورت کیلئے بہت کافی تھا۔شیر خاں نے چند گاؤں بھی اس کے گذارہ کیلئے دے دیئے۔''

بہادر شاہ کا چتوڑ پر قبضہ

ہمایوں بنگال کی جانب گامزن تھا کہ اثنائے راہ اسے چتوڑ کی رانی کرم وتی کی راکھی ملی اور اس نے ہمایوں سے مدد کی درخواست کی۔مگر ہمایوں کے پہنچنے سے پہلے ہی چتوڑ پر قبضہ ہو چکا تھا اور رانی نے رسم جوہر ادا کرتے ہوئے اپنی جان دے دی تھی۔ہمایوں نے وہاں پہنچ کر اس کے بیٹے وکرماجیت کو تخت پر بٹھا دیا۔تاہم یہ روایت معتبر نہیں ہے۔اس رانی کا نام بابر نے ''پدماوتی'' لکھا تھا۔یہ ''نربداہاڑا'' کی دختر تھی۔راکھی والی روایت تو مختلف لوگوں نے بیان کی ہے مگر اس کا کوئی تاریخی ثبوت فراہم نہیں کیا۔

شیر شاہ کو جب علم ہوا کہ ہمایوں کا رخ اب چندیری اور رائے سین کی طرف ہے تو اس کے ذہن سے گویا سارا بوجھ اتر گیا۔اس وقت شیر شاہ کا بیٹا قطب خاں اپنے اتالیق عیسیٰ خاں کے ساتھ ہمایوں کی معیت میں تھا۔شیر شاہ نے اسے پیغام بھیجا کہ وہ موقع ملتے ہی اس سے آن ملے۔مارچ 1535ء میں ہمایوں اور بہادر شاہ کے درمیان مندسور کے مقام پر جھڑپ ہوئی۔اس وقت قطب خاں نے موقع کو غنیمت جانا اور اسے چھوڑ کر شیر شاہ سے آن ملا۔

مسز بیورج نے لکھا ہے:

''شیر شاہ کو جب خبر ملی کہ ہمایوں کی فوج چندیری اور رائے سین کی طرف گامزن ہے تو اس کو بڑا سکون ملا۔اس نے فوراً اپنے بیٹے قطب خاں اور اس کے اتالیق عیسیٰ خاں حاجب کو ہدایت کی کہ مناسب موقع

ملتے ہی وہ اپنے دستہ کے ساتھ مغل لشکر چھوڑ کر چلے آئیں چنانچہ جب مارچ 1535ء کے آخری ہفتہ میں ہمایوں اور بہادر شاہ کی فوجوں کا مند سور کے مقام پر تصادم ہوا تو وہ چپ چاپ وہاں سے نکل آئے۔ محمود شاہ بنگال کیلئے مغل فوج کی امداد ایک سراب ہی ثابت ہوئی۔ جیسے جیسے اس کی حالت بدتر ہوتی گئی مغل فوج کی امداد کی امید بھی دور تر ہوتی گئی اور ہمایوں گجرات اور مالوہ کی شاندار فتح کے خواب میں مصیبت کی دلدل میں دھنستا چلا گیا۔''

باب ۳۱

شیر شاہ کا اعلان جنگ اور قلعہ مونگیر پر قبضہ

1535ء میں شیر شاہ نے بنگال پر یلغار کی اور تیلیا گڑھی پر قبضہ کر لیا۔ نیز شیر شاہ نے قلعہ مونگیر پر بھی اپنی جنگی فراست کے تحت قبضہ کر لیا۔ مونگیر کا قلعہ پہاڑیوں کے وسط میں واقع ہے۔ کھڑک پور اور گڈھور کی پہاڑیاں بھی اسی علاقہ میں ہیں۔ کول ندی سے سورج گڑھ 9 کلومیٹر دور ہے جب کہ مونگیر سورج گڑھ سے 28 کلومیٹر بطرف مشرق ہے۔ تیلیا گڑھ کا علاقہ مونگیر سے 103 کلومیٹر مشرق میں راج محل کی پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔

عباس نے لکھا ہے:

''بی بی فتح ملکہ کے زر سے ایک فوج فراہم کر کے اس نے بنگال کے علاقہ پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور گڑھی تک کے کل اضلاع اپنے تصرف میں کر لیے۔''

شیر شاہ نے مونگیر پر قبضہ کرنے کیلئے ایک دستے کو تو سورج گڑھ بھیجا اور خود کول کے کنارے سفر کرتا ہوا 39 کلومیٹر دور کول اور گنگا کے سنگم تک جا پہنچا۔ اب وہ ملی پور کے مقام پر پہنچا جہاں کھڑک پور کے پہاڑی سلسلے کا اختتام ہو جاتا ہے۔ یہاں سے ایک مناسب مقام سے جو گڈھور اور ملی پور کے درمیان تھا شیر شاہ نے دریائے گنگا کو مونگیر سے زیریں جانب عبور کر لیا۔ اس جنگی حکمت عملی سے وہ بنگالیوں کو دو اطراف سے گھیرنے میں کامیاب ہو گیا۔ سورج گڑھ اور مونگیر پر قبضے کے ساتھ ہی شیر شاہ کی اس جنگی مہم کی کامیاب تکمیل ہو گئی۔

بہادر شاہ کے خلاف ہمایوں کی جنگی کارروائیاں

دوسری جانب ہمایوں نے بہادر شاہ کی سلطنت کو پے در پے حملوں سے لرزا کر رکھ دیا تھا۔ بہادر شاہ کے توپ خانے کا افسر اعلیٰ خداوند عرف رومی خان، روم کا رہنے والا تھا۔ اس اہم منصب کی بنا پر رومی خاں بادشاہ کا دایاں بازو بن گیا۔ رومی خاں توپوں کی معاونت میں بندوقوں سے لڑائی کو رسالے پر ترجیح دیتا تھا جبکہ بہادر شاہ کے بیشتر امراء روایتی طریقہ جنگ کے حامی تھے۔ ان میں صدر خاں اور عماد الملک وغیرہ جیسے بہترین آفیسر بھی تھے۔ جنگی طریق کار پر اختلاف سے بحث کا سلسلہ چل نکلا۔ جنگی کونسل میں سپاہ کی صلاحیتوں پر اعتماد کرنے والوں نے تجویز پیش کی کہ بلاحیل وحجت مغلیہ فوج پر پوری طاقت سے حملہ کر دیا جائے مگر رومی خاں نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا:

> ''مغلیہ فوج کا قلع قمع کرنے کیلئے ضروری ہے کہ انھیں توپوں کی زد میں آنے دیا جائے اور اس کے بعد ان پر گولہ باری کر کے انھیں تباہ کر دیا جائے۔''

بہادر شاہ بذات خود حرب وضرب میں کماحقہٗ دسترس نہیں رکھتا تھا۔ اسے رومی خاں کی تجویز پسند آئی۔ اس نے اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے خندقیں اور مورچے تیار کرا کے اپنی سپاہ کو توان مورچوں میں لگا دیا اور توپ خانہ ان کے تحفظ کیلئے مقرر کر دیا۔

پہلی جھڑپ

1535ء میں دوسو مغل فوجیوں نے ایک پر جوش حملہ کیا اور گجرات کے 4000 سپاہیوں کو بھگا دیا۔ یہ دستہ اپنے کیمپ کی حفاظت پر متعین تھا۔ اب گجرات کی سپاہ توپوں کے پیچھے دبک کر مغلوں کی پیش قدمی کی منتظر تھی۔ دونوں میں سے کوئی بھی آگے بڑھنے کیلئے تیار نہیں تھا۔ پھر گجرات والوں کی پوزیشن مضبوط اور دفاعی نوعیت کی تھی۔ البتہ ان کا میمنہ اور میسرہ

دشمن کو مجبور کر سکتے تھے کہ وہ آگے بڑھ کر ان کے جال میں پھنس جائے۔

محمد زماں مرزا کی جنگی چال

محمد زماں مرزا قلعہ بیانہ سے بھاگ کر بہادر شاہ کے پاس پناہ گزیں تھا اس نے پیشکش کی کہ وہ مغل سپاہیوں کو توپوں کی زد میں لانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اس نے 500 گھڑ سواروں کے ساتھ لشکر ہمایونی پر حملہ کیا اور تیروں کی زبردست بوچھاڑیں کر کے پیچھے ہٹا۔ مغلوں نے صحرائی بگولوں کی طرح ان کا پیچھا کیا اور جونہی توپوں کی زد میں پہنچے، دھنا دھن کی آوازوں کے ساتھ توپوں کے دہانوں نے آگ اگلنا شروع کر دی۔ مغل فوجی تنکوں کی طرح بکھرنے لگے۔ اس شدید نقصان کے بعد مغل فوجی پسپا ہو کر اپنی خیمہ گاہ میں چلے گئے۔ یہ جھڑپ نہایت خون ریز ثابت ہوئی جس میں مغلیہ فوج کا نقصان شدید تھا۔

اس خونریز تصادم کے بعد تین ہفتوں تک میدان جنگ میں سناٹا چھایا رہا۔ البتہ ہمایوں کے چھوٹے چھوٹے دستوں نے سپلائی لائنوں کو بند کر دیا تھا۔ ہمایوں بھرپور جوابی حملے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ 24 اپریل 1535ء کو نصف شب کے وقت اچانک گجراتی محاذ سے توپوں نے گرجنا شروع کر دیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ گجرات انفنٹری اب عام حملہ کرنے والی ہے۔ ہمایوں نے نہایت چابک دستی سے اپنی تیس ہزار سپاہ کی صف بندی کر لی۔ مگر اب کے توپوں نے ایسی چپ سادھی کہ سپیدۂ سحر تک گویا وہ گونگی رہیں۔

صبح کے وقت گجرات کا محاذ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ خیمہ گاہ ویران تھی اور بہادر شاہ رات کے برقعے میں اپنی فوج سمیت پسپا ہو چکا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ سپلائی لائن کا کٹ جانا تھا۔

بہادر شاہ گجراتی رسالہ کے ساتھ مانڈو جا پہنچا مگر صرف 4 روز کے وقفے سے ہمایوں بھی وہاں آن دھمکا۔ جون 1535ء میں بہادر شاہ یہاں سے بھی نکل بھاگا اور ہمایوں نے کھمبات کے مقام تک اس کا پیچھا کیا۔ گجرات کا تمام مفتوحہ علاقہ ہمایوں نے عسکری مرزا کے

حوالے کر دیا۔ اسے گورنر مقرر کر کے ہمایوں مالوہ کی شاداب فضاؤں میں لوٹ آیا۔ ہمایوں اب پھر فتح و کامرانی کے نشے میں اطراف و جوانب سے بے خبر ہو گیا تھا۔

کے۔ آر قانون گو نے اس جنگ کے بارے میں لکھا ہے:

''ہمایوں کے حملوں کی تاب نہ لا کر بہادر شاہ کی فوج بکھر گئی۔ اس نے روم کے ایک سپاہی خداوند کو توپ خانہ کا افسر اعلیٰ مقرر کر کے رومی خان کا خطاب عطا فرمایا۔ رومی خاں بادشاہ کا داہنا ہاتھ بن گیا تھا۔ وہ اس قسم کے طرز جنگ کا زبردست حامی تھا۔ جس میں جنگ کا مکمل انحصار توپ خانہ اور بندوقچیوں پر ہو۔ وہ رسالہ کو فوج کا ثانوی جزو سمجھتا تھا۔ بہادر شاہ کی فوج میں رسالہ کی تعداد بھی کافی تھی۔ صدر خاں اور عماد الملک جیسے عالی حوصلہ اور خوش تدبیر افسر تھے۔ پھر بھی فن حرب میں رسالہ کا نمبر دوسرے درجہ پر تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہادر شاہ کے دربار میں اور مجلس جنگ میں جدید اور قدیم طریقہ کے حامیوں میں زبردست رسہ کشی ہونے لگی۔ کچھ روز تک بہادر شاہ کی فراست اور سیاسی دانشمندی ان دونوں فریقوں کو ایک جگہ ملائے رہی۔ لیکن مندسور میں مجلس جنگ کے جلسہ میں ان کے باہمی اختلاف ابھر کر سطح پر آ گئے اور رشتہ ٹوٹنے کی نوبت آ گئی۔ صدر خاں اور رسالہ کے دیگر افسران کو اپنے سپاہیوں کی جرأت و شجاعت پر یقین کامل تھا۔ انھوں نے جنگی کونسل میں یہ تجویز پیش کی کہ مغل فوج پر فوراً حملہ کر دیا جائے۔ لیکن رومی خاں نے اس تجویز کو مہلک اور مخدوش سمجھ کر اس کی پُرزور مخالفت کی۔ اس کا خیال تھا کہ مغل فوج کو برباد کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اسے توپ خانہ کی زد میں لایا جائے۔ بہادر شاہ بذاتِ خود سیاست داں و مدبر تو تھا مگر فنون جنگ سے بے بہرہ۔ اس نے اپنے منظورِ نظر رومی خاں کی

تجویز کو یہ سمجھ کر ترجیح دی کہ اس میں خطرہ کم ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فوج میں جوش کم ہو گیا۔ اب سپاہیوں کو خندقیں کھود کر ان میں بٹھا دیا گیا۔ اور رومی توپ خانہ ان کی حفاظت کیلئے لگا دیا گیا۔''

اکبر نامہ میں ہے:

''1535ء کے رمضان کا آخری ہفتہ تھا۔ روزہ اور زہد اسلام کے اصلی جز ہیں مگر سفر اور میدان جنگ میں لازم نہیں ہوتے چنانچہ ایک روز مغلوں کے ایک دستہ نے جو بے کاری اور تساہل سے بیزار ہو چکا تھا اور خورد و نوش سے شکم پُر، یہ تہیہ کیا کہ دشمن کو اپنے جوہر دکھلائیں۔ شراب سے سرشار دو سو جنگجو نکل پڑے۔ اور انھوں نے گجراتیوں کے ایک چار ہزار کے دستہ کو جو کہ پڑاؤ کی حفاظت کر رہا تھا مار بھگایا۔ اس کے بعد گجراتیوں نے اپنے توپ خانہ کی ناکہ بندی سے باہر نکلنے کی ہمت نہ کی۔ دونوں فریق اب باخبر ہو گئے۔ اور ایک دوسرے کے حملہ کا انتظار کرنے لگے۔ مغلیہ یعنی رومی صف آرائی اس کی مقتضی نہ تھی کہ آگے بڑھ کر حملہ آور ہو۔ کیوں کہ ایسا کرنا اس کیلئے مضر ہوتا جب کہ مدافعانہ طرز جنگ میں اس کو تمام مفاد حاصل تھے۔ وہ قلعہ کی جائے پناہ سے لڑ سکتے تھے۔ اس کے میمنہ اور میسرہ دشمن کے بازوؤں اور عقب کو پریشان کر سکتے تھے۔ اور ان کو توپوں کی ہلاک کن زد میں لا سکتے تھے۔ چنانچہ بہادر شاہ کی فوج کے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ مغل فوج کو آگے بڑھنے کیلئے کس طرح اشتعال دے۔ انجام کار عین عید کے دن 4 اپریل 1535ء کو محمد زمان مرزا نے جو طریقہ جنگ کا ماہر تھا اور بہادر شاہ کے یہاں پناہ گیر تھا۔ اپنی قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے تقریباً 500 یا 600 گھوڑ سوار لے کر ہمایوں کی فوج پر حملہ کر دیا۔

دو تین بار تیروں کی بوچھاڑ کی اور پھر پا رتھین لوگوں کی طرح بھاگ کھڑا ہوا۔ ہمایوں کی فوج اس کے جال میں پھنس گئی۔ اس نے بھاگتی ہوئی گجراتی فوج کا تعاقب کیا اور اچانک رومی توپ خانہ کی زد میں آ گئی۔ بڑی تعداد میں جانی نقصان ہوا اور مغل گھوڑ سوار سر پر پیر رکھ کر بھاگ گئے۔

تین ہفتہ تک رزم گاہ میں خاموشی چھائی رہی۔ ہمایوں عام حملہ کیلئے تیاریاں کر رہا تھا۔ 24 اپریل 1535ء بروز شنبہ آدھی رات کے وقت بہادر شاہ کی جانب سے توپوں کی متواتر آواز سن کر مغل ششدر رہ گئے۔ یہ سمجھ کر کہ اب دشمن کا حملہ ہونے والا ہے۔ ہمایوں کی تیس ہزار فوج صبح تک صف آرا کھڑی رہی۔ لیکن بہادر شاہ کی جانب سے کسی قسم کی فوجی نقل و حرکت کے آثار نمایاں نہ ہوئے۔ وہاں سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ گجرات کی کثیر التعداد فوج دشمن کی ایک بھی گولی کھائے بغیر پانی کے بلبلہ کی طرح بیٹھ گئی۔ ان کے خیمے ویران ہو گئے اور توپ خانہ نیست و نابود۔ حتیٰ کہ ہاتھیوں کو بھی خود ہی گولی سے ہلاک کر دیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ دفعتہ کیوں ہوا۔ دراصل تین ہفتہ کے عرصہ میں ہمایوں نے طرزِ جنگ یک قلم بدل دیا۔ اب مغل فوج نے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کر بہادر شاہ کی رسد کے ذرائع بند کر دیئے۔ یہ ایک ایسا اتفاقی حادثہ تھا کہ جس کا اندازہ نہ تو بہادر شاہ نے لگایا تھا نہ اس کے منظورِ نظر رومی خاں نے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہادر شاہ کو یہ سانحہ عظیم برداشت کرنا پڑا۔ مغلوں نے بہادر شاہ کی فوج کا پیچھا کیا۔ بڑی مشکل سے گجراتی رسالہ کی مدد سے بہادر شاہ مانڈو تک پہنچ سکا 4 دن بعد ہمایوں بھی وہاں پہنچ گیا۔ اب بہادر شاہ کا حوصلہ پست ہو گیا۔ ایک ماہ

بعد جون 1535ء کو بہادر شاہ مانڈو سے فرار ہو گیا ہمایوں نے کھمبات تک اس کا پیچھا کیا۔ اب گجرات کی تمام سلطنت ہمایوں کے پیروں کے نیچے تھی۔ اس نے مرزا عسکری کو وہاں کا گورنر بنا دیا۔ اور 1536ء کے شروع میں مانڈو لوٹ آیا۔ مالوہ کی خوش گوار صحت بخش آب و ہوا نے ہمایوں کو پھر کاہل و آرام طلب بنا دیا۔ شیر خاں اور محمود شاہ بنگال کا خیال اس کے ذہن سے بالکل نکل گیا وہ یہ بھی بھول گیا کہ مندسور کی لڑائی میں شیر خاں کا دستہ اس کو دغا دے کر بھاگ گیا تھا۔ اور اس عیاری و ریاکاری کے پس پردہ ان کے ارادے کیا تھے؟ شیر خاں کی دلی خواہش تو یہ تھی کہ ہمایوں مغرب میں گجرات سے آگے بھی اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کرتا رہے تاکہ اس دوران میں اس کو بنگال فتح کرنے کا پورا پورا موقع مل جائے۔“

باب ۳۲

سلطان محمود اور مارٹم پرتگیزی

سلطان محمود، شیر شاہ کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح شیر شاہ کے آفتاب عروج کو گہن لگ جائے۔

اس نے بنگال اور گڑھی کے تحفظ کیلئے پرتگالی بحری کپتان مارٹم افونسوڈی میلا جسارٹے سے مشورہ کیا جو اس وقت گور کے زندان خانے میں پڑا ہوا تھا۔ مارٹم ایک جہاز کا کپتان تھا۔ اس نے سلطان محمود سے تعاون کا وعدہ کیا اور گوا کے گورنر ''نونو ڈا کنہا'' سے کمک طلب کرنے کا مشورہ دیا۔

ڈاکٹر کے آر قانون گو نے اس حوالے سے لکھا ہے:

''سلطان محمود سیاسی افق پر کسی نشان سیاہ کا متلاشی تھا۔ جو کچھ دن بعد خطرناک طوفان بن کر شیر خاں پر برس پڑے اور بنگال کو اس کے جارحانہ حملوں سے چند روز کے لیے نجات مل جائے۔ اس کا خیال تھا کہ 1535ء کے موسم گرما میں شیر خاں تلیا گڑھی پر ضرور حملہ کرے گا۔ ہمایوں اس وقت اتنی دور ہوگا کہ شیر خاں کے دل میں اس کے حملہ کا کوئی خدشہ نہ ہوگا۔ چنانچہ اسے گڑھی کی حفاظت ہر قیمت پر خود ہی کرنی تھی۔ کیوں کہ بنگال کی حفاظت کے ہر پہلو سے گڑھی کا اس کے تسلط میں رہنا اشد ضروری تھا۔ انتہائی ناامیدی کی حالات میں سلطان نے

پرتگالی سمندری ڈاکو کپتان ''مارٹم افونسو ڈی میلو جسارٹے'' سے مشورہ کیا جو اس وقت گوڑ میں قید تھا۔ پرتگالی کپتان نے سلطان کو ہر ممکن طریقہ کی مدد کا یقین دلایا بشرطیکہ سلطان گوا کے گورنر ''نونو ڈاکنہا'' سے اس کے متعلق بات چیت شروع کر دے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ فی الحال جو چند پرتگالی جہاز اور سپاہی خلیج بنگال میں موجود ہیں وہ افغانوں کے گڑھی پر ہونے والے حملہ کو روکنے کیلئے کافی ہیں۔ سلطان نے پرتگالی قیدیوں کو فوراً رہا کر دیا۔ اور اس طرح مارٹم قید خانہ سے نکل کر سلطان کا معتبر فوجی مشیر بن گیا۔''

مارٹم پرتگالی ایک معروف کپتان تھا اور چند واقعات کی بنا پر اسے بحری قذاق کہا جانے لگا تھا۔ پرتگالی نئی بندرگاہوں کے متلاشی تھے۔ وہ بنگال کے خزانوں پر بھی تسلط جمانا چاہتے تھے۔نونو ڈاکنہا نے مارٹم کو حکم دیا گیا کہ وہ ''چٹگاؤں'' کی بندرگاہ تلاش کر کے اسے اپنے قبضے میں لے لے۔ وہ چھ جہازوں کے بیڑے کے ساتھ روانہ ہوا مگر دوران سفر ایک مہیب سمندر طوفان نے اسے آن لیا اور وہ اراکان کے ساحل پر پہنچ گیا۔ یہاں سے وہ ایک جہاز پر چٹاگانگ جا پہنچا۔مگر وہ دریائے کرنافلی کی شناخت نہ کر سکا جہاں یہ بندرگاہ موجود تھی۔

اس مقام پر دراصل تین دریا مت مہری، سانکھا اور کرنافلی سمندر میں گرتے تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر اس نے کچھ ماہی گیروں کو گرفتار کر لیا اور ان کی مدد سے چٹگاؤں پہنچے۔ ماہی گیروں نے ''مت مہری'' کے مہانے تک ان کی راہنمائی کی۔سمندر میں اس وقت جوار بھاٹے کی کیفیت تھی جس کی وجہ سے یہ جہاز چکریا تک پہنچ گیا۔مت مہری جذر کے دوران بپھر گیا اور پرتگالی جہاز اس میں پھنس کر رہ گیا۔

چکریا کے گورنر خدا بخش خاں نے مارٹم اور اس کے ساتھیوں کو بحری قذاق سمجھ کر گرفتار کر لیا اسی بناء پر مسٹر کالکا رنجن نے مارٹم کو ''سمندری ڈاکو'' لکھ دیا۔چکریا کے توہم پرست ہندوؤں نے مارٹم کے خوبصورت بھتیجے کو بھینٹ کے طور پر دریا کی نذر کر دیا۔عام طور پر وہ

بھینٹ کیلئے سفید بھیڑ کا انتخاب کیا کرتے تھے۔

محمود نے 1500 پونڈ جرمانے کے عوض مارٹم کو رہا کر دیا۔ 1530ء میں مارٹم گوا چلا گیا۔ 1533ء میں اسے دوبارہ چٹا گانگ بھیجا گیا تاکہ وہ سلطان سے گور میں کارخانہ لگانے کی اجازت حاصل کرے نیز باہمی تجارت کا معاہدہ کرلے۔ مارٹم نے ایک تو اپنا مال بلا محصول لے جانا شروع کر دیا، نیز مسلمانوں کا ایک جہاز لوٹ لیا۔ اس نے اس جہاز سے ملنے والی خوشبودار پانی کی بوتلیں اور دیگر تحائف کے ساتھ ایک پرتگالی ''ڈوارٹے ڈی ازی ویڈو'' کو سلطان محمود کے پاس بھیجا۔ جب سلطان کو ان کی قذاقی کا حال معلوم ہوا تو اس نے ان کی گردن مار دینے کا حکم دیا مگر ایک ولی اللہ کی سفارش پر ان کی جان بخشی کر دی۔ اس نے چٹا گانگ میں موجود پرتگالیوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ چٹا گانگ کے گورنر نے پرتگالیوں کی ضیافت کی اور ضیافت کے بعد انھیں گرفتار کرنے کی کوشش کی۔

دس پرتگالی مزاحمت کے دوران ہلاک ہو گئے جبکہ باقی ماندہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس پر نونو ڈا کنہا نے ایک مضبوط بیڑے کو مینجر اینٹونیو ڈی سلوا کی سرکردگی میں بھیجا تاکہ وہ مارٹم اور اس کے ساتھیوں کی رہائی کیلئے مذاکرات کرے۔ اس کیلئے اسے ہر حربہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اینٹونیو نے پرتگالیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا مگر اسے کوئی مثبت جواب نہ دیا گیا۔ 1534ء میں اس نے چٹگاؤں کی بندرگاہ جلا دی اور عام لوگوں کو موت کی نیند سلا دیا۔

1535ء میں ایک اور پرتگالی کپتان ڈا یجو ربیلو نے مشرق بنگال میں سات گاؤں کی بندرگاہ کا گھیراؤ کر لیا۔ یہی وقت تھا جب سطان محمود پرتگالیوں کی حربی صلاحیتوں اور جنگی قوت کو شیر شاہ کے خلاف استعمال کرنے کیلئے سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ پرتگالیوں کی جنگی صلاحیتوں میں تو کوئی شبہ نہیں تھا۔ مگر تاریخ ثابت کرتی ہے کہ پرتگالیوں کو ملوث کرنے سے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔

افسانہ شاہاں میں ہے:

''سورج گڑھ کی لڑائی کے بعد بنگال کے سلطان محمود کی کمر ٹوٹ گئی۔ اس نے شیر شاہ

سے صلح کر لی اور کوسؔی، حاجی پورؔ، منگیرؔ اور گڑھی کے علاقے دینے کے علاوہ تین لاکھ روپیہ نقد دیا اور چھ لاکھ بعد میں دینے کا وعدہ کیا۔ اس نے بوقت ضرورت ہاتھی فراہم کرنے اور فوج دینے کی ہامی بھی بھری مگر بعد میں نہ صرف کہ وہ اس معاہدے سے مکر گیا بلکہ اس نے گوا کے الفانسو ڈی میلو سے فوجی مدد مانگی۔ اس پر شیر شاہ نے ایک بڑی فوج کے ساتھ بنگال کا رخ کیا''۔

باب ۳۴

بہار پر

سورج گڑھ کی فتح سے شیر شاہ سوری کے عروج کا سورج بھی طلوع ہو گیا۔ وہ بہار کا بے تاج بادشاہ بن گیا تھا اور جلال خاں کے فرار اور محمد شاہ سے مدد کی درخواست سے وہ عوام کی نظروں میں گر گیا تھا۔ امراء اور زمیندار جو شیر شاہ کی انتظامی صلاحیتوں کے پہلے بھی معترف تھے اب اسے قومی ہیرو اور اپنے مفادات کا نگران و پاسبان مان چکے تھے۔

مسٹر ایلیٹ نے لکھا ہے:

''بنگالی فوج کی اس شکست کے بعد شیر خاں نے اپنا کل وقت اپنے علاقہ کے انتظام میں صرف کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قلیل عرصہ میں رعایا کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہو گئی۔ اور انتظام سلطنت عروج پر پہنچ گیا۔ وجہ یہ تھی شیر خاں انتظام کے ہر صیغہ کی دیکھ بھال خود کرتا تھا اور کسی ایذا رساں کے ساتھ مروت سے پیش نہیں آتا تھا۔ خواہ وہ اس کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ جب کوئی شخص اس کی ملازمت میں پہلی مرتبہ داخل ہوتا تو شروع سے ہی وہ اس کو یہ تاکید کرتا تھا۔ ''میں تمہیں پوری تنخواہ دوں گا۔ اس میں ایک کوڑی بھی کم نہیں کروں گا شرط صرف یہ ہے کہ تم نہ تو کسی سے جھگڑا و فساد کرو گے نہ کسی کے ساتھ ظلم و تشدد۔ اگر تم کبھی اس قسم کے جرم کے مرتکب ہو گے تو میں تمہیں ایسی سزا دوں گا جو دوسروں کیلئے عبرت ناک ہوگی۔'' اس تاکید کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی دنوں میں اس کی شہرت عوام میں چار سو پھیل گئی اور ہر کس و ناکس کو علم ہو گیا کہ شیر خاں اپنی فوج کی تنخواہ ماہانہ باضابطہ دیتا ہے۔ وہ نہ تو کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ کسی غیر کو ظلم کرنے کی اجازت دیتا ہے۔''

باب ۳۴

بنگال

جب شیر شاہ سنتھال پرگنہ کے پہاڑی علاقہ سے اپنی فوج کے ساتھ پیش قدمی کیلئے پر تول رہا تھا اس وقت ہمایوں مانڈو میں مقیم تھا۔ شیر شاہ کو ہمایوں کی جانب سے کسی قسم کا خدشہ نہیں تھا۔

سلطان مرزا نے اپنے بیٹوں کے ساتھ مشرقی صوبوں میں بہار کے پاس اپنی حکومت قائم کرنے کیلئے یلغار کر دی۔ اُس کے بڑے لڑکے اُلغ مرزا نے جون پور تک قبضہ کر لیا۔ بلگرام کو دارالحکومت بنالیا گیا۔ گورنر جنید برلاس پر شدید دباؤ ڈالا گیا۔ دُوسرے لڑکے شاہ مرزا نے ہمایوں کے حکام سے کڑا مانک پور کا علاقہ چھین لیا۔ الغ مرزا مشرق میں اودھ اور بنارس پر قبضہ کرنے کیلئے بھی قلعہ جون پور سے کتراتا ہوا آگے بڑھا۔

گوڑ میں شیر شاہ کو یہ خبریں ملیں تو اس نے بنگال کا ہاتھ آیا ہوا تخت چھوڑ دیا اور فوری طور پر محمود شاہ سے صلح کر کے مارچ کے آخر تک بہار لوٹ آیا اور پھر فوج لے کر چنار کی جانب بڑھا تا کہ سرحدی حالات کا جائزہ لے کر حکمت عملی تیار کرے۔

ہندال مرزا آگرہ سے مختصر فوج کے ساتھ مئی 1536ء میں جنید برلاس کی مدد کیلئے بڑھا۔ وہ تیزی سے بلگرام پہنچا تا کہ شاہ مرزا کڑا اور مانک پور سے پسپا ہو جائے۔ شاہ مرزا جنگ آزما ہوا مگر ایک مہیب طوفان نے اسے شکست سے دوچار کر دیا۔ یہاں سے ہندال نے مرزا الغ کو بھی اجودھیا کے نزدیک شکست فاش دے دی۔ مرزا میدانِ جنگ سے بھاگ کر شیر شاہ

سوری کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ ہندال مرزا نے ہمایوں کی اجازت کے بغیر پیچھا کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ سلطان مرزا دو سال تک اپنے بیٹوں کے ہمراہ جھارکھنڈ میں پناہ گزین رہا۔

شیر خاں نے اس دوران سرجو کے مشرق اور بنارس کے ضلع پر قبضہ کر لیا جو اس وقت مغلوں کے ماتحت تھے۔ اسی دوران مرزا عسکری نے بھی بغاوت کر دی اور احمد آباد میں اپنا عہدہ چھوڑ دیا۔ تردی بیگ سے چمپانیر چھیننے کی کوشش کی اور اپنی بادشاہت کے اعلان کیلئے آگرہ کی طرف بڑھنے لگا۔ ہمایوں بغاوت کے شعلے بجھانے کیلئے روانہ ہوا اور 8 جون 1536ء کو چتوڑ پہنچا۔ اس نے مرزا عسکری کو معاف کر دیا اور پھر اگست 1536ء کے پہلے ہفتہ اُس کے مشیر ہندو بیگ کو لے کر آگرہ پہنچ گیا۔ جنید برلاس کی جگہ ہندو بیگ کو جونپور کا گورنر بنا دیا گیا اور اسے شیر شاہ سوری کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کا حکم دیا گیا۔

عباس نے لکھا ہے:

''جب شیر خاں کو یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ بہار پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے اس نے ہندو بیگ کے پاس پیش کش بھیجی اور اُس کو لکھا 'میں نے بادشاہ سے جو وعدہ کیا تھا اس سے میں نے بالکل انحراف نہیں کیا۔ میں نے آپ کے علاقہ میں کوئی مداخلت نہیں کی ہے۔ کیا آپ ازراہِ کرم میری وفاداری کی خبر بادشاہ کے حضور تک پہنچا دیں گے اور اُن کو اس بات پر راضی کر دیں گے کہ وہ اس علاقہ کی طرف رُخ نہ کریں میں آپ کا فرماں بردار اور وفادار ہوں''

ہندو بیگ نے شیر شاہ سوری کے قاصد کو جواب دیا:

''جب تک ہندو بیگ زندہ ہے شیر خاں پر کوئی آنچ نہیں آنے دے گا۔''

ہمایوں کو اپنے خط میں یہ لکھا:

''شیر خاں آنحضرت کا خادم ہے، بادشاہ کے نام کے سکے چلاتا اور اُن کے نام کا خطبہ پڑھتا ہے۔ اُس نے شاہی حدود میں کوئی بھی مزاحمت

نہیں کی ہے۔اور نہ اپنے کسی قول و فعل سے بادشاہ کو ناراضی کا موقع دیا ہے۔''

شیر خاں نے گوڑ سے واپس آ کر جنگی تیاریاں تیز کر دیں۔

عباس نے لکھا ہے:

''اگست 1536ء سے ایک سال تک ہمایوں کے آگرہ میں مقیم رہنے سے شیر شاہ سوری کو بہار سے نکلنے کا موقع نہ ملا۔ ہندو بیگ کے پیغام کے بعد ہمایوں نے بہار جانا ملتوی کر دیا تھا۔''

ہمایوں کے آگرہ لوٹنے کے چھ ماہ کے اندر ہی بہادر شاہ نے اپنے کھوئے ہوئے اضلاع مالوہ اور گجرات پر دوبارہ قبضہ کر لیا جس سے شیر شاہ سوری کو اطمینان ہوا۔مگر جب اسے علم ہوا کہ بہادر شاہ گوا کے پرتگالی گورنر سے مل کر لوٹ رہا تھا کہ پرتگالیوں نے دھوکے سے اُسے سمندر میں غرق کر کے مار ڈالا۔فروری 1535ء میں ہمایوں کی توجہ پھر گجرات کی طرف مبذول ہوئی۔

مسٹر کالکا نے لکھا ہے:

وسط جنوری 1536ء میں شیر خاں مونگیر سے محمود شاہ کے خلاف حملہ کرنے کیلئے پہلی بار روانہ ہوا۔اس نے مونگیر مقام کا انتخاب اس لئے کیا کہ یہ گڑھی کے درّہ پر حملہ کرنے کیلئے سب سے زیادہ مناسب مقام تھا۔افغان مؤرخین نے اس حملہ کے متعلق جو ذکر کیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی لڑائی میں غنیم کا صفایا ہو گیا لیکن پرتگالی ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ 1536ء میں شیر خاں نے پہلا حملہ گورجی (گڑھی) کے مقام پر کیا۔اور دوسرا حملہ ایک گمنام جگہ ''قرن دوز'' پر کیا جس کا کوئی تعین آج بھی ممکن نہیں ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ شیر خاں آسانی سے ان دونوں مقامات پر قابض ہو جاتا کیوں کہ یہاں پر محمود شاہ کے

پرتگالی ان کی حفاظت کررہے تھے۔

کیمپاس میں پرتگالی مؤرخین کا بیان ہے کہ ان کے ہم وطن نہایت ہی دلیری اور جانبازی سے لڑے اور انہوں نے شاہی اصطبل کے ایک ہاتھی کو پکڑ لیا۔ جس پر بہت دنوں سے سلطان کا دل آیا ہوا تھا۔ شاید یہ وہی ہاتھی تھا جو شیر خاں نے سورج گڑھ کی لڑائی میں چھین لیا تھا۔ لیکن ان کی یہ مردانگی اور شجاعت کسی کام نہ آئی۔ شیر خاں اپنے 40 ہزار گھوڑ سوار 16 ہزار ہاتھی اور 300 کشتیاں لے کر ایک دوسرے راستہ سے گوڑ میں داخل ہو گیا۔ تاریخ کے طالب علموں کے لیے شیر خاں کا یہ فوجی کرشمہ بظاہر حیرت انگیز ہے لیکن اس معمہ کی کلید یعنی غیر محفوظ راستہ تاریخ داؤدی میں ملتی ہے اگرچہ اس کے مصنف کو پرتگالی مواد دستیاب نہ تھا۔ تاریخ داؤدی کا بیان ہے:

''شیر خاں بنگال فتح کرنے کے ارادہ سے پہاڑوں کے دامن سے گزرنے والے عام راستہ سے نہ جا کر جنگل کے ایسے راستہ سے داخل ہوا جہاں اس سے پیشتر کوئی انسان نہیں پہنچا تھا اور دفعتہ گوڑ کے سامنے آپہنچا۔''

{تاریخ داؤدی، عبداللہ}

1537ء میں جب شیر شاہ سوری نے دوسری بار بنگال پر حملہ کیا تو ہمایوں کا اس کے متعلق اطمینان ختم ہو گیا۔ اُس نے گجرات کا خیال دل سے نکال کر شیر شاہ کے خلاف لڑنے کا ارادہ کرلیا۔ یہ لڑائی سلطنت مغلیہ کے زوال کا باعث ثابت ہوئی۔

باب ۳۵

شیر شاہ کا عروج

جلال خاں کے بہار سے فرار نے شیر شاہ کی ساری رکاوٹیں دور کردی تھیں اور وہ افغانوں کی امیدوں کا مرکز بن گیا تھا۔

کالکارنجن لکھتا ہے:

''یہ حسنِ اتفاق ہی تھا کہ جس وقت بہادر شاہ کی قسمت کا ستارا بحرِ عرب میں ڈوب رہا تھا۔شیر کی قسمت کا ستارا خلیج بنگال سے طلوع ہو رہا تھا۔''

اس وقت افغان ''اعظم ہمایوں، مسند عالی اور شان اعلیٰ'' کے خطاب اختیار کرتے تھے۔شیر شاہ سوری نے شروع میں مسند عالی کا خطاب اختیار کیا مگر بعد میں ''حضرت اعلیٰ'' اور ایک سال بعد ''اعلیٰ حضرت'' کا خطاب اختیار کرلیا۔

عباس نے لکھا ہے:

''شیر نے اس مرتبہ اپنی فوج کی کمان اپنے دوسرے لڑکے جلال خاں اور قابل سپہ سالار خواص خاں بزرگ کو سونپ دی''

شیر شاہ سوری جب بنگال سے چنار لوٹا تو اس نے بنگالی فوج کو منظم کیا اور بنگال پر حملہ کرنے کیلئے ایک اور فوج گڑھی کے تنگ درّہ اور قرب و جوار کے علاقہ میں جمع کرلی جو بنگال کے سلطان سے صلح کے عوض لیا تھا۔ یہ جگہ بنگال کے دارالسلطنت سے صرف سو میل کی دوری پر تھی۔

''شیر شاہ سوری'' اور اس کا عہد میں ہے:

''شیر خاں نے گڑھی کی جانب کوچ کیا۔ اس نے بظاہر ایسا رخ اختیار کیا کہ وہ اس درہ پر براہ راست حملہ کر کے قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ بنگال کے سلطان نے اس درہ کی حفاظت کیلئے جسے بنگال کا دروازہ کہتے تھے۔ دو جہازوں میں فوج روانہ کی تھی۔ ایک کی کمان ''جواوڈی ولالو بوس'' کے ہاتھ میں تھی اور دوسری فوج کی کمان ''جوادکوریا'' کے پاس تھی۔ چنانچہ یہ بات تعجب انگیز نہیں ہے کہ شیر خاں نے اپنا اصلی مقصد چھپانے کی نیت سے گڑھی کے مقام پر دیدہ و دانستہ ہار برداشت کر لی ہو۔ شیر خاں کی 300 کشتیاں جن کا حوالہ پرتگالیوں نے دیا ہے اس وقت دریائے گنگا پر کہیں بھی موجود نہ تھیں۔ اگر وہ اس وقت دریا پر ہوتیں تو دونوں پرتگالی جہازوں کی گولہ باری سے خاکستر ہو جاتیں لیکن یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ کشتیوں کی بڑی تعداد کے بغیر گنگا کے نیچے بہار سے ہو کر شیر خاں سکری گلی کے آگے پہنچ سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ شیر خاں کشتیوں کو گاڑی پر لاد کر نہیں لے گیا تھا جیسا کہ اورنگ زیب نے خانگی جنگ کے دوران کیا تھا۔ بلکہ اس زمانہ میں بنگال کے دریاؤں میں کشتیوں کی افراط تھی۔ شیر خاں نے یہ کشتیاں وہیں دستیاب کر لیں۔ اب شیر خاں نے اس فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا۔ فوج کے ایک دستہ نے اس کے دوسرے لڑکے جلال خاں کی سپہ سالاری میں گڑھی درہ پر حملہ کرنے کا سوانگ بنائے رکھا اور دوسرے دستہ کی کمان جس میں زیادہ تر گھوڑ سوار تھے اس نے اپنے ہاتھ میں لی اور اس دستہ کو لے کر راج محل کے پہاڑی علاقہ سے گزر کر جانب جنوب گم نام جگہ کیلئے چل دیا۔ یہ وہی پہاڑیاں ہیں جن کا ذکر تاریخ داؤدی میں آیا ہے۔ پھر

وہ جنوب مشرق کی طرف گھوم کر جھارکھنڈ کے جنگلوں میں پہنچ گیا۔اس زمانہ میں یہ ایسا ویران علاقہ تھا کہ جہاں یا تو رہزن لٹیرے بستے تھے یا اڑیسہ کو جانے والے مسافر آتے جاتے تھے۔اس علاقہ میں کوئی سڑک نہیں تھی۔صرف چھوٹی پگڈنڈیاں تھیں جو گرمی کے موسم میں انسان اور مویشیوں کیلئے قابل استعمال ہو جاتی تھیں۔ کیوں کہ گنجان خار دار جھاڑیاں مرجھا کر راستہ بنا دیتی تھیں اور تیز رو پہاڑی ندیاں خشک ہو جاتی تھیں۔''

شیر شاہ نے اس لڑائی کیلئے مقامی لوگوں سے کوسہ، رہوار، مچھوا اور کھلوا کشتیاں حاصل کی تھیں۔

محمود شاہ نے حملہ کے خطرہ کے مقابلہ کیلئے مارٹن الفانسو ڈی میلو کے مشورے پر گوڈ کی قلعہ بندی مستحکم کر لی۔مختلف اضلاع سے بنگالی فوجیں واپس بلا لی گئیں۔محمود شاہ اب چٹاگانگ اور بندرگاہ سنگام سے پرتگالی مدد کا منتظر تھا۔

مغل دریائے جمنا پر جنگی کشتیاں فراہم کر رہے تھے۔اُن کے توپ خانہ کا کمانڈر رومی خاں تھا جو پہلے بہادر شاہ کی فوج میں کمانڈر تھا۔شیر شاہ نے اندازہ لگا لیا کہ مغل چنار اور گوڈ کے قلعوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔شیر شاہ نے محمود شاہ (اس نے غیاث الدین کا لقب اختیار کر رکھا تھا اور اسے افغانوں نے شیر شاہ کی طاقت ختم کرنے کیلئے سلطان بنایا تھا اور اسی نے بہار پر قبضہ کر کے اس کے علاقے اپنے امراء میں تقسیم کر دیے تھے۔) سے ایک سال کا واجب الادا خراج مانگا اور اس کے تساہل پر شیر شاہ نے 1537ء کے موسم خزاں میں بنگال کے خلاف فیصلہ کن معرکے کا ارادہ کرلیا۔ پرتگالی کمک کا راستہ روکنے کیلئے جلال خاں اور خواص خاں کو مشرقی اور مغربی بنگال پر قبضہ کرنے کیلئے بھیج دیا۔

''افونسو واز ڈی برٹو کو چین سے ایک جہاز لے کر بنگال آیا جسے پرتگالی گورنر نونو ڈاکنہا کی ہدایت تھی کہ وہ مارٹم افونسو ڈی میلو کو اپنے ساتھ

لائے اور جو خط امداد کی بابت سلطان محمود شاہ نے لکھا تھا اُس کا جواب لے جائے۔ مگر اس نے چٹا گانگ میں لنگر انداز ہونے میں قدرے تامل کیا کیوں کہ پرتگالیوں کے خلاف اس خبر سے شورش بپا تھی کہ انھوں نے کھمبات میں سلطان بہادر شاہ گجراتی کو قتل کر دیا ہے اور اس کے مال و متاع کو لوٹ لیا ہے۔ لیکن ٹھیک اسی وقت انٹو نیومنیز س کریسٹو ایک تجارتی مال کا جہاز لے کر وہاں پہنچا اور اپنے ساتھ گورنر کا ایک خط بھی لایا جس میں کھمبات کے واقعہ کی تشریح اور وضاحت کی گئی تھی چنانچہ شورش رفع ہو گئی اور افونسوڈ واذ ڈی برٹو چٹا گانگ میں اترا۔ اور گوڈ پہنچ کر اس نے سلطان سے افونسوڈی میلو کو رہا کرنے کی درخواست کی اور گورنر کا خط سلطان کی خدمت میں پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ کمبے میں جنگ شروع ہو جانے کی وجہ سے وہ اپنی فوج سلطان کی مدد کیلئے نہ بھیج سکا لیکن آیندہ سال وہ یقینا ایسا کرے گا۔ محمود شاہ نے مارٹم افونسو اور اس کے ساتھیوں کو بنگال سے جانے کی اجازت دے دی۔ اس نے صرف افونسوڈی مرٹو اور اس کے پانچ ہمراہیوں کو گورنر کے ایفائے وعدہ کی ضمانت کے طور پر روک لیا۔ مارٹم افونسو کی روانگی کے چند ماہ بعد 1538ء میں پرتگالی کپتان واسکو پیرس ڈی سمپایو چٹا گانگ آیا اور اس کے ساتھ گورنر نونو ڈاکنہا نے اپنے وعدہ کو پورا کرنے کیلئے 9 جہاز بھی بھیجے لیکن اس وقت تک حالات بدل چکے تھے۔ اب چٹا گانگ بندرگاہ پر سلطان محمود کے گورنر خدا بخش کا قبضہ نہیں بلکہ شیر خاں کے افسر 'نوغازل' کا تسلط تھا۔ پرتگالی کپتان نے 'نوغازل' کے معاملات میں کوئی مزاحمت و مداخلت نہیں کی۔ اس نے ایک دوراندیش افسر کی طرح تب تک کیلئے غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کیا

جب تک کہ واقعات کا رخ اس کے دوست بنگال کے سلطان کی
موافقت میں نہ ہو جائے۔ جب شیر حاں کی فوجی چال کا حصہ اول
غیر متوقع طور سے کامیاب ہو گیا تو شیر خاں نے جو ابھی تک افسران
فوج کے عقب میں حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کامیابی کا فائدہ
اٹھانے کیلئے اکتوبر 1537ء میں مع اپنی فوج کے گنگا پار کی اور جلال
خاں وخواص خاں کے فوجی دستوں کو گوڑ کی جانب بڑھنے کا حکم دیا۔
شاید دسمبر 1537ء میں گوڑ کا محاصرہ شروع ہو گیا۔ لیکن اس کے فوراً
بعد ہی شیر خاں اس کام کو جلال خاں اور خواص خاں کی متحدہ کمان کو سپرد
کر کے واپس لوٹ آیا اور تین ہفتہ میں 464 میل کا سفر طے کر کے گوڑ
سے چنار آ گیا تا کہ چنار کے قلعہ سے اپنے بیوی بچوں اور خزانہ کو ہٹا کر
50 میل دُور جھارکھنڈ کے پہاڑی قلعہ میں بھیج دے۔ جنوری 1538ء
میں ہمایوں نے چنار کا محاصرہ شروع کیا۔

سلطان محمود نے شیر شاہ کو 13 لاکھ طلائی سکے دیے اور اس طوفان کا رخ موڑنے
میں کامیاب رہا۔ لیکن شیر شاہ کے فوری طور پر واپس جانے کی ایک وجہ شاید یہ بھی رہی کہ
ہمایوں چنار کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

باب ۳۶

قلعہ چنار پر ہمایوں کا حملہ

شیر شاہ کے بڑھتے ہوئے عروج کے خطرے سے نمٹنے کیلئے ہمایوں نے بنگال پر حملہ کرنے کیلئے فوج منظم کرنے کا حکم دیا۔حکومت کا انتظام اس انداز سے کیا کہ اس کی عدم موجودگی میں کسی بدامنی کا امکان نہ رہے۔

مرزا عسکری، مرزا ہندال اور رومی خاں کو اس مہم پر تعینات کیا۔ بنگال میں دریاؤں کے پیش نظر بہت سی کشتیاں بھی فراہم کر لی گئیں۔ جولائی 1537ء میں شاہی پیش خانہ آگرہ سے باہر نصب کر دیا گیا۔اس وقت جمنا میں سیلاب تھا جس کے اُتر جانے کا انتظار بھی کیا گیا تاکہ فوج خشکی اور دریائی راستوں سے باسہولت آگے بڑھ سکے۔

نومبر 1537ء میں ہمایوں شاہی بیڑہ پر اپنی بیگمات کے ہمراہ سوار ہوا۔ اکثر سپاہیوں نے بھی اپنی بیویاں ساتھ لے لیں۔ رسالہ اور توپ خانہ خشکی کی راہ سے اور کشتیوں کا بیڑہ دریائے جمنا سے ایک ساتھ پریاگ پہنچے۔

ہمایوں پہلے گور کے قلعے پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن رومی خاں اور اعلیٰ افسروں کی تجویز پر پہلے چنار کے قلعہ پر قبضہ کرنے کا پلان بنایا گیا جو ایک خطرناک غلطی ثابت ہوا۔

جوہر نے لکھا ہے:

’’944 ہجری مطابق 8 جنوری 1538ء شب برات کو شاہی فوج چنار کے نزدیک پہنچ گئی۔اس مبارک رات کی صبح کو مغل فوج کا ہراول دستہ

چنار کے قلعہ کے سامنے رُونما ہوا اور غالباً 10 جنوری 1538ء کو قلعہ کا باقاعدہ گھیرا ڈال دیا گیا۔''

کالکارنجن نے چنار کے قلعہ کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''چنار کا قلعہ ایک پہاڑ کی نکلی ہوئی نوک پر واقع ہے۔ یہ پہاڑی سلسلہ تقریباً 150 فٹ اونچا ہے۔ یہ قلعہ مرزا پور سے جو گنگا کے جنوبی کنارے پر ہے اور بنارس سے جو گنگا کے مغربی کنارے پر ہے۔ 18 میل کے برابر فاصلہ پر واقع ہے۔ اس مقام پر گنگا چنار قلعہ کا ایک دائرہ بناتی ہوئی جانب شمال بہتی ہے۔ اس قلعہ کی لمبائی اگر اس کی نوک کو بھی شامل کر لیا جائے تو تقریباً نصف میل ہے اور چوڑائی سو گز سے لے کر 300 گز تک ہے۔ اس قلعہ کے ہر تین جانب تیز رفتار گنگا بہتی ہے۔ جنوب میں اس کی پتلی نوک کسی زمانہ کے شارع عام اور پہاڑیوں سے ملحق ہو جاتی تھی۔ فن حرب کے نقطہ نظر سے اس کا استحکام اور حربی اہمیت اس کے رقبہ کے مقابلہ میں بدر جہا زیادہ وزن دار ہے۔ اگر ہمایوں چنار کا محاصرہ 15 دن پیشتر شروع کر دیتا تو اس کا یہ حملہ شیر شاہ کی کمر توڑ دیتا۔ اس وقت شیر خاں نہ تو افغان عورتوں و بچوں کو قلعہ سے باہر نکال پاتا نہ اس کی حفاظت کیلئے مزید کمک ہی قلعہ میں بھیج سکتا تھا اور نہ کافی رسد ہی فراہم کر سکتا تھا۔ لیکن اب وقت نکل چکا تھا۔ ہمایوں اپنی غفلت سے شیر کے تیار کردہ دام میں پھنس چکا تھا۔ شیر خاں چاہتا تھا کہ بنگال کی فتح سے قبل اس کا کوئی بھی نیا دشمن اس کی مزاحمت نہ کرے۔ چنار کے اس محاصرہ سے ہمایوں نے اس کی یہ خواہش پوری کر دی۔ شیر خاں نے غازی خاں سور اور سلطان سروانی کو قلعہ کی حفاظت کیلئے چھوڑ دیا اور خود وندھیاچل پہاڑی کے پیچھے جھارکھنڈ مقام

سے مغلوں کی نقل وحرکت کی نگرانی بغیر کسی قسم کے تصادم یا مزاحمت کے کرتا رہا۔''

ایلفنسٹن لکھتا ہے:

''چونکہ ہمایوں نے یہ سفر دریا کے راستے طے کیا تھا اور توپ خانہ ورسد پہنچانے کیلئے بحری راستہ کی ضرورت تھی۔ لہٰذا چنار کا محاصرہ فوجی نقطہ نظر سے اشد ضروری تھا۔''

چنار کے قلعہ کا محاصرہ تین ماہ تک جاری رہا جس دوران قلعہ پر شدید بمباری کی جاتی رہی مگر زیادہ تر حملے ناکام رہے اور مغلوں کا جانی ومالی نقصان ہوا۔

عباس نے لکھا ہے:

پہاڑ کے دامن سے لے کر مغل سرائے تک ان کے خیمے گڑے ہوئے تھے غالباً اسی وقت سے اس مقام کا نام مغل سرائے پڑا ہوگا کیوں کہ مغل فوج آکر یہاں ٹھہرتی تھی۔ مغل فوج نے خشکی کے راستہ چنار کو تین طرف سے گھیر لیا تھا اور بحری راستہ سے مغلیہ بیڑے نے رسد کے راستے بند کر دیئے تھے۔''

رومی خاں کی عیّاری

ایک دن اہل قلعہ نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ رومی خاں اپنے ایک غلام کو کوڑے سے بری طرح پیٹ رہا تھا۔ غلام آگے آگے بھاگتے ہوئے بلبلا رہا تھا۔ غلام اچانک بدک کر قلعے کی طرف لپکا۔ اہل قلعہ نے ترس کھا کر دروازہ کھول دیا اور غلام کو اندر لے گئے۔ اس غلام کا نام خلالت یا کلانت بیان کیا جاتا ہے۔ بہت جلد اس غلام نے افغانوں کا اعتماد حاصل کر لیا۔ افغانوں نے اسے اپنے دفاعی انتظامات دکھائے اور اس سے مشورہ کے انداز میں پوچھا کہ وہ رومی خاں کے توپ خانے کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں۔ مگر غلام ایک روز موقع پا کر نکل

بھاگا اور اس نے رومی خاں کو جا کر ان کے تمام دفاعی انتظامات اور ان کی خامیوں سے آگاہ کر دیا۔

اب رومی خاں نے ہمایوں سے اجازت طلب کی کہ وہ اہل قلعہ کے پانی کی رسد بند کر دے۔ ہمایوں نے اسے اس بات کی اجازت دیدی۔

اس نے دریا میں کشتیوں کی مدد سے اتنا بلند مینار تعمیر کر لیا جس پر سے تمام قلعے کو اندر سے بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ اس کے بعد رومی خاں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ قلعے پر ہر جانب سے حملہ کر دیا جائے اور قلعہ کی تسخیر تک حملہ جاری رکھا جائے۔ یہ لڑائی نصف شب تک جاری رہی۔ قلعہ سے بھرپور مزاحمت کی گئی۔ 700 کے لگ بھگ مغلیہ فوجی مارے گئے اور کشتیوں کے مینار پر آگ پھینک کر اس کا بالائی حصہ جلا دیا گیا۔ جسے اگلی صبح مرمت کر لیا گیا۔ اب اہل قلعہ کو یقین ہو گیا تھا کہ مغل قلعہ تسخیر کیے بغیر دم نہیں لیں گے لہٰذا انھوں نے امان طلب کی اور صلح کی پیشکش کی۔ ہمایوں نے وعدہ کیا کہ ان کی جان بخشی کی جائے گی۔

جوہؔر کے مطابق:

''اب بادشاہ سے رومی خاں نے کشتیوں پر ایک بلند مینار بنانے کی اجازت چاہی۔ جس سے وہ غنیم کی پانی کی رسد کو روک سکے تاکہ ان کی زندگی محال ہو جائے۔ بادشاہ نے فرمان جاری کر دیا کہ وہ اپنی حسب خواہش ہر ضروری کارروائی کر سکتا ہے۔ بادشاہ سے مکمل اختیارات مل جانے کے بعد اس نے چند مہینوں میں تین کشتیوں پر ایک ایسا بلند مینار تیار کر لیا۔ جہاں سے قلعہ کا ہر کونہ دکھائی دیتا تھا۔ مینار کی تیاری کے بعد اس نے بادشاہ سے اجازت لی کہ وہ اس مینار کو قلعہ کے نزدیک لے جائے۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی التجا کی کہ بادشاہ ہر چہار جانب سے اپنی فوج کو قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دے دیں۔ اور لڑائی تب تک جاری رکھی جائے جب تک قلعہ مکمل طور پر قبضہ میں نہ آ جائے۔ بادشاہ نے

ایسا ہی کیا۔لڑائی شروع ہو گئی۔اور آدھی رات تک زور وشور سے چلتی رہی۔تقریباً 700 مغل سپاہی ہلاک ہو گئے۔اور انتہائی کوشش کے باوجود قلعہ پر قبضہ نہ ہوسکا۔غنیم کی آتشبازی سے مینار کا ایک حصہ بھی ٹوٹ گیا۔دوسرے روز علیٰ الصبح اس کی مرمت کی گئی۔جب افغانوں نے یہ دیکھ لیا کہ مغلوں کا ارادہ مستحکم ہے اور ایک نہ ایک دن وہ قلعہ پر ضرور قبضہ کر لیں گے۔تو انھوں نے صلح کا پیغام بھیج دیا۔اور قلعہ کو اس شرط پر بادشاہ کے حوالہ کرنا منظور کیا کہ وہ ان کی جان کی سلامتی کا وعدہ کر لیں بادشاہ نے ان کو حفظ جان کا یقین دلا کر قلعہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔''

اہل قلعہ سے بہیمانہ سلوک

قلعہ پر مغلیہ فوج کے جھنڈے لہرانے لگے۔مو ید بیگ نے ہمایوں کے صلح نامے میں تبدیلی کرتے ہوئے یہ اضافہ کر دیا کہ جنگی مجرموں کے ہاتھ قطع کر دیے جائیں گے۔آج بھی جارح ملک جب حملہ کے بعد وہاں قابض ہو جاتا ہے تو اپنے وطن کا دفاع کرنے والے اس کی نگاہوں میں ''جنگی مجرم'' ہوتے ہیں۔

قلعہ میں 2000 افراد کو حراست میں لیا گیا تھا۔جن میں سے 700 افراد کے جو توپچی تھے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے۔یہ ایسا سنگین ظلم تھا کہ جس نے بھی سنا کانپ اٹھا، بلکہ بعد میں کئی لوگوں کا تو یقین ہو گیا کہ اس ظلم اور تذلیل انسانیت کی وجہ سے مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہو گئی تھی۔چنار کا قلعہ رومی خاں کے سپرد کر دیا گیا۔رومی خاں بعد ازاں اسی قلعے میں زہر خورانی سے ہلاک ہو گیا۔مو ید بیگ اگرچہ ایک طویل عرصہ زندہ رہا مگر لوگ ہمیشہ اسے بدعائیں ہی دیتے رہے۔کالکارنجن نے لکھا ہے:

''قلعہ پر قبضہ کر لینے کے بعد مغلوں نے افغان خون کا دریا بہا دیا۔

ہمایوں نے رومی خاں کے دیئے ہوئے وعدہ کو پورا کرنے کیلئے جو حکم صادر کیا تھا۔ موید بیگ دلدائی نے جو دربار کا ایک معتبر افسر تھا اس حکم میں ردوبدل کر دیا اور اس میں لکھ دیا کہ افغانوں کے ہاتھ قلم کر دیئے جائیں نتیجہ یہ ہوا کہ رومی خاں نے دو ہزار قیدیوں میں سے 700 توپچیوں کے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ ایلفنسٹن نے رومی خاں کی اس حرکت کی مذمت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نے یہ کام اپنے پیشہ کے حسد کی وجہ سے کیا۔ چنار رومی خاں کے سپرد کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد زہر سے رومی خاں کی وفات ہوگئی مگر موید بیگ بعد تک زندہ رہا۔ ہمایوں کے علاوہ تمام مغل اس کو دعائے بد دیتے رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ اسی شیطان کی بدولت ہندوستان کی مغل سلطنت کا زوال ہوا۔

دوسری جانب شیر شاہ کو توقع تھی کہ چنار کا محاصرہ طول پکڑ جائے گا اور اس اثناء میں وہ گور سے فارغ ہو کر چنار کیلئے کمک بھیج دے گا مگر تین ماہ کے قلیل عرصے میں ہی چنار کا قلعہ مغلوں کی طاقت کے سامنے سرنگوں ہوگیا۔

خواص خاں کی موت

خواص خاں شیر شاہ کا دست راست تھا۔ وہ ملک سکھا کا بیٹا تھا۔ ملک سکھا کا خاندان شروع ہی سے ابراہیم لودھی کے خدمت گاروں میں چلا آ رہا تھا۔ خواص خاں ملک سکھا کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ خواص کے دوسرے بھائیوں کے نام صاحب خاں اور شمشیر خاں تھے۔

خواص خاں نے گور پر بھرپور حملہ کیا اور خندق پار کرنے کی کوشش میں ڈوب کر ختم ہوگیا۔ اس کی ناگہانی موت سے شیر شاہ کو سخت صدمہ پہنچا۔ اس نے خواص خاں کے چھوٹے بھائی صاحب خاں کو نہ صرف خواص خاں کا عہدہ دے دیا بلکہ اسے بھی ''خواص خاں'' کا خطاب دیا اور اپنے بیٹے جلال خاں کے ساتھ تعینات کر دیا۔

اس خواص کو چھوٹا ''خواص خاں'' کہا جاتا تھا۔خواص خاں سخی خواص کے نام سے معروف ہوا۔خواص خاں ایک صوفی منش اور مذہبی انسان تھا۔اس نے بے شمار کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ سخی خواص خاں کا مزار قلعہ روہتاس جہلم میں ہے۔ راقم کی کتاب آئینہ روہتاس میں لکھا ہے:

''شیر خاں نے چنار کے قلعہ میں بارود اور رسد کا کافی ذخیرہ فراہم کرلیا تھا اور اس نے اس کی حفاظت کیلئے معمول سے زیادہ فوج مقرر کی تھی۔ اسے یہ امید تھی کہ برسات شروع ہونے تک اس کی فوج قلعہ کی حفاظت کر سکے گی۔ بعدازاں اس کی فوج کا کافی حصہ بنگال کی مہم سے فراغت پا کر قلعہ کی کمک کیلئے دستیاب ہو جائے گا۔لیکن قلعہ چنار نے اس کی یہ امید پوری نہ کی اور صرف تین مہینے کے اندر ہی گھٹنے ٹیک دیئے، ابھی برسات شروع ہونے میں دو ماہ باقی تھے۔مغل فوج اس دوران میں شیر خاں کا تعاقب کرسکتی تھی اور افغان فوج کے واپس بہار لوٹنے کے منصوبہ کو ناکام بنا سکتی تھی۔ چنار کے محاصرہ کے وقت بنگال سے آنے والی خبریں بھی مایوس کن تھیں۔خواص خاں جو ملک سکھا کا سب سے بڑا لڑکا تھا قلعہ پر حملہ کرنے کی جان توڑ کوشش کرتے وقت گوڑ کی خندق میں ڈوب گیا تھا۔شیر خاں نے اس کی وفات کے بعد خواص خاں کا خطاب اس کے چھوٹے بھائی صاحب خاں کو عطا کیا اور اس مرحوم بھائی کا رتبہ اور عہدہ اس کو دے دیا اور اُسے گوڑ کے محاصرہ میں اپنے لڑکے جلال خاں کا ہم رکاب بنایا۔ کہنے کو تو صاحب خاں شیر شاہ کے خاندان کا موروثی غلام تھا لیکن اس میں تاج پہننے کی صلاحیت تھی۔ اس میں ایک بہترین سپاہی اور شہزادہ بننے کے تمام اوصاف موجود تھے۔صاحب خاں نے جو ''چھوٹا خواص خاں'' کے نام سے

مشہور ہوا اس نے شیر شاہ کیلئے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔"

جب مارچ 1538ء میں چنار کا قلعہ مغلوں کے ہاتھ چلا گیا تو شیر شاہ کو اس بات کی فکر دامن گیر ہوگئی کہ اسے اب اپنے بیوی بچوں اور خزانے کو کسی محفوظ مقام پر منتقل کرنا ہوگا۔ جھارکھنڈ دفاعی نکتۂ نظر سے زیادہ مضبوط نہیں تھا اور پھر ہمایوں اگلے ہدف کے طور پر اسی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کو یہ بھی خیال تھا کہ شیر گڑھ کا قلعہ جو روہتاس سے بطرف شمال واقع تھا اور سہسرام سے 31 کلومیٹر جنوب کی سمت تھا۔ طویل محاصرے کے سامنے کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔

اس صورت حال میں شیر شاہ نے روہتاس کے راجا سے اس کے برہمن وزیر چورا من کی وساطت سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے راجا سے درخواست کی کہ وہ افغان مستورات، بچوں اور خزانے کو پناہ دے۔ راجا نے یہ درخواست منظور کر لی۔ شیر شاہ غالباً اس سے پہلے بھی اس قلعہ میں پناہ گزیں ہو چکا تھا۔ اب کی بار چونکہ مغل ایک طوفان بلاخیز کی صورت میں بڑھے چلے آرہے تھے اور شیر شاہ نے ان کو روکنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ راجا کے ذہن میں تھا کہ اگر شیر شاہ مغلوں کے مقابلہ میں کام آ گیا تو افغان مستورات اور خزانہ اسی کے تصرف میں ہوگا۔ اس قلعہ کا حاکم ہر کشن (پورن مل) تھا۔

باب ۳۷

قلعہ روہتاس پر قبضہ

جب راجا نے شیر شاہ کی درخواست منظور کر لی تو شیر شاہ نے افغان مستورات کو قلعہ کے اندر بھیجنا شروع کر دیا۔ یہ خواتین پالکیوں میں سوار تھیں اور ہر پالکی کے ساتھ دو دو کہار تھے۔ یہاں تک پہنچنے کیلئے شیر شاہ نے کرم ناسہ اور سون ندی کے درمیانی کوہستانی اور دشوار گذار راستہ اختیار کیا تا کہ مغل اس کی نقل وحرکت سے بے خبر رہیں۔شیر شاہ نے اب قلعہ روہتاس پر قبضہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ان تمام پالکیوں میں جو قلعہ میں داخل ہو رہی تھیں افغان سپاہی اور ہتھیار پوشیدہ تھے۔

قلعہ روہتاس کے اندر پہنچتے ہی افغان سپاہیوں نے تلواریں سونت لیں۔صورت حال اس قدر متحیر کن تھی کہ راجا کے سپاہیوں کو سنبھلنے تک کا موقع نہ مل سکا۔راجا کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ اپنے اہل وعیال سمیت قلعے سے باہر نکل جائے۔ یہ قلعہ چنار کے قلعے سے چار گنا بڑا اور زیادہ مضبوط تھا۔اس کے قبضے میں آ جانے سے شیر شاہ کی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ یہ قلعہ بہار کے ضلع شاہ آباد میں واقع ہے 83 طول اور 24 ارض بلد پر واقع ہے یہ شمالاً جنوباً 23 اور شرقاً غرباً 6 کلومیٹر ہے۔سون ندی کے راج گھاٹ سے اس قلعہ میں داخل ہونا آسان ہے۔

کالکا رنجن نے اس حوالے سے لکھا ہے:

''مارچ 1538ء کے آخری ہفتہ میں چنار کے قلعہ کے ہاتھ سے نکل

جانے کے بعد شیر خاں کے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ قلعہ کے خزانے اور بیوی بچوں کو کس جگہ حفاظت کیلئے منتقل کیا جائے۔شیر خاں کو معلوم تھا کہ بھارکھنڈ اس کام کیلئے بہت چھوٹی جگہ ہے اور ہمایوں اس پر حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔اس کا دوسرا قلعہ شیر گڑھ بھی جو روہتاس سے جانب شمال اور سہسرام سے 20 میل جنوب مغرب میں واقع ہے طویل محاصرہ کیلئے موزوں نہیں ہے۔ پھر شیر خاں نے مستورات و بچوں کو قلعہ سے باہر نکالنے کا کام شروع کر دیا۔اس نے یہ کام اس طریقہ سے کیا کہ مغلوں کی نظر میں یہ بات نہ آ سکے۔اس کام کیلئے اس نے ان نا قابل عبور گھاٹیوں کا سہارا لیا جو کہ کرم ناسہ اور سون ندی کے درمیان واقع ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے روہتاس کے راجا کے پاس اس کے براہمن وزیر چورامن کے توسل سے ایک درخواست بھیجی کہ وہ افغان شرنارتھیوں کو عارضی طور پر قلعہ میں جگہ دے دے۔اب سے کچھ سال پیشتر ایک بار راجا نے شیر خاں اور اس کے خاندان کو اس قسم کی پناہ دی تھی۔ جب چوند کے محمد خاں سوری نے اس کو باہر نکال دیا تھا راجا کی رگوں میں راجپوتی خون تھا اس کی غیرت اور حمیّت اس بات کو گوارا نہ کر سکتی تھی کہ وہ مستورات اور بچوں کو پناہ دینے سے انکار کر دے۔خواہ وہ دوسرے ہی مذہب کے کیوں نہ ہوں۔ راجا اس بات کیلئے رضا مند ہو گیا۔ افغان بیگمات ڈولیوں میں بیٹھ کر قلعہ میں داخل ہونے لگیں۔ راجا نے یہ سمجھ کر کہ مسلمان عورتیں پردے کی قائل ہوتی ہیں ڈولیوں کی تلاشی کو معیوب سمجھ کر کچھ نہ کہا۔لیکن شیر خاں نے پہلے سے ہی سے منصوبہ بنا رکھا تھا جوں ہی ڈولیاں قلعہ میں داخل ہوئیں افغان سپاہی تلواریں کھینچ کھینچ کر

ڈولیوں سے کود پڑے اور راجا اور راجپوت سرداروں کو قلعہ سے باہر نکال دیا۔ راجا افغان سپاہیوں کے اس غیر متوقع حملے سے ششدر و حیران ہو کر مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ اس طریقہ سے شیر خاں نے روہتاس کے قلعہ پر قبضہ کر کے اپنے چنار کے نقصان کی تلافی کر لی۔ یہ قلعہ چنار کے مقابلہ چار گنا زیادہ بڑا اور مضبوط تھا۔ ٹھیک اس وقت شیر خاں کو خبر ملی کہ خواص خاں نے 6 ذیقعد 944 ہجری (مطابق اپریل 1538ء) کو گوڑ پر قبضہ کر لیا ہے۔''

کالکا نے لکھا ہے:

''آئندہ سالوں میں شیر خاں نے روہتاس کو ایک نعمت غیبی سمجھا اور اس نے پنجاب میں راولپنڈی کے نزدیک ایک دوسرا روہتاس آباد کیا۔ اس واقعہ کے متعلق اتنا ہی لکھنا کافی ہے کہ اس وقت شیر خاں کو افغان مستورات و بچوں کیلئے روہتاس جیسے قلعہ کی اشد ضرورت تھی جہاں وہ ان کو با حفاظت چھوڑ کر با اطمینان مغلوں سے جنگ جاری رکھ سکے۔ اور اس لئے اس نے اس قلعہ پر قبضہ کر لیا۔''

جبکہ دوسرا قلعہ روہتاس پنجاب کے معروف تاریخی ضلع جہلم کی تحصیل دینہ میں واقع ہے۔

شیر شاہ سوری کے قلعہ روہتاس پر قبضہ کے حوالے سے ڈاکٹر عطیہ الرحمن نے لکھا ہے:

''راجا ہر کشن سے شیر شاہ کے پرانے مراسم تھے اور اس نے خط و کتابت سے راجا کو قائل کر لیا کہ وہ افغان مستورات کو قلعہ میں پناہ دے۔ شیر شاہ نے 1000 پالکیاں (ڈولیاں) تیار کیں اور ان پر پردہ ڈال کر ہر ڈولی میں دو سپاہی بٹھائے اور 500 سواروں کو مزدوروں

کے بھیس میں ٹوکریاں اور ڈنڈے دے کر روہتاس کی جانب بھیج دیا۔ پہلی چند ڈولیوں میں بوڑھی عورتیں تھیں جنھیں دیکھ کر راجا کے اہل کار مطمئن ہو گئے اور باقی ڈولیوں کی چھان بین نہ کی۔ اندر پہنچتے ہی ڈولیوں سے سپاہی نکل آئے اور انھوں نے راجا اور اس کے سپاہیوں کو نرغے میں لے لیا۔ شیر شاہ بھی اشارہ پا کر دستوں کے ساتھ اندر گھس آیا۔ راجا کو قلعہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا اور وہ اپنی جان بچا کر اپنے سپاہیوں سمیت نکل گیا۔ یہ قلعہ پانچ کوس کے پھیر میں ہے۔ مین دروازے تک ایک کوس فاصلہ ہے۔ اس میں محض چند فٹ کھدائی سے میٹھا پانی ابل پڑتا ہے۔ یہ قلعہ اب معہ خزانوں کے شیر شاہ کی ملکیت تھا۔''

''تاریخ جہلم'' میں ہے:

''شیر شاہ نے 1539ء میں شاہ آباد ڈسٹرکٹ میں روہتاس گڑھ کا قلعہ بھی فتح کر لیا۔ اس پر ایک ہندو راجا حکمران تھا اور شیر شاہ سوری اس سے قبل ہمایوں کے خطرے کے پیش نظر اس قلعہ میں پناہ لے چکا تھا۔ اب اس نے پھر ایک پلان بنایا اور بہت سی خواتین کے ساتھ پناہ کا طلبگار رہا اس نے حاکمِ قلعہ راجا ہر کشن سے درخواست کی کہ وہ ہمایوں سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے مگر اس سے قبل وہ اپنا خزانہ اور مستورات کو اس کی حفاظت میں چھوڑنا چاہتا ہے۔ راجا نے یہ سوچ کر کہ شیر شاہ ہمایوں سے شکست کھا جائے گا اور نیز خواتین کو اسے قلعہ میں رکھنے میں کوئی نقصان نہیں اس کی درخواست قبول کر لی۔ اس پر شیر شاہ نے ان عورتوں کو اپنی خالائیں اور پھوپھیاں اور دیگر عزیز ظاہر کر کے قلعہ میں بھیج دیا ان کے ساتھ بیل گاڑیوں پر کھانے پینے کا سامان اور پھل

وغیرہ تھے جن کے نیچے ہتھیار چھپائے گئے تھے۔ ہر پالکی کے اندر بھی تلواریں چھپائی گئی تھیں۔ روایت کے مطابق ان پالکیوں کی تعداد ایک ہزار تھی یعنی ان کے کہار اگر دو دو بھی فرض کر لئے جائیں تو تین ہزار سپاہی اس چال سے اندر چلے گئے۔ جب یہ خواتین پالکیوں میں بیٹھ کر اندر پہنچیں تو انھوں نے اپنے برقعے اتار دیئے اور ان میں سے شمشیر بکف پٹھان نکل آئے۔ لہٰذا انھوں نے اس قلعہ پر قبضہ کر کے یہاں کے محافظوں کو نکال باہر کیا راجا ہرکشن نے کچھ دیر جنگ جاری رکھی مگر جب شیر شاہ بھی اندر آ گیا تو اس نے فرار ہو جانے میں ہی عافیت جانی۔ اس قلعہ کے ہاتھ آ جانے سے شیر شاہ کی قوّت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا اور وہ بنگال پر قبضہ کرنے، مغلوں کی قوّت کو کمزور کرنے اور بالآخر انھیں ہندوستان سے نکالنے کے قابل ہو گیا۔

روہتاس گڑھ 20.37 شمالی اور 80.33 مشرقی پر دریائے سون کے کنارے واقع ہے۔ اس کا تعلق سورج بنسی راجا ہریش چندر سے بیان کیا جاتا ہے۔ وہ روہت سوا Rohatisava کا بیٹا تھا اسی کے نام پر قلعہ کا نام روہتاس رکھا گیا اور جس پہاڑ پر یہ قلعہ واقع تھا اسے مقدس پہاڑ کا درجہ حاصل ہو گیا۔''

{تاریخ جہلم، انجم سلطان شہباز}

صوبہ بہار کے اس قلعے کے متعلق ایک کتاب ''مسلم شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا'' میں تحریر ہے۔

''دشوار گذار سر بہ فلک کشید پہاڑ پر یہ قلعہ چودہ کوس کے پھیر میں کھڑا ہے۔ اندر کتنے ہی چشمے ابلتے ہیں۔ کھیتی ہوتی ہے۔ برسات میں دو سو تالاب کٹورے کی طرح چھلکتے ہیں۔ آبشار جنت نگاہ اور فردوس گوش

بن جاتے ہیں۔‘‘

باب ۳۸

گور کی فتح

اسے قدیم زمانے میں ''لکھنوتی'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اہل فارس نے اسے ''کور'' ہندوؤں نے ''گور'' بنگالیوں نے ''گوڈ'' اور کھڑی بولی والوں نے ''گوڑ'' کا نام دیا۔ عین اس وقت جب شیر شاہ نے قلعہ روہتاس پر قبضہ کیا تھا ٹھیک اسی وقت یعنی اپریل 1538ء میں خواص خاں نے گور پر قبضہ کر لیا۔ شیر شاہ کی آنکھ ایک عرصے سے بنگال پر تھی یہی وجہ ہے کہ اس نے موقع پاتے ہی گور پر حملہ کر دیا اور نہایت آسانی سے مقابل افواج کو شکست سے دوچار کر دیا۔ وہ نہایت سرعت سے بنگال میں گھسا اور فروری 1536ء میں قلعہ گور کی فصیلوں تک جا پہنچا۔ بنگالیوں نے کوئی مزاحمت نہیں اور محمد شاہ والی بنگال نے شیر شاہ کو تین لاکھ طلائی تنکے دے کر مصالحت کر لی۔ اس کے بعد افغانوں کا بنگال پر قبضہ ہو گیا۔ جب ہمایوں نے یہ سنا تو وہ خود گور کی جانب بڑھا۔ یہ خبر سنتے ہی شیر شاہ نے گور کا قبضہ چھوڑا اور دریائے گنگا کے کنارے کنارے چلتا ہوا ''منگیر'' کے مقام سے دریا کو عبور کر کے پار چلا گیا۔ ہمایوں کو بنگال میں بڑی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا جس پر اس نے شیر شاہ سے صلح کی کوشش کی جو ناکام رہی۔

جوھر نے اس حوالے سے لکھا ہے:

''چنار کی تسخیر کے کچھ دن بعد مارچ 1538ء میں شہنشاہ نے بنارس کی جانب کوچ کا حکم دیا اور سارناتھ کے قرب و جوار میں اپنا پڑاؤ ڈال

دیا۔ یہاں اس نے اشوک کی لاٹ کے ٹیلہ پر ایک چھتری بنوائی۔ اسی
عرصہ میں شیر خاں بھی بھارکھنڈ واپس آ گیا تھا وہ بھی اس ارادہ سے کہ
بادشاہ کے مقصد کا اندازہ لگا سکے۔ جب ہمایوں کو یہ خبر ملی کہ شیر خاں
نے بنگال فتح کر لیا ہے تو اس نے روہتاس اور بھارکھنڈ کے خلاف فوج
کشی کرنے کا منصوبہ بنایا۔''

جھارکھنڈ پر فوج کشی

روہتاس پر قبضہ کرنے کے بعد شیر شاہ نے اپنے بیوی بچوں کو اس قلعہ میں آباد کر دیا
اور اپنے بیٹوں عادل خاں اور قطب خاں کو نگران مقرر کر دیا۔ جس کے بعد وہ جھارکھنڈ کی
طرف بڑھا جو بہار، بنگال اور اوڑیسہ کی سرحد پہ واقع ہے۔ جھارکھنڈ کا نام بعد میں چھوٹا ناگپور
رکھا گیا۔ یہ علاقہ روہتاس سے نہ صرف متصل تھا بلکہ ضلع بیر بھوم بنگال تک پہنچنے کا ایک نہایت
اہم راستہ بھی تھا اس لئے شیر شاہ نے اس علاقے پہ تسلط جمانا ضروری خیال کیا۔ اسی دوران
گور بھی فتح ہو چکا تھا اور محمود شاہ فرار ہو کر ہمایوں کی جانب چلا گیا تھا۔ گور کی فتح غالباً اپریل
1538ء میں ہوئی۔

''تاریخ سلاطین افغان میں مسٹر ایلیٹ نے جھارکھنڈ کے متعلق لکھا گیا ہے:
''اس فوج کشی کا مقصد وہاں کے راجا سے ایک نامور سفید ہاتھی ''شام
چندر'' چھیننا تھا۔''

شیر شاہ جیسے زیرک اور ذکی بادشاہ سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ محض ایک ہاتھی
کیلئے اپنے جانثار سپاہیوں کو جنگ کی بھٹی میں دھکیل دیتا لہٰذا مندرجہ بالا بیان ایک افسانے
کے سوا کچھ نہیں۔

باب ۳۹

ہمایوں اور شیر شاہ کے درمیان مذاکرات صلح

ہمایوں نے چنار کا قلعہ فتح کر لیا تو اس کے بعد بنارس کی جانب سارناتھ کے نزدیک پہنچا یہاں ''اشوک کی لاٹ'' پر ہمایوں کیلئے چتر تان دیا گیا۔اس وقت شیر شاہ جھار کھنڈ پہنچ چکا تھا۔ ہمایوں نے بھی اسی جانب رخ کیا اور شیر شاہ کو پیغام بھیجا کہ وہ شاہی چھتر، تخت بنگال اور خزانہ ہمایوں کے پاس بھیج دے۔ اس کے عوض ہمایوں، شیر شاہ کو چنار، جون پور یا کوئی اور اس کا من پسند علاقہ اسے عنایت کر دے گا۔

شیر شاہ نے ان شرائط کو مسترد کر دیا اور کہا کہ اس نے بنگال پر قبضہ کرنے کیلئے برسوں تک محنت کی ہے اور بے شمار سپاہی اس کوشش میں کام آ گئے ہیں اس لیے اب وہ بنگال سے کسی قیمت پر دستبردار نہیں ہو سکتا۔

جوہر نے لکھا ہے:

''جب شاہی فوج بھارکھنڈ کے قلعہ کے نزدیک پہنچی تو بادشاہ نے فضل حسین ترکمان کو بطور ایلچی کے شیر خاں کے پاس بھیجا اور شیر خاں کو یہ تاکید کی کہ وہ شاہی چھتر، بنگال کا تخت اور خزانہ بادشاہ کے پاس روانہ کر دے۔ اس کے بالعوض مومن شیر خاں کو اس کی حسب مرضی چنار، جونپور یا کوئی بھی پسندیدہ جگہ دینے کا وعدہ کیا گیا لیکن اس پر شیر خاں راضی نہ ہوا اور اس نے کہا: 'میں نے بنگال کی تسخیر میں پانچ چھ سال

جانفشانی کی ہے اور میرے بہت سے سپاہی اس مہم میں کام آئے ہیں
میں اب بنگال کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔"

بنگال کے سلطان نے ہمایوں کو پیغام بھیجا کہ وہ گڑھی کے مقام تک آ جائے۔ ہمایوں نے لشکر کا رخ گڑھی کی جانب کر دیا۔ اسی دوران ہمایوں کا قاصد فضل حسین بھی شیر شاہ سے مل کر واپس آ گیا اور بادشاہ کو بتایا کہ شیر شاہ پھر بنگال کی جانب رواں دواں ہے اور اس کی فوجیں پہاڑیوں کے عقب سے نہایت خفیہ انداز میں متحرک ہیں۔

یہ بھی روایت ہے کہ شیر شاہ نے مصالحانہ کوششوں کا مثبت جواب دیا مگر جب محمود کے قاصد نے ہمایوں سے کہا کہ وہ فوج لے کر آئے اور بنگال کو افغانوں سے چھڑانے کی کوشش کرے تو ہمایوں کو اس میں بہتری نظر آئی اور اس نے بنگال کی جانب بڑھنا شروع کر دیا اور شیر شاہ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہار کا علاقہ مغلوں کو دے دے گا۔ بہار و بنگال کی سرحد برقرار رکھے گا۔ تخت اور چھتر بھی دے دیا جائے گا اور دس لاکھ سالانہ بھی دے گا۔ ہمایوں نے اس پر شیر شاہ کیلئے گھوڑا اور خلعت بھیجی اور اپنی رضامندی ظاہر کر دی مگر سلطان بنگال کے اس خط نے کہ ابھی اس کے پاس طاقت ہے اور وہ افغانوں کو بنگال سے باہر نکال سکتا ہے بشرطیکہ ہمایوں اس کا ساتھ دے، نے ہمایوں کے ارادوں کو متزلزل کر دیا اور اس نے بنگال جانب کوچ شروع کر دیا۔ ہمایوں کی اس حرکت نے شیر شاہ کو مشتعل کر دیا۔

شیر شاہ نے تمام شرائط کو من و عن تسلیم کر لیا صرف بنگال چھوڑنے سے انکار کیا۔ اس نے مغلوں کی اطاعت کرنے اور باج گذار بننے پر بھی آمادگی کا اظہار کیا۔ نیز اس نے بہار و روہتاس بھی اس کے حوالے کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر ہمایوں نے شیر شاہ کا جواب ملنے سے پہلے ہی اپنا ارادہ بدل دیا تھا۔ یہ غالباً ہمایوں کی تاریخی غلطی تھی۔ ہمایوں کے اس رویے نے شیر شاہ کو اس کے مقابل لا کھڑا کیا اور شیر شاہ ایک دفاعی جنگ لڑنے کیلئے تیار ہو گیا۔

عباس سروانی نے صلح کی بات چیت کے متعلق دوسرا بیان دیا ہے بقول عباس شیر خاں نے ہمایوں کے سفیر سے کہا:

''اگر بادشاہ بنگال فتح کرنے کا ارادہ ہمیشہ کیلئے ترک کر دے تو میں بہار کا علاقہ بادشاہ کے سپرد کرنے کو تیار ہوں اور جس کسی کیلئے بادشاہ کا حکم ہو گا اُسی کو بہار حوالہ کر دوں گا۔ بہار اور بنگال کی سرحد بھی وہی رہے گی جو سلطان سکندر کی حکومت میں تھی۔ میں جملہ شاہی نشانات بھی مثلاً چھتر، تخت وغیرہ بادشاہ کی خدمت میں بھیج دوں گا اور بنگال کا دس لاکھ روپیہ سالانہ دیتا رہوں گا بشرطیکہ بادشاہ آگرہ واپس چلا جائے۔''

سفیر نے واپس آ کر شیر خاں کی جملہ شرائط ہمایوں کے گوش گزار کر دیں۔ ہمایوں نے شیر خاں کیلئے ایک خلعت خاص اور گھوڑا دے کر سفیر کو اس کے پاس بھیجا اور اُسے یہ ہدایت کی کہ وہ وہاں پہنچ کر یہ کہے کہ جملہ شرائط منظور کر لی گئی ہیں اور شیر خاں جلد از جلد ان پر عمل درآمد کرے۔ سفیر شیر خاں کے پاس گیا اور گھوڑا و خلعت دے کر بادشاہ کا پیغام اسے سنا دیا۔

شیر خاں کے پاس پیغام صلح بھیجنے کے تیسرے روز بنگال کے سلطان محمود کا سفیر ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے یہ عرض کیا۔

''افغانوں نے گوڑ کے قلعہ پر قبضہ ضرور کر لیا ہے لیکن باقی ملک ہنوز میرے زیر تسلط ہے۔ براہ عنایت ہمایوں شیر خاں کے وعدہ پر اعتبار نہ کریں بلکہ فوج کو اس جانب کوچ کا حکم صادر فرمائیں اور قبل اس کے کہ افغان اس علاقہ میں اپنا سکہ جما سکیں ان کو بنگال سے نکال باہر کریں اور بغاوت پسپا کر دیں۔ میں بھی اس مہم میں بادشاہ کا معاون و مددگار رہوں۔ ابھی افغانوں میں بادشاہ کا مقابلہ کرنے کی ہمت وطاقت نہیں ہے۔''

گلبدن بیگم نے ''ہمایوں نامہ'' میں لکھا ہے:

''ہمایوں ابھی شیر خاں کی اس تجویز پر غور فرما ہی رہے تھے کہ شیر خاں کو کون سی جگہ دی جائے کہ بنگال کا مفرور زخمی سلطان ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وجہ سے انھوں نے شیر خاں کی درخواست پر کوئی توجہ نہیں دی اور گور (بنگال) کی جانب کوچ کر دیا۔''

{ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم}

اس ساری بحث سے عیاں ہو جاتا ہے کہ شیر شاہ صلح کیلئے تیار تھا مگر ہمایوں نے جب دیکھا کہ وہ آسانی کے ساتھ بنگال پر قابض ہو سکتا ہے تو صلح سے پہلو تہی کی۔ ہمایوں نے مئی 1538ء بنگال پر حملہ کر دیا۔ شیر شاہ نے ایک بڑی فوج کو تو قلعہ روہتاس میں چھوڑا اور خود 500 گھڑسوار جنگوؤں کے ساتھ گور کی جانب بڑھا۔

ہمایوں کا ایک دستہ شیر شاہ کا پیچھا کر رہا تھا۔ شیر شاہ ان کو دھوکے میں رکھ کر سہسرام کی پہاڑیوں میں روپوش ہو گیا۔ اس دوران جاسوسی نظام نہایت چابک دستی سے کام کر رہا تھا اور اسے ہمایوں کی نقل و حرکت کی پوری اطلاعات موصول ہو رہی تھیں۔

تعاقب کرنے والا دستہ اس سراب میں مبتلا تھا کہ شیر شاہ ان کے آگے آگے جا رہا ہے دریائے سون کے کنارے ''منیر'' تک جا پہنچا۔ چند دن بعد ہمایوں بھی وہیں پہنچ گیا۔

ہمایوں نے موید بیگ اور جہانگیر بیگ وغیرہ کو تین ہزار گھڑسواروں کے ساتھ بطور ہراول آگے روانہ کیا۔ ہندال مرزا کو منیر سے دریا عبور کرنے کا حکم دیا اور حاجی پور کی جانب بڑھنے کیلئے کہا۔ مغلیہ لشکر پٹنہ تک جا پہنچا مگر شیر شاہ نظر نہ آیا۔ وہ نظر آتا بھی کیسے؟ وہ اس وقت مغل لشکر کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

کافی دنوں تک شیر شاہ مغلیہ فوج کے پیچھے پیچھے چلتا رہا بالآخر اس نے فیصلہ کیا کہ اُسے مغلیہ فوج سے پہلے بنگال پہنچ جانا چاہیے۔ شیر شاہ نے ایک مختصر اور خفیہ راستہ اختیار کیا اور مغلوں کے ہراول دستے سے آگے جا پہنچا۔ جب ہراول کو اطلاع ملی کہ شیر شاہ آگے ایک باغ کے پاس خیمہ زن ہے تو اس نے وہیں رُک کر ہمایوں کو اطلاع دے دی۔ موید بیگ نے

جاسوسوں کو شیر شاہ کی مخبری کیلئے بھیجا اور خود ہمایوں کا انتظار کرنے لگا۔ شیر شاہ نے اس مقام سے مونگیر کی راہ لی اور مغلیہ فوج اس کا تعاقب کرنے میں ناکام رہی۔

عباس نے لکھا ہے:

''ادھر شیر خاں پوشیدہ طور سے شاہی فوج کے پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا۔ منیر کے مقام پر مغل فوج کی محتاط ترتیب نے اسے اس ضرورت کا احساس کروایا کہ اس کو شاہی فوج سے پہلے بنگال پہنچ جانا چاہیے تاکہ وہ اپنی فوج کو اس مشکل صورت حال سے بچا سکے۔ لہٰذا اس نے اس علاقے کے اندرونی حصہ میں ہو کر تیزی سے کوچ کیا تاکہ وہ مغلوں کے ہراول دستہ سے آگے نکل جائے۔ پٹنہ سے چند میل مشرق میں مغلوں کے ہراول دستہ کو یہ خبر ملی کہ شیر خاں کہیں نزدیک ہی ہے۔ جب شہنشاہ پٹنہ پہنچ گیا اور اس کا ہراول دستہ اس سے سات کوس آگے تھا اور ابھی اپنی جائے مقررہ پر نہیں پہنچا تھا کہ ان کے خبر رساں ایک گاؤں میں آئے جہاں کہ اُنھوں نے ایک باغ میں چند گھوڑ سوار دیکھے۔ انھوں نے ان گھوڑ سواروں کی نسبت دیہات والوں سے معلوم کیا۔ ایک نے بتایا کہ بذات خود شیر خاں ہے ہراول دستہ نے جب شیر خاں کا نام سنا تو اس قدر ششدر و حیران رہ گئے کہ انھوں نے یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ اس وقت شیر خاں کے ساتھ کتنی فوج ہے؟ وہ فوراً لوٹ پڑے اور انھوں نے یہ خبر موید بیگ کو دے دی کہ شیر خاں فلاں موضع میں مقیم ہے۔ موید بیگ کا خیال تھا کہ شیر خاں اس جگہ لڑائی کے ارادے سے خیمہ زن ہے۔ اس نے اپنا ایک ہرکارہ بادشاہ کی خدمت میں حکم حاصل کرنے کیلئے بھیج دیا، مگر خود جہاں تھا وہیں ٹھہر گیا۔ اس نے شیر خاں کی تلاش میں جاسوس روانہ کر دیئے۔ اسی دوران شیر خاں

وہ گاؤں چھوڑ کر مونگیر کی جانب چل دیا۔ جب جاسوس خبر لے کر واپس آئے تب قریب قریب شام ہو چکی تھی۔ لہٰذا اس وقت شیر خاں کے تعاقب میں فوج نہ جا سکی۔''

اگلے روز بڑے جوش و خروش سے شیر شاہ کا تعاقب شروع ہوا۔ اس جوش کی وجہ یہ تھی کہ مغلوں کو علم ہو گیا تھا کہ شیر شاہ کے ساتھ بہت تھوڑے سپاہی ہیں۔

سیف خاں کا ایثار

مغل جس سرعت سے شیر شاہ کا پیچھا کر رہے تھے عین ممکن تھا کہ وہ شیر شاہ کو آن لیتے مگر ایک افغان سردار سیف خاں اچھا خیل سروانی نے 300 جنگجوؤں کی مدد سے مغلوں کی راہ روک لی اور انھیں کئی گھنٹے کو گرا گڑھ میں روکے رکھا۔

اس دوران میں شیر شاہ سیف خاں کے اہل و عیال کو لیکر مونگیر پہنچا اور شجاعت خاں کو حکم دیا کہ وہ مونگیر کا قلعہ خالی کر کے گڑھو چلا جائے۔ شیر شاہ نے اپنے لیے ایک سبک رفتار کشتی کا انتظام کیا اور گور کی جانب روانہ ہو گیا۔ بہت جلد شیر شاہ گور پہنچا۔ غالباً ڈیڑھ دن میں جون 1538ء میں وہ گور تھا جس کا فاصلہ 231 کلومیٹر تھا۔

یہاں پہنچتے ہی اس نے اپنے بیٹے جلال خاں، سردار حاجی خاں بٹنی اور دیگر افغان سرداروں کو بڑی فوج کے ساتھ تیلیا گڑھی درے کی حفاظت کیلئے روانہ کر دیا۔ اس فوج نے درے کو مسدود کر کے توپوں کو بلند مقامات پر نصب کر دیا۔ مغلیہ فوج بھی کول گونگ تک آن پہنچی۔ کول گونگ یا کھل گاؤں دریائے گنگا کے کنارے پر تیلیا گڑھی سے 35 کلومیٹر بطرف مغرب واقع تھا۔

ہمایوں نے اس مقام پر اپنی فوج کو خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ ہمایوں نے جہانگیر قلی بیگ اور دیگر سرداروں کو تیلیا گڑھی پر قبضہ کرنے کا حکم دیا مگر وہاں جلال خاں چند دن پہلے ہی قابض ہو چکا تھا۔ جب کوئی پیش نہ گئی تو مغل درے کے سامنے خیمے گاڑ رہے۔

اگرچہ شیر شاہ نے جلال خاں کو دفاعی جنگ کا حکم دیا تھا مگر اس وقت حالات کا تقاضا تھا کہ مغلوں پر بے خبری میں حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے ایک ہزار سوار درے کی حفاظت پر متعین کیئے اور خود اچانک چھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ مغلوں پر جھپٹ پڑا۔ مغل اس حملے میں مقابلہ نہ کر پائے اور بہت سے مارے گئے جبکہ باقی ماندہ بھاگ اُٹھے۔ مغلوں کا تمام سامان جس میں خیمے، گھوڑے، ہاتھی اور ہتھیار شامل تھے جلال خاں کے ہاتھ لگے۔ اس حملے میں چند سپاہیوں کے علاوہ باقی سب کے سب کھیت رہے۔

عباس سروانی نے لکھا ہے:

''بادشاہ نے اس مقام پر اپنے خیمے نصب کر دیئے اور جہانگیر قلی بیگ اور دوسرے سرداروں کو تیلیا گڑھی پر قبضہ کرنے کیلئے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ لیکن مغل سرداروں نے دیکھا کہ اس درّہ پر اس سے پیشتر ہی جلال خاں مع اپنی کثیر التعداد فوج کے قابض ہو چکا ہے۔ چنانچہ چند روز اسی کش مکش میں صرف ہوئے اور مغل دشمن کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ تھک ہار کر اُنھوں نے درّے کے سامنے اپنے خیمے گاڑ دیئے۔ جلال خاں نے شاہی فوج کے ہراول دستے پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن دوسرے فوجی سرداروں نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ شیر خاں نے تو اس کو محض درّے کی حفاظت کیلئے مقرر کیا ہے نہ کہ جارحانہ لڑائی کا خطرہ مول لینے کیلئے۔ لیکن جلال خاں نے ان کی بات نہ مانی۔ اس نے ایک ہزار گھوڑ سوار تو درّے کی حفاظت کیلئے چھوڑ دیئے اور خود چھ ہزار فوج لے کر لشکر شاہی پر حملہ کر دیا اور سخت لڑائی کے بعد اس کو شکست فاش دی۔''

نعمت اللہ نے اس لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جلال خاں کو مغلوں پر یہ فتح اچانک حملہ کرنے کی وجہ سے نصیب

ہوئی۔ دوسرے روز علی الصبح مغل حسب معمول اپنے گھوڑے دوڑا کر لشکر میں آ گئے۔ انھوں نے اپنے زرّہ بکتر کھول دیئے، گھوڑوں کی زینیں اتار دیں۔ سپاہی آس پاس کے علاقے میں چارہ جمع کرنے چلے گئے اور افسر سست ہوکر آرام کرنے لگے۔اس کے برعکس ٹھیک دوپہر کے وقت افغان درّہ کا دروازہ کھول کر جھپٹ پڑے۔ چند مغل سپاہی جن کے گھوڑے قریب ہی تھے سوار ہوکرلڑائی کیلئے آمادہ ہو گئے لیکن کثیر تعداد اس اچانک حملہ سے حواس باختہ ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی۔مغلوں کے تمام خیمے، اسباب، گھوڑے ہاتھی فاتح افغانوں کے قبضے میں آ گئے اور چند مغلوں کو چھوڑ کر تمام فوج موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔''

جوہر نے لکھا ہے:

''جب یہ حسرت ناک خبر بادشاہ کو ملی تو وہ رنجیدہ ہوگیا۔ بہت سے سردار جو میدان جنگ سے صحیح سلامت نکل آئے تھے وہ کھل گاؤں آ گئے اور بادشاہ سلامت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے فوراً گڑھی کی جانب کوچ کا حکم صادر فرمایا، اللہ کے فضل سے بارش ہونے لگی۔اس کے بند ہونے کے چند گھنٹے بعد مختلف قسم کے خیمے گڑھی کے نزدیک نئے احاطہ میں نصب کیے گئے اور حاجی محمد بیگ کو حکم دیا گیا کہ وہ گڑھی اور جلال خاں کے متعلق اطلاعات فراہم کر کے بادشاہ تک پہنچائے۔''

اس فتح سے افغانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ جب ہمایوں کو یہ افسوسناک خبر ملی۔تو اس نے گڑھی کا رخ کیا اور وہاں اپنے خیمے گاڑ دیئے۔ ہمایوں نے اس مقام پر ایک اور غلطی کی اور مرزا ہندال جو دریائے گنگا کے کنارے کنارے آگے بڑھ رہا تھا اور بنگال پر حملہ کر سکتا تھا اس کو مونگیر سے واپس آگرہ جانے کا حکم دیا۔

طبقات اکبری میں ہے:

''مرزا ہندال جو اپنی فوج کے ساتھ گنگا کے شمالی کنارے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ دریا کی جانب سے بنگال کے صدر مقام پر حملہ کر کے جلال خاں کو گڑھی اور شیر خاں کو گوڑ سے ہٹنے پر مجبور کر سکتا تھا۔لیکن ہمایوں کی حماقت نے اسے ایسا نہ کرنے دیا۔اس نے مرزا کو مونگیر سے آگرہ لوٹ جانے کا حکم دے دیا۔''

شیر شاہ نے مغلوں کی یلغار کے پیش نظر گور سے نکل جانے کے انتظامات کئے۔ نکلنے سے پہلے وہاں سے تمام سونا چاندی لے لیا گیا۔کئی اہم عمارات کو نذر آتش کر دیا گیا۔

ایک پرتگالی مؤرخ نے لکھا ہے:

''شیر خاں نے شہر گوڑ کو جلایا،لوٹا اور چھ کروڑ کا سونا تصرف میں کرلیا۔''

تاہم یہ سب کچھ شیر شاہ کے گور پہنچنے سے پہلے اس کے بیٹے نے کیا تھا۔

باب

شیر شاہ کی گور پر یلغار کا پس منظر

شیر شاہ اس وقت سیاسی حالات سے پوری طرح باخبر تھا۔ ہمایوں نے گجرات میں شیر شاہ کی توقعات سے پہلے ہی بہادر شاہ کو شکست دے دی تھی۔ تاہم جب ہمایوں احمد آباد میں مصروف تھا۔ بہادر شاہ کے حامیوں نے مالوہ پر قبضہ کر لیا۔ بہادر شاہ بھی دوبارہ سرگرم عمل ہو چکا تھا۔ اب گجرات والے ہمایوں کے ساتھ جنگی آنکھ مچولی کھیلنا چاہتے تھے۔ بہادر شاہ نے ترکی سے بھی مدد مانگی۔

یہ وقت شیر شاہ کیلئے بہت ہی قیمتی تھا ہمایوں گجرات میں مشغول تھا اور شیر شاہ بنگال پر جھپٹنے کیلئے پر تول رہا تھا۔ شیر شاہ نے جنوری 1536ء میں مونگیر اور گڑھی پر قبضہ کر لیا تھا اگرچہ پرتگالیوں نے خوب مزاحمت کی تھی مگر کامیابی شیر شاہ کا مقدر بن گئی۔ پرتگالی جی جان سے لڑے تھے اور انھوں نے شیر شاہ کی فوج سے ایک ہاتھی بھی چھین لیا تھا مگر اس وقت شیر شاہ کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ اس کے پاس 40,000 گھڑ سوار، 16000 ہاتھی اور 300 کشتیاں تھیں۔

شیر شاہ اس فوج کے ساتھ گور میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کیلئے اس نے ایک چھوٹا اور محفوظ راستہ اختیار کیا تھا۔

یہ وہ دور تھا جب بنگال جانے کا راستہ مونگیر، بھاگلپور، کول گونگ سے گڑھی کے درے کا تھا۔ اس درہ کی حفاظت کیلئے تیلیا گڑھی کا مضبوط قلعہ تھا۔ یہ قلعہ بعد ازاں کھنڈرات

میں تبدیل ہوگا۔ یہاں کا پہاڑی سلسلہ جنوبی سمت میں سنتھال تک اور ضلع بیر بھوم بنگال تک پھیلا ہوا تھا۔

شیر شاہ نے اس حملے کیلئے گڑھی کی جانب کوچ کیا۔ شیر شاہ کے تیور بتاتے تھے کہ وہ اس درہ پر فی الفور قبضہ کر لینا چاہتا ہے۔ سلطان نے اس درہ کے دفاع کیلئے دو جہاز روانہ کیے ان کی کمان ''جواوڈی ولالوبوس'' اور ''جواوکوریا'' کے ہاتھ میں تھی۔ اس وقت تک شیر شاہ کی جنگی کشتیاں سامنے نہیں آتی تھیں۔ اور شیر شاہ صرف مقابل افواج کو الجھانا چاہتا تھا۔

جلال خاں کو تو شیر شاہ نے گڑھی درہ کے سامنے چھوڑا اور خود گھر سواروں کے ساتھ راج محل کے پہاڑوں سے گذر کر گھومتا ہوا جھارکھنڈ کے جنگلات میں پہنچ گیا یہاں ہر طرف خودرو جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں دور دور تک گھنا جنگل تھا۔ عام لوگ ادھر سے گذرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ کبھی کبھا اڑیسہ کی جانب جانے والے قافلے یہاں سے گذرے تھے۔

شیر شاہ نے گڑھی سے آگے جس راستے سے سفر کیا، بعد ازاں وہاں ایک چوکی ''شیر پور'' کے نام سے بنائی گئی تھی۔ مرشد آباد سے تیلیا گڑھی جانے کیلئے شیر پور سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس وقت یہ راستہ بیر بھوجی ڈومکا اور نونی کی طرف سے گذرتا تھا۔ قیاس اغلب ہے کہ شیر شاہ نے ''جیری نالہ'' کا خشک راستہ اختیار کیا ہوگا۔ درہ سے آگے دریائے مور تک اور پھر غالباً اس نے ڈومکا کی راہ لی۔

شیر شاہ نے اس مہم کیلئے کشتیاں مقامی لوگوں سے حاصل کیں۔ اس علاقے میں کشتیوں کی بہتات تھی۔ دریائے گنگا پار کر کے شیر شاہ نے پوانیٹی سے گور کی جانب بڑھنا شروع کر دیا۔ یہ علاقہ دریائے مہانند سے 93 کلومیٹر بطرف شمال واقع تھا۔ پوانیٹی کو ''فراندوز'' بھی کیا جاتا تھا۔ جب شیر شاہ نے یہاں حملہ کیا تو پرتگالی خوب جم کر لڑے اور انھوں نے شیر شاہی لشکر کو قدرے نقصان بھی پہنچایا تاہم فتح شیر شاہ کی ہوئی۔ گور پر قبضہ سے قبل فراندوز پر قبضہ ضروری تھا۔

جب تیلیا گڑھی کی فوج نے یہ خبر سنی تو وہ گور کو بچانے کیلئے لپکی۔ اس موقع سے فائدہ

اٹھا کر جلال خاں نے تیلیا گڑھی پر قبضہ جما لیا۔

گور کی صورت حال

گور کا شہر میلوں کے پھیر میں تھا اور اس کے ارد گرد مضبوط اور بلند، سنگین فصیلیں تھیں۔ شہر پناہ کے ساتھ ساتھ 30 فٹ چوڑی خندق تھی۔ شیر شاہی فوج نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر سلطان محمود خائف ہو گیا اور اس نے اپنے پرتگالی مشیر مارٹن ڈی افونسو ڈی سیلو سے بالا ہی بالا شیر شاہ سے صلح کی بات چیت شروع کر دی۔ 13 لاکھ طلائی سکوں، کول سے سکری گلی تک علاقہ جو 140 کلومیٹر طویل اور 46 کلومیٹر چوڑا تھا، کے عوض صلح طے پا گئی۔

یہ صلح شیر شاہ کی فتح تھی۔ اس طرح شیر شاہ کی طاقت اور وسائل میں بھی اضافہ ہوا اور اب وہ جب چاہتا بنگال میں بھی داخل ہو سکتا تھا کیوں کہ گڑھی کا اہم دفاعی درہ بنگال میں داخلے کا ایک دروازہ بھی تھا۔

1536ء کے آخری پانچ مہینوں میں مغل فوج کی نقل و حرکت اور ہمایوں کے موہوم رخ نے شیر کو امید و بیم اور بے کاری کی کیفیت میں رکھا جو واقعات دور دراز بنگال اور بہار میں اس وقت ظہور پذیر ہو رہے تھے وہی صورت حال کی کلید تھے۔ شیر خاں کا خیال تھا کہ ہمایوں کو گجرات اور مالوہ فتح کرنے میں کافی عرصہ لگے گا لیکن بہادر شاہ صرف مٹی کا پتلا ثابت ہوا۔ مغلوں نے اس کا قلع قمع کر ڈالا اور اس کی سیاسی اہمیت مٹا کر اسے بحیرہ عرب میں غرق کر دیا۔

ہمایوں کے پاس یا تو خبر رسانی کا کوئی محکمہ ہی نہ تھا اور یا اس کے مخبر رشوت کھا کر شیر خاں کے متعلق اس کو غلط خبریں پہنچاتے تھے جیسا کہ اس کی مشرقی معاملات سے متعلق جملہ کارروائیوں سے ظاہر ہوتا ہے، اس کے برعکس عباس اور دیگر مؤرخ اس بات کو زور دے کر کہتے ہیں کہ شیر خاں کے جاسوس ہر جگہ موجود تھے خاص کر مغل کیمپ میں جہاں بغیر اس کے بغیر علم کے ایک چوہا بھی نہ ہل سکتا تھا۔ 1535ء کے موسم خزاں میں جب کہ ہمایوں گجرات کے مسئلہ کو سلجھانے میں احمد آباد میں مصروف تھا مالوہ کے علاقہ پر بہادر شاہ کے طرفداروں نے دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس دفعہ باغیوں کے سرغنہ مانڈو کا ملو خاں شِوا اس کا سکندر خاں بنڈیا میانہ اور بنڈیا کا مہتر زنبور تھے۔ انھوں نے ہمایوں کے محافظ کتب خانہ ''درویش خاں'' کو اجین سے باہر نکلا دیا۔ مالوہ کی بغاوت کوئی غیر اہم واقعہ نہ تھی۔ بلکہ یہ گجراتیوں کی منصوبہ بند اور متحد کارروائی تھی۔ جس کا

مقصد تھا ہمایوں کو بھالو کا شکار کھلانا تھا یعنی مسلسل لڑائی لڑکر مغل بادشاہ کو کبھی مالوہ اور کبھی گجرات کی سمت میں دوڑانا تھا1535ء کی خزاں میں بہادر شاہ بھی اپنی جائے پناہ سے باہر آ گیا تھا۔اور عارضی سیاسی خواب سے بیدار ہو چکا تھا۔اس نے ترکی کے سلطان کے پاس امداد مانگنے کیلئے ایک سفیر بھیجا اور گجرات و کاٹھیاواڑ کی سرزمین میں جہاں کی رعایا ابھی تک اس کی نمک خوار و وفادار تھی وہ مغلوں کے خلاف بغاوت کی آگ کو بھڑکاتا رہا۔یہی وقت شیر خاں کیلئے سازگار تھا۔ وہ بنگال پر حملہ کرنے کیلئے جس موقع کا منتظر تھا۔وہ اب قریب آ گیا تھا کیوں کہ ہمایوں اب شیر خاں پر دفعتہ حملہ نہ کرسکتا تھا۔

وسط جنوری 1536ء میں شیر خاں مونگیر سے محمود شاہ کے خلاف حملہ کرنے کیلئے پہلی بار روانہ ہوا۔اس نے مونگیر مقام کا انتخاب اس لیے کیا کہ یہ گڑھی کے درّہ پر حملہ کرنے کیلئے سب سے زیادہ مناسب مقام تھا۔افغان مؤرخین نے اس حملہ کے متعلق جو ذکر کیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی لڑائی میں غنیم کا صفایا ہو گیا۔لیکن پرتگالی ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ 1536ء میں شیر خاں نے پہلا حملہ گورجی (گڑھی) کے مقام پر کیا۔اور دوسرا حملہ ایک گمنام جگہ ''قرن دوز'' پر کیا جس کا کوئی تعین آج بھی ممکن نہیں ہے۔یہ ممکن نہیں کہ شیر خاں آسانی سے ان دونوں مقامات پر قابض ہو جاتا کیوں کہ یہاں پر محمود شاہ کے پرتگالی ان کی حفاظت کررہے تھے۔پرتگالی مؤرخین کا بیان ہے کہ ان کے ہم وطن نہایت ہی دلیری اور جانبازی سے لڑے۔ اور انھوں نے شاہی اصطبل کے ایک ہاتھی کو پکڑ لیا۔جس پر بہت دنوں سے سلطان کا دل آیا ہوا تھا۔شاید یہ وہی ہاتھی تھا جو شیر خاں نے سورج گڑھ کی لڑائی میں چھین لیا تھا۔لیکن ان کی یہ مردانگی اور شجاعت کسی کام نہ آئی۔شیر خاں اپنے 40 ہزار گھوڑ سوار 16 ہزار ہاتھی اور 300 کشتیاں لے کر ایک دوسرے راستہ سے گوڑ میں داخل ہو گیا۔(کیمپاس صفحات 35 لغایت 38)۔تاریخ کے طالب علموں کیلئے شیر خاں کا یہ فوجی کرشمہ بظاہر حیرت انگیز ہے لیکن اس معمہ کی کلید یعنی غیر محفوظ راستہ تاریخ داؤدی میں ملتی ہے اگرچہ اس کے مصنف کو پرتگالی مواد دستیاب نہ تھا۔تاریخ داؤدی کا بیان ہے۔

''شیر خاں بنگال کو فتح کرنے کے ارادہ سے...... ...... پہاڑوں کے دامن سے گزرنے والے عام راستہ سے نہ جا کر جنگل کے ایسے راستہ سے داخل ہوا جہاں اس سے پیشتر کوئی انسان نہیں پہنچا تھا.................اور دفعتہ گوڑ کے سامنے آ پہنچا۔''

({تاریخ داؤدی، عبداللہ سرکار قلمی نسخہ صفحہ 174}

ہر تاریخ نگار کا فرض ہے کہ وہ اس واقعہ کی تفصیل کا پتہ لگائے اور جغرافیہ کے علم کے بغیر ہم ایسا کرنے میں قاصر ہیں۔ تاریخ میں جو واقعہ غیر واضح اور مبہم ہے وہ جغرافیہ کی مدد سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ میدان جنگ کے طبعی جغرافیہ پر ایک نظر ڈالنے سے ہمیں اس راستہ کا بہت حد تک صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔ جس پر اب سے پہلے کسی نے قدم نہ رکھا تھا۔ اور جس کو گوڑ پہنچنے کیلئے شیر شاہ نے اختیار کیا تھا۔ تاکہ وہ گڑھی کے درہ سے بچ کر نکل جائے اور راستہ میں پرتگالیوں سے تصادم نہ ہو۔ جو کہ فراندوز شہر کی حفاظت کیلئے تعینات تھے۔

اس زمانہ میں بہار سے بنگال جانے کا سب سے چھوٹا راستہ مونگیر' بھاگلپور' کول گونگ سے گزرتا ہوا گڑھی کے درّہ سے گزرتا تھا۔ اس درہ کی حفاظت کیلئے بہار کی سرحد میں تیلیاں گڑھی کا مستحکم قلعہ بنا ہوا تھا۔ بہار کی سرحد سے گزر کر یہ راستہ مشرقی بنگال میں سنکری گلی کے میدان سے گزرتا تھا۔ اس کو عام زبان میں ''سکری گلی'' بھی کہتے تھے۔ سکری گلی سے یہ سڑک گنگا کے کنارے کنارے مشرق سے مغرب کی جانب ایک دم مڑ جاتی ہے۔ اور پھر گنگا کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔ تیلیا گڑھی کا قلعہ جو درہ کے مغربی کنارے پر ہے اور جس کے کھنڈرات آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس سڑک کے راستہ کو بالکل روکے ہوئے ہے۔ اس قلعہ کے ایک جانب راج محل پہاڑی سلسلہ کی ناہموار اور ناقابل عبور ڈھلواں چٹانیں ہیں جو جانب جنوب 80 میل تک سنتھال پرگنہ اور بنگال کے بیر بھوم ضلع کی بیرونی حد تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس اونچے پہاڑی درّے کے نیچے گنگا جانب مشرقی تیز گرداب بناتی ہوئی بہتی ہے۔ جس سے تیلیا گڑھی کے قلعہ کے شمال میں ایک گہری کھائی بن جاتی ہے گنگا کے دوسرے کنارے پر گڑھی کے درّہ کے ساتھ ساتھ بنگال کے حکمرانوں اور فرمان رواؤں نے پوائنٹی تک زبردست قلعہ بندی کی تھی۔ پوائنٹی سے گوڑ تک اس زمانہ میں ایک شاہی سڑک جاتی تھی۔ یہ درہ فنون حرب کے نقطہ نظر سے ایسا تھا کہ نہ تو اس پر حملہ ہی کیا جا سکتا تھا اور نہ اس کا محاصرہ ہی ممکن تھا۔ کیوں کہ اس زمانہ میں حملہ کرنے کے مقابلہ میں دفاعی ذرائع زیادہ بہتر تھے۔ اس مقام کو ہم قرون وسطیٰ کے گوڑ کی ''گیلیپولی'' کہہ سکتے ہیں۔ کیوں کہ اتنی مستحکم قلعہ بندی کرنے میں حکمرانوں نے سالہا سال اپنی طاقت' عقل و ذرائع لگائے تھے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مہاراجا لکشمن سنگھ بنگال نے 1300ء میں ترکوں کا انتظار کیا تھا۔ لیکن بختیار خلجی نے اس کو دھوکہ دے

کر دوسرا راستہ اختیار کر لیا تھا۔ اس واقعہ کے ٹھیک 336 سال بعد بنگال کے آخری سیّد سلطان کے ساتھ بھی یہی دھوکہ ہوا۔

شیر خاں نے گڑھی کی جانب کوچ کیا۔ اس نے بظاہر ایسا رخ اختیار کیا کہ وہ اس درہ پر براہ راست حملہ کر کے قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ بنگال کے سلطان نے اس درہ کی حفاظت کیلئے جسے بنگال کا دروازہ کہتے تھے۔ دو جہازوں میں فوج روانہ کی تھی۔ ایک کی کمان ''جواوڈی ولالو بوس'' کے ہاتھ میں تھی اور دوسری فوج کی کمان ''جوادکوریا'' کے پاس تھی۔ (کیمپوس)۔ چنانچہ یہ بات تعجب انگیز نہیں ہے کہ شیر خاں نے اپنا اصلی مقصد چھپانے کی نیت سے گڈھی کے مقام پر دیدہ و دانستہ ہار برداشت کر لی ہو۔ شیر خاں کی 300 کشتیاں جن کا حوالہ پرتگالیوں نے دیا ہے اس وقت دریائے گنگا پر کہیں بھی موجود نہ تھیں۔ اگر وہ اس وقت دریا پر ہوتیں تو دونوں پرتگالی جہازوں کی گولہ باری سے خاکستر ہو جائیں۔ لیکن یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ کشتیوں کی بڑی تعداد کے بغیر گنگا کے نیچے بہار سے ہو کر شیر خاں سکری گلی کے آگے پہنچ سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ شیر خاں کشتیوں کو گاڑی پر لاد کر نہیں لے گیا تھا جیسا کہ اورنگ زیب نے خانگی جنگ کے دوران کیا تھا۔ بلکہ اس زمانہ میں بنگال کے دریاؤں میں کشتیوں کی افراط تھی۔ شیر خاں نے یہ کشتیاں وہیں دستیاب کر لیں۔ اب شیر خاں نے اس فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا۔ فوج کے ایک دستہ نے اس کے دوسرے لڑکے جلال خاں کی سپہ سالاری میں گڑھی درہ پر حملہ کرنے کا سوانگ بنائے رکھا اور دوسرے دستہ کی کمان جس میں زیادہ تر گھوڑ سوار تھے اس نے اپنے ہاتھ میں لی۔ اور اس دستہ کو لے کر راج محل کے پہاڑی علاقہ سے گزر کر جانب جنوب گم نام جگہ کیلئے چل دیا۔ یہ وہی پہاڑیاں ہیں جن کا ذکر تاریخ داؤدی میں آیا ہے۔ پھر وہ جنوب مشرق کی طرف گھوم کر جھارکھنڈ کے جنگلوں میں پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں یہ ایسا ویران علاقہ تھا کہ جہاں یا تو رہزن لٹیرے بستے تھے یا اڑیسہ کو جانے والے مسافر آتے جاتے تھے۔ اس علاقہ میں کوئی سڑک نہیں تھی۔ صرف چھوٹی پگڈنڈیاں تھیں جو گرمی کے موسم میں انسان اور مویشیوں کیلئے قابل استعمال ہو جاتی تھیں۔ کیوں کہ گنجان خار دار جھاڑیاں مرجھا کر راستہ بنا دیتی تھیں اور تیز رو پہاڑی ندیاں خشک ہو جاتی تھیں۔

شیر خاں نے گوڑ پہنچنے کیلئے غالباً کون سا راستہ اختیار کیا ہوگا؟ اس کو جاننے کے ہمارے پاس دو ذرائع ہیں۔

ا۔ ''ریاض السلاطین'' کا بیان ہے کہ گوڑ سرداروں نے ایک مہینہ تک تو گڑھی کی حفاظت کی بعد میں وہ ہار گئے۔ چوں کہ شیر خاں کے پاس اس وقت بھاری توپ خانہ نہ تھا اس لیے گڑھی پر حملہ کر کے اس پر تسلط کرنا ایک سال میں ممکن نہ تھا۔ علیٰ ہذا گڑھی کی ظاہرہ ناکامی کے بعد شیر خاں کا ایک ماہ بعد گوڑ پہنچنا محض ایک قیاس ہے۔ علاوہ بریں کسی بھی پرتگالی مؤرخ نے یہ بیان نہیں کیا ہے کہ لڑائی میں بنگال کی فوج کی شکست ہوئی۔ لہٰذا یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ہر دو فریق میں جم کر لڑائی نہیں ہوئی۔ بلکہ جب درہ کے محافظین کو افغان فوج نے آگے اور پیچھے دونوں جانب سے گھیر لیا تو وہ خود ہی خوف زدہ ہو کر درہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مغلوں کے زمانہ میں اس مقام پر کئی مرتبہ بلا لڑائی کے ہار ہوئی ہے۔

ابوالفضل کا بیان ہے کہ 2 سال بعد جب شیر خاں بنگال فتح کر کے مال غنیمت کے ساتھ بہار واپس لوٹ رہا تھا تو مغلوں نے 1538ء میں گڑھی کے درہ پر اس کو روک لیا۔ اس وقت شیر خاں کا دوسرا لڑکا جلال خاں درہ کی حفاظت پر تعینات تھا۔ شیر خاں نے اس کو یہ ہدایت بھیجی کہ وہ (شیر خاں) جب شیر پور پہنچ جائے تو وہ درہ کو خالی کر دے۔ اور جلد سے جلد اس سے ملنے کی کوشش کرے۔ شیر پور ایک چوکی کا نام ہے جسے شیر خاں نے خود اپنے نام پر بسایا تھا۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ 1536ء میں جب شیر خاں بہار سے بنگال گیا ہوگا تو اسی مقام سے ہو کر گیا ہوگا۔ ورنہ شیر خاں کے ذہن میں واپس لوٹتے وقت اس مقام کا نام آنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

مسٹر رنیل نے اپنے نقشہ میں شیر پور کو بہرام پور کے مغرب میں 18 میل دور دکھایا ہے۔ اس وقت مرشد آباد سے تیلیا گڑھی کو براستہ شیر پور ایک سڑک جاتی تھی۔ اور یہ سڑک بیر بھوم' ڈومکا' نونی (ڈومکا قصبہ سے 17 میل شمال مشرق) درّہ (نونی سے 20 میل شمال۔ موجودہ ڈارنا) اضلاع سے گزرتی تھی چنانچہ شیر خاں کا گڑھی سے آگے کا سفر اسی راستہ ہوا ہوگا۔ شاید درّہ پہنچنے کیلئے شیر خاں نے چیری نالہ کی خشک تلہٹی کا (تیلیا گڑھی سے 20 میل مغرب) راستہ اختیار کیا ہوگا۔ درّہ سے 20 میل چل کر وہ دریائے مور کے شمالی حصہ میں پہنچا ہوگا۔ پھر دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ ڈومکا مقام تک گیا ہوگا۔ ڈومکا 10 میل مشرق دوارکا دریا کا شمالی حصہ ہے۔ شیر پور اسی دریا کے کنارے واقع ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ شیر خاں کی فوج نے سیدھے راستہ سے 7 میل روز اور اصل راستہ سے 10 یا 12 میل روز سفر کیا ہوگا۔ تو شیر پور کے

میدان تک پہنچنے کیلئے اس کو 24 دن لگنے چاہئیں۔شیر پور سے 30 میل شمال مشرق بھگوان گوڑ سے چند میل اوپر گنگا بہتی ہے۔ یہاں تک سفر کرنے میں شیر خاں کے گھڑسواروں کو 2 دن لگے ہوں گے۔شیر خاں کی جن 300 کشتیوں کا ذکر تاریخ میں آیا ہے وہ اسی گنگا کے کنارے بسنے والے لوگوں نے فراہم کی ہوں گی اور وہ روزانہ استعمال میں آنے والی معمولی قسم کی ''کوسہ'' ''کھلوا''، ''رہوار'' ہوں گی۔ مارچ کے مہینہ میں کسی بھی حملہ آور فوج کیلئے گنگا کا پاٹ کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتا۔اس کو بڑی آسانی سے ناؤ کا پل بنا کر پار کیا جا سکتا ہے۔اس قسم کی مہم کی کامیابی کیلئے دو باتیں اشد ضروری تھیں۔ایک تو تیزی عمل اور دوسری راز داری۔شیر خاں نے یہ سفر جنگل کے نامعلوم علاقہ سے کیا تھا۔اس سفر کا مقصد بھی دوگانہ تھا۔ نئے علاقوں کی چھان بین کرنا اور حملہ کیلئے راستہ بنانا۔اس سفر میں اس کا نہ کوئی رہنما تھا نہ رہبر۔نہ بیر بھوم کے راجا کی طرح کوئی معاون و مددگار۔(راجا مذکور نے 1659ء) میں میر جملہ کی مدد کی تھی جب اس نے چالاکی سے صاحب گنج کے نزدیک تیلیا گڑھی اور سکری گلی کے درمیان تنگ گھاٹی میں شاہ شجاع کی فوج کو شکست فاش دی تھی۔)۔

بہر حال افغان فوج دریائے گنگا کے پار اُتر چکی تھی قبل اس کے کہ بنگالی سلطان محمود کے بیڑہ کو بمقام پوانیٹی (فراندوز) یا اس سے 80 میل اوپر بمقام تیلیا گڑھی یہ خبر دے سکتے۔گنگا کو عبور کرنے کے بعد شیر خاں کی فوج ہر چہار طرف پھیل گئی۔اس نے پوانیٹی سے گوڑ کی جانب بڑھنا شروع کر دیا۔گوڑ مہانند دریا کے 60 میل بجانب شمال ہے۔مہانند ندی دریائے گنگا کی معاون ندی ہے۔روایت ہے کہ فراندوز شہر پر تسلط کرنے میں شیر خاں کو کچھ نقصان اٹھانا پڑا کیوں کہ اس شہر کی حفاظت کیلئے پرتگالی فوج تعینات تھی اور اس شہر کو فتح کیے بغیر گوڑ کی جانب بڑھنا ممکن نہیں تھا شیر خاں کے شاندار طریقہ جنگ کا وہی انجام ہوا جس کی توقع تھی۔ بنگال کی فوج تیلیا گڑھی سے بھاگ کھڑی ہوئی۔تا کہ دارالسلطنت کی حفاظت کر سکے۔ جلال خاں نے گڑھی کے درہ پر ایک ماہ کے عرصہ میں قبضہ کر لیا اور شیر خاں کی فوج کا براہِ راست تعلق بہار کے فوجی صدر کیمپ سے کر لیا۔شہر گوڑ کی مستحکم قلعہ بندی۔اس کی میلوں لمبی وسعت شیر خاں کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کیلئے کافی تھی۔شہر کے ہر چہار سو خندقیں اور قلعہ کی مضبوط فصیلیں تھیں۔جن کی چوڑائی کسی بھی جگہ دس گز سے کم نہیں تھیں۔شیر خاں کے گھوڑ سوار اس کے نزدیک آ کر نہیں لڑ سکتے تھے اور پیادہ فوج ان خندقوں اور فصیلوں کے بالمقابل چیونٹیاں معلوم ہوتی

تھیں۔لیکن شاہ محمود کا دل اتنا مضبوط نہیں تھا۔جتنی کہ قلعہ کی فصلیں۔محمود کو پرتگالی کپتان مارٹن ڈی افونسوڈی میلو نے اس کو مقابلہ جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔لیکن بزدل محمود پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔خود شیر خاں بھی سمجھوتہ کر کے واپس جانے کو بے تاب ہو رہا تھا۔خصوصاً ایسی حالت میں جب محمود اس سے نجات پانے کیلئے کچھ دینے کو بھی تیار تھا۔دوسری طرف شیر خاں کو اپنے وطن کے نزدیک مغربی مورچہ کی فکر سوار تھی محمود نے اپنے زیرک و ذی فہم پرتگالی مشیر مارٹم کی مرضی کے خلاف شیر خاں سے صلح کی گفت وشنید شروع کر دی۔اور بالآخر صلح کی یہ شرط طے ہوگئی کہ محمود بطور نذر یا جرمانہ شیر کو 13 لاکھ طلائی سکہ یا 5 لاکھ پچیس ہزار پرووا (مقامی کرنسی) ادا کرے۔ اور کول سے سکری گلی تک کا تمام علاقہ جو وسعت میں 90 میل اور چوڑائی میں کہیں کہیں 30 میل تک تھا۔شیر خاں کے تحت میں کر دے۔

اس فتح سے شیر خاں کو نہ صرف مالی فائدہ ہوا بلکہ افغانوں اور دوست و دشمنوں میں اس کا سیاسی اقتدار بڑھ ہو گیا۔گڑھی کے درہ کو شیر خاں کے قبضہ میں دے کر گویا محمود نے اس کے ہاتھ بنگال کی فتح کی کنجی رکھ دی۔اب شیر خاں کو پوری آزادی تھی کہ وہ اپنی حسب مرضی اس درہ سے گزر کر جب چاہے محمود کی سلطنت سے خوں بہا وصول کرے اور جب چاہے اس کا تاج و تخت چھین لے۔

جب شیر شاہ گور میں تھا اس وقت سلطان مرزا نے اپنے بیٹوں کی مدد سے ہمایوں کے مقبوضات پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔وہ بہار کے ساتھ اپنی خود مختار ریاست قائم کرنا چاہتا تھا۔سلطان مرزا نے بلگرم کو اپنا مستقر بنا لیا اور وہاں سے اپنی جنگ کی ابتداء کی تھی۔سلطان مرزا کے بڑے بیٹے اُلغ مرزا نے جون پور تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔اور پھر اودھ پور اور بنارس کیلئے پیش قدمی کی۔دوسرے بیٹے شاہ مرزا نے کڑا مانک پور کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔اس صورت حال کی اطلاع پر شیر شاہ نے بھی صلح کر کے محاصرہ ختم کر دیا اور واپس بہار آ گیا۔بہار میں آ کر اس نے چنار کی سرحد کا رخ کیا۔

اس صورت حال کے پیش نظر ہندال مرزا نے جو آگرہ میں ہمایوں کی نیابت کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔تھوڑی سی فوج کے ساتھ جنید برلاس کی مدد کیلئے روانہ ہو گیا۔اس

نے نہایت سرعت سے بلگرام پہنچ کر حملہ کر دیا۔ ہندال مرزا کی قسمت نے یاوری کی اور عین وقت پر ایک تیز جھکڑ نے شاہ مرزا کی سپاہ کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔

اسے پسپا کر کے ہندال مرزا اجودھیا کی جانب بڑھا اور الغ مرزا کو بھی شکست سے دو چار کر دیا۔ سلطان مرزا اور اسے بیٹے شیر شاہ کے علاقے میں بھار کندہ کے مقام پر پناہ گزین ہو گئے۔

ہندال نے ہمایوں کی اجازت کے بغیر شیر شاہ کے علاقے میں داخل ہونے میں نامناسب خیال کرتے ہوئے واپسی کی راہ لی۔ شیر شاہ نے اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے سرجو کے مشرق میں مغلیہ مقبوضات اور بنارس کے ضلع پر قبضہ کر لیا۔ سلطان مرزا اور اس کے بیٹے کم و بیش دو برس تک شیر شاہ کی پناہ میں رہے۔

ہندال مرزا احمد آباد میں تھا یہاں سے اس نے اپنے فرائض منصبی کو خیر باد کہا اور چمپانیر میں تردی بیگ سے متصادم ہونے کے بعد اپنی بادشاہت کا اعلان کرنے کیلئے آگرہ کی جانب روانہ ہوا۔ ہمایوں اس بغاوت کو فرو کرنے کے بعد اسے ساتھ لے کر آگرہ واپس آ گیا۔ ہندو بیگ جو ہندال کے مشیر اعلیٰ کا کردار کر رہا تھا۔ اسے بھی ساتھ لے لیا۔ ہمایوں نے ہندو بیگ کو جونپور کا گورنر مقرر کر دیا ہندو بیگ سے پہلے جنید برلاس جونپور کا گورنر تھا جس کا انتقال ہو چکا تھا۔ ہندو بیگ کے ذمے یہ کام بھی لگایا گیا کہ وہ شیر شاہ کی سرگرمیوں سے ہمایوں کو مطلع کرتے رہے۔

ہندو بیگ نے شیر شاہ کے بارے میں تسلی بخش اطلاعات دیں۔ شیر شاہ اپنی فوج کو نئی لڑائیوں کیلئے تیار کر رہا تھا جبکہ بہادر شاہ نے ہمایوں کے واپس جاتے ہی مالوہ اور گجرات پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اور مغلوں سے نبرد آزمائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

بہادر شاہ پرتگالی گورنر سے ملنے کیلئے گوا گیا تاکہ اس کی مدد سے اپنی فوج کو منظم کر سکے۔ مگر شومئ قسمت کہ جب وہ واپس آ رہا تھا راہ میں 15 فروری 1535ء میں پرتگالیوں نے اسے سمندر میں غرق کر دیا۔

بہادر شاہ کی موت کے بعد ہمایوں گومگو کی کیفیت میں تھا کہ وہ پہلے گجرات پر اپنا قبضہ بحال کرے یا شیر شاہ کے خلاف کاروائی کرے۔ ابھی وہ کسی فیصلے پر پہنچ نہیں پایا تھا۔ کہ شیر شاہ نے دوسری بار بنگال پر چڑھائی کر دی۔ اب ہمایوں کیلئے گویا صورت حال واضع ہوگئی اس نے شیر شاہ کی طاقت کے خاتمے کی کوشش شروع کر دی۔

شیر شاہ نے اب مناسب طاقت حاصل کر لی تھی اور افغان بھی اب اسے اپنا قائد سمجھنے لگے تھے بڑے بڑے افغان امراء جن میں ''دو اعظم'' ہمایوں ایک ''مسند حالی'' اور کئی ''شان اعلیٰ'' تھے اسے مستقبل کے بادشاہ کے روپ میں دیکھ رہے تھے اور اس کی اطاعت میں خوش تھے۔ شیر شاہ نے اپنے لیے پہلے تو صرف ''مسند اعلیٰ'' کا خطاب اپنے لیئے منتخب کیا تھا مگر اس نے اپنے لیے ''حضرت اعلیٰ'' کا خطاب استعمال کرنا شروع کر دیا جو جلد ہی ''اعلیٰ حضرت'' میں بدل گا۔

ہمایوں دریائے جمنا میں جنگی بیڑا تیار کر رہا تھا۔ بہادر شاہ کا آرٹلری کمانڈر رومی خاں بھی اس کے ساتھ تھا۔ ان تیاریوں سے شیر شاہ نے قیاس کر لیا کہ ہمایوں چنار اور گور پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اگر وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا تو چکی کے دو پاؤں میں پس جائے گا۔

حاکم بنگال سلطان محمود نے گور کا دفاع مستحکم کر لیا تھا اور پرتگال سے بھی مدد طلب کی تھی۔ لہٰذا شیر شاہ نے 1535ء میں بنگال پر فیصلہ کن حملے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنے جرنیل خواص خاں اور بیٹے جلال خاں کو مشرقی و مغربی بنگال پر قبضہ کرنے کیلئے روانہ کر دیا۔ شیر شاہ خود گنگا کو پار کر کے گور کی جانب بڑھا، وہ پرتگالی کمک پہنچنے سے پہلے گور پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا۔ شیر شاہ نے محمود سے خراج طلب کیا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس پر شیر شاہ نے جنگ کا فیصلہ کر لیا۔

پرتگالی گورنر نونو ڈاکنہا نے افونسو کو بھیجا تھا کہ وہ مارٹم کو دیگر قیدیوں کو لانے کیلئے بھیجے۔ مگر اس وقت بہادر شاہ کو دھوکے سے مار دینے کی وجہ سے چٹا گانگ کے مسلمان غم و غصہ کا شکار تھے۔ اس لیے افونسو جہاز کو چٹا گانگ کی بندرگاہ پر لنگر انداز کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

اسی دوران اینو یند مسنیزس کرسیٹو ایک تجارتی جہاز کے ساتھ وہاں پہنچا۔ وہ اپنے ساتھ گورنر کا ایک خط بھی لے کر آیا تھا۔ جس میں کھمبات کے واقع کی وضاحت کی گئی تھی۔ اس وضاحت کے بعد شورش تھم گئی اور افونسو چٹا گانگ میں اترا۔ وہاں سے وہ گور پہنچا اور اس نے سلطان محمود کو گورنر کا خط پیش کیا۔ اس خط میں گورنر نے لکھا تھا کہ چونکہ گذشتہ سال کمبے کی جنگ شروع ہو گئی تھی اس لیے وہ اس کی مدد نہیں کر سکا مگر اب کی بار ایسا نہیں ہوگا۔ گورنر نے مارٹم اور دیگر قیدیوں کی رہائی کی بھی سفارش کی۔

محمود شاہ نے پرتگالیوں کو رہا کر دیا البتہ چند پرتگالیوں کو گورنر کے ایفائے عہد تک بطور ضمانت اپنے پاس رکھ لیا۔ 1538ء میں پرتگالی کپتان ''واسکو پیرس ڈی سمپایو'' چٹا گانگ آیا اس کے ساتھ 9 جنگی جہازی بھی تھے مگر اب چٹا گانگ کی بندرگاہ پر خدا بخش کی جگہ شیر شاہ کا وفادار آسنیر نو غازل قابض تھا۔ اس پر پرتگالی جہاز کے کپتان نے حالات کے بدلنے کا انتظار کیا اور نو غازل سے کوئی تعرض نہ کیا۔

جب شیر شاہ کا پہلا حربی حصہ مکمل ہو گیا تو اس نے جلال خاں اور خواص خاں کے دستوں کو بھی حکم دیا کہ وہ فی الفور گور کی راہ لیں۔

دسمبر 1537ء کے لگ بھگ گور کا محاصرہ شروع ہو گیا۔ شیر شاہ نے محاصرے پر خواص خاں اور جلال خاں کو مقرر کیا اور خود ہمایوں کے خطرہ کے پیش نظر تین ہفتوں میں 725 کلومیٹر کا سفر طے کر کے چنار پہنچا اور وہاں سے اپنے بیوی بچوں اور خزانے کو لے کر بھارکند کے قلعہ میں پہنچا اور انھیں وہاں چھوڑ دیا یہ قلعہ چنار سے 78 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔

باب ۴۰

شیر شاہ کی رسم تاجپوشی

1538ء میں بنگال پر اپنا قبضہ مضبوط اور مستحکم بنانے کے بعد شیر شاہ نے گور میں اپنی تاج پوشی کا جشن برپا کیا اور اپنا لقب ''فریدالدین ابوالمظفر شیر شاہ'' اختیار کیا۔ اس وقت مغلیہ افواج گڑھی کے درے پر دستک دے رہی تھیں مگر اب شیر شاہ ان سے ذرہ بھر بھی خائف نہیں تھا۔ بنگال میں شیر شاہ نے اپنے نام کے عربی اور ہندی تحریروں والے سکے مسکوک کرائے ان پر ''سری شیر شاہ'' (سری سرساہ) کے الفاظ درج تھے۔

رسم تاج پوشی کے بعد شیر شاہ نے گور خالی کر دیا۔ یہ بھی دراصل اس کی ایک حربی حکمت عملی تھی۔ اس نے گور کے محل میں اعلیٰ شرابوں کا ذخیرہ اور خوبصورت خواتین کا جھرمٹ چھوڑ دیا، جو ہمایوں کی کمزوری تھی۔ نیز محل کے حرم سرا میں سلطان بنگال، محمود کی دس ہزار حسین وجمیل اور وجیہہ بیگمات بھی تھیں۔

شیر شاہ نے جلال خاں کو بھی حکم دیا کہ وہ نہایت ہوشیاری سے کام لے کر گڑھی کا درہ چھوڑ دے اور مغلوں کے آگے بڑھنے کی راہ کھول دے۔ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک شب کی تاریکی میں افغان سپاہ خاموشی سے درہ چھوڑ کر شیر پور چلی گئی جہاں شیر شاہ بھی پہنچ چکا تھا۔

جب مغلیہ فوج کو جلال خاں کے چلے جانے کی اطلاع ملی تو انھوں نے فوراً ہمایوں کو یہ خبر سنا دی۔ ہمایوں نے اس پر اظہار مسرت کیا اور مغلوں کو درہ پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ ہمایوں یہاں سے سیدھا گور جا پہنچا۔ اس نے وہاں جاتے ہی جشن فتح منانے کا اعلان کر دیا۔ چونکہ راہ میں کوئی مزاحمت نہیں تھی اس لیے وہ صرف چار دن میں وہاں جا پہنچا تھا۔

شیر شاہ جھارکھنڈ سے ہوتا ہوا دوبارہ قلعہ روہتاس میں جا کر فروکش ہو گیا۔

شاہ کا خطاب

شیر شاہ سوری نے ''شاہ'' کا خطاب کب اختیار کیا۔

کئی مؤرخین نے اس کے شاہی خطاب اختیار کرنے کی تاریخ ''1535ء'' قرار دی ہے لیکن اس کے ہم عصر اور صدر الصدور حسن علی خان نے شیر شاہ نامہ یعنی تواریخ دولت شیر شاہی میں لکھا ہے کہ جب جلال خان نوہانی فرار ہو کر بنگال چلا گیا اور ابراہیم شیر شاہ کے خلاف جنگ کے دوران مارا گیا تو اس کا بیٹا قطب خاں مقابلے پر آیا جسے حبیب خان کھوکھر نے تیر سے مار ڈالا اور اس فتح کے بعد 1532ء میں نہ صرف شیر شاہ نے ''شاہ'' کا لقب اختیار کیا بلکہ سکہ سازی بھی شروع کرا دی۔

باب ۴۱

شیر شاہ کی مغلوں کے خلاف یلغاریں

شیر شاہ نے افغان سپاہ کو سہسرام اور روہتاس میں جمع کر لیا تھا۔ یہ 1538ء کا موسم برسات تھا۔ موسم برسات کے خاتمے پر شیر شاہ نے مغلیہ سلطنت کے خلاف یلغاروں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔

اپنے قابل جرنیل خواص خاں کو بہار پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ خود شیر شاہ کسی طوفان بلا خیز کی طرح بنارس کی جانب بڑھا اور اسے محاصرے میں لے لیا۔ بنارس پر قبضہ کر کے شیر شاہ نے وہاں کے گورنر میر فضلی اور مغلیہ سپاہیوں کی اکثریت کو تہ تیغ کر دیا۔ یہ قتل و غارت اس نے چنار کے مقتولین کا بدلہ لینے کیلئے کی تھی اور قریباً 700 افراد کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

بنارس سے فارغ ہو کر شیر شاہ نے جونپور کا گھیراؤ کر لیا۔ یہاں گورنر بابا بیگ جالیر نے مضبوط دفاعی انتظامات کر رکھے تھے۔ شیر شاہ نے اس دوران میں ہیبت خاں نیازی، جلال خاں جالو اور سرمست خاں سروانی کو حکم دیا کہ وہ بہرائچ پر حملہ کر دیں جو اودھ کا ایک مشہور مقام تھا اور فیض آباد سے 109 کلومیٹر بطرف شمال واقع ہے۔ یہاں سے افغان سپاہ سنبھل تک جا پہنچی جو ہمایوں کی جاگیر تھی، جونپور اور چنار کا بھی محاصرہ کر لیا گیا۔

ہمایوں جب گور میں داخل ہوا تو اس نے شہر کی تعمیر و مرمت کے احکامات جاری کر دیئے اور خود حرم سرا میں مے و شباب کی رنگینیوں میں ایسا کھویا کہ ایک ماہ تک وہ عشرت کدے سے باہر نہ نکلا اور نہ ارد گرد کی کچھ خبر لی۔ اس نے ''گور'' کی رومان پرور فضا، حسن بلا خیز اور

راگ ورنگ سے متاثر ہو کر اس کا نام ہی ''جنت آباد'' رکھ دیا۔

ہمایوں اور اس کے امراء و آفیسر تو جنت کے مزے لوٹ رہے تھے اور دوسری جانب شیر شاہ کی فتوحات کا دائرہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

ہمایوں 15 جولائی 1538ء کو گور میں داخل ہوا تھا۔ دسمبر 1538ء میں جب شیر شاہ کی یلغاروں کا علم ہوا تو اس نے مشیروں کے ساتھ ایک میٹنگ کی۔ ہمایوں نے فیصلہ کیا کہ بنگال کا گورنر میرزا زاہد بیگ کو مقرر کر دیا جائے۔ مگر زاہد بیگ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ بنگال ایک مقتل ہے، ہمایوں نے اس پر برہمی کا اظہار کیا تو زاہد بیگ نے حاجی محمد اور جہاندار بیگ کو اپنے ساتھ ملا لیا، تینوں ہمایوں کا ساتھ چھوڑ کر آگرہ جا پہنچے اور مرزا ہندال کو بغاوت پر اکسایا۔ ہندال اقتدار کے خوابوں میں الجھ گیا۔ اس نے ہمایوں کے قاصد شیخ بہلول کو قتل کر دیا جو ہمایوں کا پیغام لے کر آیا تھا کہ ہندال فوراً جونپور کے گورنر کی مدد کیلئے پہنچے۔ اس کے برعکس ہندال نے دہلی کا رخ کیا اور شہر کو محاصرے میں لے لیا۔

مسٹر کے آر قانون گو نے لکھا ہے:

''دسمبر 1538ء کے آخر میں شیر شاہ کی فتوحات کی خبریں ہمایوں کے عیش میں مخل ہونے لگیں۔ وہ خواب سے بیدار تو ہوا لیکن کانوں سنی کا اس کو اعتبار نہ ہوا۔''

جوہر نے لکھا ہے:

''جب بادشاہ سلامت نے یہ خبر سنی ان کو یقین نہ آیا کہ صورت حال اس قدر بدتر ہو چکی ہے۔'' اس نے یہ سوال کیا کہ ''شیر خاں کو یہ سب کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟'' بہر حال بادشاہ نے دار السلطنت لوٹنے کا ارادہ کیا۔ اس نے اپنے سپہ سالاروں کا ایک خفیہ اجلاس منعقد کیا جس میں اس مسئلے پر غور کیا گیا کہ بنگال کا انتظام کس کے سپرد کیا جائے۔ بادشاہ سلامت نے یہ فرمایا۔ ''زاہد بیگ ہم سے ترقی کیلئے اصرار کرتا

ہے۔ بہتر ہو گا کہ اسے بنگال کا گورنر بنا دیا جائے۔ زاہد بیگ سکتہ کے عالم میں آ گیا اور بولا۔ ''کیا ما بدولت کے خیال میں میرے ذبح کرنے کیلئے بنگال سے بہتر کوئی مدفن نہیں ہے؟

ہمایوں اس جواب سے اتنا برافروختہ ہوا کہ زاہد بیگ کو سخت سزا دینے کی سوچنے لگا۔ لیکن اس سے حالت اور بھی بدتر ہو گئی۔ زاہد بیگ نے حاجی محمد اور جہاندار بیگ کو بغاوت کی ترغیب دی اور تینوں مل کر آگرہ بھاگ گئے۔ آگرہ پہنچ کر انھوں نے مرزا ہندال کو اکسایا کہ وہ خود بادشاہ بن جائے اور اس کو ورغلایا کہ وہ شیخ بہلول کو قتل کر دے۔ ہمایوں نے شیخ کو مرزا ہندال کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا تھا کہ وہ جونپور میں مغل گورنر کی امداد کیلئے جائے۔ مرزا ہندال پر باغیوں کی ترغیب سے رنگ چڑھ گیا۔ اس نے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور جونپور میں مغل فوج کی مدد کرنے کے بجائے وہ دہلی کی جانب روانہ ہو گیا اس نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔''

باب ۴۲

ہمایوں کی واپسی

جب ہمایوں کو یہ اندوہناک خبریں ملیں تو اس نے دہلی لوٹنے کا اعلان کر دیا۔ 1539ء کے آغاز میں وہ دہلی کی راہ پر بنگال میں جہانگیر قلی بیگ کو پانچ ہزار سپاہی دے کر گورنر مقرر کر دیا گیا۔ اپنے تحفظ کیلئے ہمایوں نے مرزا عسکری کو بھاگل پور میں ''کول گونگ'' پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ یوسف خیل کو مونگیر کی طرف بڑھنے کا حکم دیا گیا۔

اس دوران شیر شاہ نے جونپور اور چنار کا محاصرہ ختم کر کے اپنے سپاہیوں کو روہتاس اکٹھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ ہمایوں کا راستہ بھی اس طرح محفوظ ہو گیا تھا اور وہ بلاخطر گنگا کے شمالی کنارے کے ساتھ ساتھ بڑھ سکتا تھا۔ ہمایوں مونگیر پہنچا مرزا عسکری نے بھی ہمایوں سے پر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ اس دوران مغلیہ فوج مونگیر میں موجود تھی تا کہ ہمایوں کے سازوسامان اور مستورات والی کشتیاں وہاں سے بحافظت گذر جائیں۔ یہ کشتیاں حاجی پور پٹنہ پہنچیں جہاں مستورات کو شاہی خیام میں بھیج دیا گیا۔ مغل رانا پور سے آگے بڑھ گئے اس وقت مغل فوج کے حملہ کے پیش نظر شیر شاہ نے اپنی فوج سون ندی کی تلہٹی میں جمع کر رکھی تھی مگر جب مغل منیر سے چنار اور غازی پور کی جانب بڑھنے لگے تو شیر شاہ نے ایک ہنگامی اجلاس بلا کر اپنے سرداروں سے مشورہ کیا کہ کیا اسے ہمایوں پر حملہ کرنا چاہیے یا نہیں تمام سرداروں نے حملہ کی تائید کی۔

عباس لکھتا ہے:

''شیر خاں نے اپنے سرداروں کو بلا لیا اور ان سے مشورہ کیا کہ اب جب کہ بادشاہ کی فوج سراسیمہ و پریشان ہے اور آگرے میں بغاوت کے آثار نمودار ہو چکے ہیں تب کیا کرنا چاہیے؟ اس نے کہا۔''اب بادشاہ ہماری طرف سے پیٹھ پھیر کر جا رہا ہے۔ خدا کے فضل سے اب میری حالت زیادہ پائیدار اور مستحکم ہے۔ اگر میرے عزیز و احباب مشورہ دیں تو اب میں قسمت آزمائی کرلوں۔ اس سے پیشتر میں کافی چوٹ کھا چکا ہوں۔ بادشاہ کے بنگال کی مہم پر روانہ ہونے سے پیشتر میں نے ان کو سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا تھا بشرطیکہ وہ بنگال میرے حوالے کر دے۔ بادشاہ نے مجھ سے وعدہ بھی کیا۔ لیکن بنگال کے سلطان کا سفیر پہنچنے کے بعد وہ وعدہ شکن ہو گیا میں نے بہار اور جونپور سے اس کی فوجوں کو نکال دیا ہے چنانچہ صلح نامہ کا دروازہ اب بند ہو گیا ہے۔''

شیر شاہ نے ہمایوں کا تعاقب کیا اور اس کی فوج پر عقب سے حملہ کیا۔ پھر ایک تسلسل سے حملے کیے گئے جن میں کئی مغلیہ سپاہی مارے گئے اور بہت سی توپیں شیر شاہ کے ہاتھ لگیں۔ ہمایوں نے سپاہیوں کو زرہ پوش ہو کر گھوڑوں پہ سوار ہونے کا حکم دیا۔

جب مغل فوج منیر سے آرا اور بکسر کی جانب بڑھ رہی تھی تب شیر خاں نے اپنی فوج لے کر مغل لشکر کے عقب پر چھاپہ مارا اور ان کو کافی نقصان پہنچایا۔ جوہر نے لکھا ہے:

''ایک روز دنبالہ لشکر کے سپاہیوں نے خبر دی کہ افغان ہماری پشت پر دکھائی پڑتے ہیں۔ بادشاہ سلامت نے یہ حکم صادر کیا کہ یہ اعلان کر دیا جائے کہ دوران کوچ سپاہی برابر مسلح رہیں۔ دوسرے روز یہ خبر ملی کہ غنیم سے جھڑپ ہو گئی ہے اور دونوں اطراف سے تیر و تفنگ چلے۔ تیسرے روز خبر ملی کہ دشمن نے ہماری وزنی کوہ شکن توپوں کو جن سے کہ چنار کے

قلعہ کے میناروں کو زمین دوز کیا گیا تھا اور جو کشتیوں پر لدی ہوئی تھیں اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔شہنشاہ نے فوراً اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ مسلح ہو کر گھوڑوں پر سوار ہو جائیں۔ چوتھے روز سپاہی زرہ بکتر پہن کر گھوڑوں پر سوار ہو کر چلنے لگے اور چوسہ پہنچ گئے جب کہ ایک پہر دن باقی تھا (یعنی تقریباً 4 بجے تھے) ابھی سپاہیوں نے مشکل سے رکاب سے پیر نکالا ہی تھا کہ مشرقی افق پر ایک گہرا غبار دکھائی پڑا۔ بادشاہ نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جا کر پتہ لگائیں کہ کس کی فوج ہے۔ بہت دیر بعد ہرکارے یہ خبر لائے کہ شیر خاں بذات خود مع اپنی فوج کے آ پہنچا ہے اور اس کی فوج لڑائی کیلئے صف آرا ہے۔شہنشاہ نے اپنے امیروں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ قاسم حسین سلیمان نے جواب دیا:

’شیر خاں نے آج اٹھارہ کوس کا سفر طے کیا ہے۔اس کے گھوڑے تھک چکے ہیں اور حملہ کے قابل نہیں ہیں ہم کو اسی وقت انھیں جنگ کیلئے للکارنا چاہیے۔نصر من اللہ وفتح قریب‘

شہنشاہ کو یہ تجویز پسند آئی مگر موید بیگ کی رائے اس کے برخلاف تھی۔ بادشاہ نے اس کی رائے کو ترجیح دی اور لڑائی ملتوی کرنے کا حکم دیا اور کہا:

’لڑائی میں عجلت کی ضرورت نہیں‘۔

بادشاہ کا یہ حکم سن کر امیر و سپاہی دونوں ہی بہت مایوس ہوئے۔فوج رک گئی اور اس نے پڑاؤ ڈال دیا۔شیر خاں بھی نزدیک میں ہی شاہی فوج کے بالمقابل خیمہ زن ہو گیا۔اس نے اپنے لشکر کے ہر چار جانب مٹی کی دیوار بنوائی اور اپنے سپاہیوں کو اس فصیل کے سایہ میں چھپا دیا۔‘‘

گلبدن بیگم جسے ہمایوں کی والدہ ماہم بیگم نے پالا تھا اور وہ بابر کی دوسری بیوی سے

تھی اپنی تصنیف ''ہمایوں نامہ'' میں لکھتی ہیں:

''ایک دن تو لشکر کے عقبی حصے سے اطلاع ملی کہ انھیں پیچھے کی طرف سے کچھ دستے بڑھتے نظر آ رہے ہیں، دوسرے دن جھڑپ اور تیسرے دن توپوں کے چھن جانے کی اطلاع ملی۔''

{ہمایوں نامہ، گل بدن بیگم}

ہمایوں نے اپنی سپاہ کا رخ چوسہ کی جانب کر دیا اور جلد ہی چوسہ پہنچ گیا۔ ابھی وہ وہاں دم بھی نہ لینے پائے تھے کہ گرد و غبار کا ایک مہیب طوفان ان کی جانب بڑھتا نظر آیا۔ اس طوفان میں گھوڑوں کی ٹاپوں اور ہنہناہٹ کے ساتھ ساتھ افغانوں کے جوشیلے نعرے بھی شامل تھے۔ یہ شیر شاہ کا لشکر تھا جو تھورا ندی کے پار آ کر رک گیا۔

ہمایوں نے اپنے اُمراء سے مشورہ کیا تو قاسم حسین سلیمان نے فی الفور حملہ کرنے کا مشورہ دیا جبکہ موید بیگ نے حسب روایت اس تجویز سے اختلاف کرتے ہوئے عجلت سے گریز کرنے کا مشورہ دیا جسے ہمایوں نے قبول کر لیا۔ تھورا ندی یا کرم ناسہ کے مقام سے اب مغلوں کیلئے اسے عبور کر لینا آسان نہیں رہا تھا پھر یہاں ندی کا پاٹ کم اور گہرائی زیادہ تھی۔ اس ندی کا ذکر بابر نے بھی اپنی توک میں کیا تھا اور اسے ''دندی نالہ'' کا نام دیا تھا۔ تاہم تھورا ندی یا کرم ناسہ ندی میں اختلاف ہے۔

اب دونوں لشکروں کے درمیان ایک تند و تیز ندی حائل تھی یہ مقام چوسہ اور بکسر کے درمیان واقع تھا۔ ندی کی چوڑائی 25 گز کے لگ بھگ تھی۔

ہمایوں نے اب لشکر کو متحرک کیا اور چوسہ پہنچ گیا شیر شاہ نے بھی کرم ناسہ کو پار کر کے گنگا کے سنگم پر کیمپ لگا دیا۔

باب ۴۳

شیرشاہ کی حربی چال

شیر شاہ اس کوشش میں تھا کہ مغلیہ لشکر کرم ناسہ کو پار کرے یہاں تک کہ موسم برسات آن پہنچے۔ چنار پہنچنے کیلئے مغلیہ فوج کا کرم ناسہ کو پار کرنا ضروری تھا۔مگر شیر شاہ اُن کا سدِّ راہ تھا۔

مخزن نے لکھا ہے:

''شیر شاہ نے اپنا پڑاؤ شاہی فوج کے سامنے رکھا یہ مقام شا تہا، جھوسہ (چوسہ) اور بکسر کے درمیان ہے۔ اس لحاظ سے دونوں جانب کی افواج دریائے گنگا کے مقابل کناروں پر خیمہ زن تھیں۔ دونوں لشکروں کے درمیان ایک چھوٹی سی ندی تھی جس کے کنارے اس قدر ڈھلوان تھے کہ اس ندی کو بجز گھاٹ کے کسی جگہ بھی عبور کرنا مشکل تھا۔''

{تاریخ خان جہان ومخزن افغانی نعمت اللہ بن خواجہ حبیب اللہ ہراتی}

مغلوں نے اس ندی کو پار کرنے کیلئے بار بار کوشش کیں اور اس دوران جھڑپوں میں بہت سے مغلیہ سپاہی کام آئے جن کا اثر مغلیہ فوج کے مورال پر پڑا۔ دو ماہ کی مسلسل کوششوں کے باوجود وہ یہ ندی عبور کرنے میں ناکام رہے۔ اڑھائی ماہ کے بعد ساون کی رم جھم شروع ہوئی تو شیر شاہ کے کیمپ میں سیلابی ریلا آ گیا۔شیر شاہ نے فی الفور اپنے کیمپ کو بلند مقام پر منتقل کرلیا۔ یہاں پر چونکہ برساتی سیلاب آتا تھا اس لیے چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں رہتا تھا۔

جوہر نے لکھا ہے:

''ابتدا میں شیر شاہ کا طرزِ عمل مدافعانہ ہی تھا۔ یعنی مغلوں کو کرم ناسہ عبور کرنے سے روکنا اور تب تک ان کو دوسرے کنارے پر صف آرا ہوئے رکھنا جب تک کہ بارش کا موسم نہ آجائے جو نہ صرف اس کی مدد کرے بلکہ حریف کی مشکلوں میں اضافہ کر دے۔ چنار پہنچنے کیلئے ہمایوں کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ تھا دریائے کرم ناسہ کو عبور کر کے۔ اوپر کافی دور تک کسی گھاٹ تک پہنچنے کیلئے کوئی کار آمد سڑک نہیں تھی۔ یہ بات بابر نے بھی اپنی تزک میں دس سال پہلے لکھی تھی۔ لہٰذا باخبر شیر خاں کو دھوکہ دے کر نکل جانے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اس نے اپنے لشکر کی ہر سمت سے حفاظت کر رکھی تھی اور وہ ہر وقت مغلوں کی تاک میں لگا رہتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی نے یہ شکل اختیار کر لی کہ مغل بار بار کرم ناسہ کو عبور کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس کوشش میں کبھی کبھی ان کو زبردست نقصان بھی اٹھانا پڑتا۔ جس سے اس کی فوج کی ہمت ٹوٹنے لگی۔ دو مہینہ تک ہر روز اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہیں اور دونوں فریقوں کے سپاہی ہلاک ہوتے رہے اڑھائی مہینے کے بعد برسات زور شور سے شروع ہوگئی اور شیر خاں کے پڑاؤ میں سیلاب آ گیا۔''

شیر شاہ نے ایک تو ہمایوں کا راستہ روک رکھا تھا اور دوسرے اس کی نگاہیں ان تمام راہوں پر بھی تھیں جہاں سے کسی قسم کی کمک ملنے کا امکان ہوسکتا تھا۔ البتہ جب صلح کی گفتگو شروع ہوئی تو ہمایوں نے شیر شاہ سے راستہ چھوڑنے کو کہا جس پر شیر شاہ نے نہایت وضع داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمایوں کو اطمینان سے پار آنے کا موقع دیا۔ صلح کی گفتگو شیخ خلیل اور عزیز کی وساطت سے ہوئی تھی۔ ایک روایت کے مطابق عزیز جو شیر شاہ کا رشتہ دار تھا ہمایوں کی طرف سے نمائندہ تھا اور شیخ خلیل شیر شاہ کا نمائندہ تھا۔ یہ گفت وشنید بری طرح ناکام ہوئی۔

اس دوران میں دہلی اور آگرہ سے موصول ہونے والی خبریں شیر شاہ کیلئے امید افزا اور لشکر ہمایوں کیلئے مایوس کن ثابت ہو رہی تھیں۔

چوپا گھاٹ اور چوسہ کے درمیانی علاقہ میں اب موت کا رقص شروع ہونے والا تھا۔ دونوں لشکروں کے سرداروں کے مابین گفت وشنید کا بے مقصد اور طویل سلسلہ شروع تھا۔

کامران مرزا 12 ہزار گھڑسواروں کے ساتھ دہلی پہنچ گیا تھا۔ ہمایوں شیر شاہ کے جال میں پھنسا ہوا تھا اور اس کے بھائیوں کی آنکھوں میں ہوسِ اقتدار ناچ رہی تھی۔ وہ ہمایوں کو کمک بھیجنے کے بجائے اس کی شکست کی خبر کے منتظر تھے۔

جب ہمایوں ہر جانب سے مایوس ہو گیا تو وہ صلح کرنے کیلئے جُھک گیا۔ ہمایوں نے شیخ خلیل کو شیر شاہ کے پاس بھیجا۔ شیخ خلیل حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی اولاد میں سے تھے اس لیئے شیر شاہ نے اُن کا بہت احترام کیا اور یہ مطالبہ پیش کیا کہ قلعہ چنار اور اس کا نواحی علاقہ اسے دے دیا جائے تو وہ مغلوں سے تعرض نہیں کرے گا۔ ہمایوں نے یہ شرط نامنظور کر دی۔

اس صورت حال کے بارے میں کے آر قانون گو نے لکھا ہے:

''شیر شاہ اور ہمایوں دونوں آگرے سے آنے والی خبروں کے منتظر تھے۔ مفرور مرزاؤں سے (محمد سلطان مرزا اور اس کے لڑکے) شیر شاہ نے اچھا کام لیا تھا۔ ہمایوں کی توجہ اس طرف مبذول کرنے کیلئے اس نے (شیر خاں) اُنھیں بھار کھنڈ سے قنوج اور دہلی کی سمت روانہ کر دیا تھا اس کا منشا تھا کہ اگر مرزا ہندال جس کو ہمایوں نے سال گذشتہ میں مونگیر سے آگرہ بھیج دیا تھا بادشاہ کی کمک کیلئے فوج روانہ کرے تو اس کو یہاں تک پہنچنے میں تاخیر ہو۔ ہندال کو باغی مرزاؤں کے خلاف یورش کرنا پڑی جو دہلی تک چھاپے مارنے لگے تھے۔ ہندال نے ان کو قنوج تک دھکیل دیا۔ شیر خاں کو بذات خود ان مرزاؤں پر کوئی اعتبار

نہ تھا۔ وہ ان کی خصلت و کردار سے بخوبی واقف تھا۔ وہ انھیں تیموری نسل کے جنگلی باز سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ وہ اعلیٰ درجہ کے احسان فراموش وحق ناشناس ہیں۔ وہ جس تھالی میں کھاتے ہیں اسی میں چھید کرتے ہیں۔

ہمایوں کو محمد زمان مرزا پر اعتبار کرنے کی بڑی مہنگی قیمت ادا کرنی پڑی تھی۔ زمان مرزا تین بار بغاوت کر چکا تھا اور بادشاہ اسے تین بار معاف کر چکا تھا۔ یہ شاہی خاندان کا ایک جاہ طلب اور ابوالہوس شہزادہ تھا۔ اعلیٰ درجہ کا عیاش اور بدکار' باوجود اس کے نہایت ہی مہذب و شائستہ ،ظریف وخوش طبع۔ بغیر اس کی صحبت کے بابر کو معجون کھانے میں کوئی لطف نہ آتا تھا۔ زمان مرزا نے بہادر شاہ کے انتقال کے بعد گجرات کے تخت پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ پھر کامران مرزا سے لاہور چھیننے کی کوشش کی تھی۔ بالآخر وہ 1538ء میں چنار کے محاصرے کے وقت ہمایوں کے پاس آ گیا اور آہستہ آہستہ اس نے ہمایوں کا اعتماد حاصل کر لیا۔ وہ ہرات کے مشہور ومعروف سلطان حسین مرزا کا لڑکا تھا چوسہ کے عظیم حادثہ کے ماقبل پہلی رات اسی مرزا کو ہمایوں نے رات کی نگہبانی کا کام سونپا تھا۔

مگر اسی دوران واقعات اور وقت کا رخ بڑی تیزی سے ہمایوں کے خلاف بدلتا رہا۔ آگرہ اور دہلی سے آئے دن تشویشناک خبریں آرہی تھیں۔ کامران مرزا 12 ہزار گھوڑسواروں کے ساتھ اپنے چھوٹے کوتاہ اندیش بھائی کو دھمکانے کی غرض سے دہلی پہنچ چکا تھا اور صرف اس دن کا انتظار کر رہا تھا۔ کہ شہنشاہ کے متعلق کوئی خبر بد دہلی پہنچے جس کی اس کو قوی اُمید تھی۔"

مرزا حیدر مصنف ''تاریخ رشیدی'' ایک اعلیٰ خاندان کا سپاہی، کامران مرزا کا جگری دوست، لاہور سے مرزا کے ہمرکاب آیا تھا۔ اس نے چوسہ کی لڑائی سے قبل آگرے کی سیاسی فضا کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''بادشاہ کی جانب سے چوسہ سے متواتر پیغام آرہے تھے۔ جس میں اس نے اپنے بھائیوں سے جلد از جلد آنے کی تاکید کی تھی تاکہ شیر خاں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ پیغام آتے رہے مگر بھائی اپنے باہمی عناد و مخاصمت میں مصروف رہے۔ چنانچہ دشمن کو سکون رہا۔ جب ان واقعات کی خبر کامران کو ملی وہ فوراً اپنی فوج لے کر چل پڑا۔ اس کی آمد سے رعایا کے بجھے ہوئے حوصلے پھر تازہ ہو گئے۔ پرانے تجربہ کار سپاہیوں نے چوسہ میں بادشاہ کو کمک پہنچانے کی از حد کوشش کی مگر کچھ نمک حرام، بدمعاش مشیروں نے دوسرا ہی مشورہ دیا۔ انھوں نے کہا۔ ''چوسہ میں جا کر بادشاہ کی مدد کرنے کے معنی ہیں بادشاہ کو آزاد کرنا، دشمن کو برباد کرنا اور ہم کو جال میں پھنسانا۔'' کامران نے اپنی حماقت اور ناتجربہ کاری سے اس مشورے کو کارِ دانش سمجھا اور بادشاہ کی مدد کو جانے میں تساہل کیا۔

کوئی راستہ نہ دیکھ کر مجبوراً بادشاہ صلح کیلئے جھکا۔ لڑائی روز بروز اس وقت تک ملتوی ہوتی رہی جب تک شیر خاں سے صلح کرنا ہی مناسب معلوم ہوا۔ ہمایوں نے شیخ خلیل کو جو شیخ فرید شکر گنج کے خاندان سے تھا۔ شیر خاں کے پاس صلح کا پیغام دے کر بھیجا۔ شیخ شیر خاں کے پاس گیا اور اسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کی۔ شیر خاں اس شرط پر راضی ہو گیا کہ چنار کا قلعہ مع قلعہ کے باہر کا مشرقی علاقہ اس کو دے دیا جائے۔ شیخ نے بادشاہ سلامت کو ایک مؤدبانہ خط بھیجا جس میں بیان کیا

''شیر خاں کو چنار کے قلعہ پر کچھ اعتراض ہے۔ شہنشاہ کے امیر و سرداروں نے شیر خاں کو چنار سونپ دینا مناسب نہ سمجھا بالآخر صلح کی شرط رد ہو گئی۔''

{تاریخ رشیدی، مرزا محمد حیدر دغلت}

باب ۴۴

چوسہ کی لڑائی

شیر شاہ نے اپنے جرنیل خواص خاں کو واپس بلا لیا جو مہارتھ چیرو کے خلاف معرکہ آرائی میں مصروف تھا۔اس نے آ کر یہ خبر مشہور کر دی کہ مہارتھ چیرو روپوش ہو چکا ہے اور بے خبری میں شیر شاہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔یہ خبر خواص خاں نے شیر شاہ کے ایماء پر پھیلائی تھی۔اس طرح روزانہ افغان دستے دور دور تک مہارتھ کو تلاش کرنے جاتے۔

یہ خبریں مغلیہ کیمپ میں بھی پہنچ گئیں اور انھوں نے ان خبروں کو اپنے حق غنیمت جانا۔دستے شام تک پھر پھر کے لوٹ آتے اور اطلاع دیتے کہ وہ مہارتھ کو تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

ایک روز حسب معمول خواص خاں مہارتھ کی تلاش میں نکلا اس کے ساتھ تربیت یافتہ ہاتھیوں کا دستہ بھی تھا۔مغلوں نے اسے معمول کی تلاش سمجھا مگر آج ہوا کے تیور بدلے بدلے سے تھے۔شیخ خلیل کا ماتھا بھی ٹھنکا انھوں نے ہمایوں کو خط لکھا کہ اُفق پر خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں اس لیے وہ چوکس رہے مگر ہمایوں نے اس اطلاع کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور لاپرواہی اختیار کی۔

نصف شب کو شیر شاہ نے ایک ہنگامی اور خفیہ اجلاس کیا جس میں فوری جنگ کا فیصلہ کیا گیا۔مغلوں کو یہ تاثر دیا گیا جیسے مہارتھ کا حملہ ہونے والا ہے۔افغان چھ سات کلومیٹر مہارتھ کے علاقہ کی جانب بڑھ گئے۔

25 جون 1539 نصف شب کا وقت تھا جب خواص خان بھی شیر شاہ سے آن ملا۔ شیر شاہ نے فی الفور اپنی فوج کو کرم ناسہ ندی پار کرنے کا حکم دیا۔ خواص اس لشکر میں اپنے دستے کے ساتھ سب سے آگے تھا۔ افغان سپاہ مغلوں پر متحیر کن حملہ کرنے کے ارادہ سے آگے بڑھ رہی تھی۔

عباس سروانی نے لکھا ہی:

''جب ہمایوں بادشاہ نے سنا کہ شیر خاں روہتاس کی پہاڑیوں سے نیچے اتر رہا ہے تو اس نے شیر خاں کی جانب رخ کیا۔ شیر خاں کو جب یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ اس کے خلاف فوج کشی کر رہا ہے تو اس نے ایک مؤدبانہ خط بادشاہ کے نام لکھا کہ اگر جہاں پناہ بنگال کا علاقہ اپنے اس بندہ کو عطا کر دیں تو یہ کمترین بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھے گا۔ ان کے نام کے سکے رائج کرے گا۔ یہ بندہ بھی اعلیٰ حضرت کے خادموں میں سے ایک ہے۔ شیر خاں منزل بہ منزل اپنے پڑاؤ تک کوچ کرتا رہا اور اپنے اور شاہی فوج کے مابین ایک دریا کو پناہ بنا کر اقامت گزیں ہو گیا۔ اس دریا کی چوڑائی صرف 25 گز تھی۔ اس نے خواص خاں کو اپنے حضور میں بلایا اس کو پہلے مہارتھ چیرو کے خلاف بھیجا گیا تھا۔ جب شیر خاں کا خط بادشاہ کو موصول ہوا۔ تب وہ دریا کے کنارے پر شاہی فوج کے بالمقابل خیمہ زن تھا۔ بادشاہ نے فرمایا: ''اگر شیر خاں کو بادشاہی کا لحاظ ہے تو اس کو لازم ہے کہ وہ اپنی فوج یہاں سے پیچھے ہٹا لے اور دریا کی گزرگاہ خالی کر دے تا کہ شاہی فوج دریا پار کر کے دو تین منزل تک اس کے عقب میں کوچ کرے۔'' شیر خاں نے بادشاہ کی اس شرط کو مان لیا اور دریا کے گھاٹ کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا اور گزر گاہ کا راستہ صاف چھوڑ دیا۔ اعلیٰ حضرت نے دریا پر ایک پُل بنایا اور

اپنے خیمے کو چھوڑ کر اپنے عزیز و اقارب و نیز دیگر اشخاص کو دریا کے دوسرے کنارے پر لے گئے اور وہاں شاہی خیمہ نصب کر دیا۔ ہمایوں نے شیخ خلیل کو جو شیخ فرید شکر گنج کی اولاد سے تھا اپنا سفیر بنا کر شیر خاں کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ''شیر خاں بغیر راستے میں قیام کیے روہتاس واپس کوچ کر جائے کچھ دور تک شاہی فوج اس کے عقب میں چلے گی اور پھر واپس آ جائے گی۔ بعد ازاں بنگال کی جاگیر کا فرمان جس کا کہ بادشاہ سلامت نے وعدہ کیا ہے اس کے نام جاری کر دیا جائے گا۔

شیر خاں نے بظاہر بادشاہ کے حکم کو مان لیا اور شیخ خلیل کی خاطر و تواضع میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا اس نے شیخ سے کہا۔ ''بادشاہ کا قول ہی میرے لیے کافی ہے'' اس نے شیخ خلیل کو مالوہ اور بنگال کے متعدد زری اور ریشم کے پارچہ جات انعام میں دیئے جن کو پا کر شیخ احسان مند ہو گیا۔ بعد ازاں اس نے شیخ کو خلوت میں طلب کیا اور اس کی منت و سماجت کر کے اس سے یہ استدعا کی کہ وہ اپنی سچی رائے اس معاملے میں دے کہ جنگ کرنا چاہیے یا صلح۔ بہت تامل کے بعد شیخ نے کہا ''تمہارے حق میں صلح کی نسبت جنگ ہی بہتر ہے۔ بادشاہ کے لشکر میں ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ نہ اُس کے پاس خچر ہیں نہ گھوڑے۔ اس کے بھائیوں میں بغض و نفاق کی آگ بھڑک رہی ہے۔ بادشاہ نے ضرورت سے مجبور ہو کر تمہارے پاس صلح کا پیغام بھیجا ہے۔ مصلحت اور دور اندیشی کا تقاضا ہے کہ اب صلح نہ کی جائے۔ تم اپنی خوش قسمتی سمجھو۔ ایسا سنہری موقع پھر کبھی نصیب نہ ہو گا''۔ جب شیخ خلیل نے شیر خاں کو صلح نہ کرنے کا مشورہ دیا اور جنگ کیلئے ترغیب دی تو شیر خاں

نے خواص خاں کو مہارتھ کے خلاف مہم سے واپس بلا لیا۔ افغانوں کی بات کا جواب دیتے ہوئے شیر خاں نے کہا۔ ''میں تو محض صلح کا بہانہ کر رہا تھا۔ لیکن حقیقتاً میں نے صلح کو فسخ کر دیا ہے تاکہ خدا پر بھروسہ کر کے جنگ کر سکوں۔''

بدایونی نے ''منتخب التواریخ'' میں لکھا ہے:

''کہا جاتا ہے کہ جس عرصہ میں چوسہ کے مقام پر ہمایوں اور شیر شاہ کی فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا تھیں ایک روز بادشاہ نے ملا محمد عزیز کو جسے شیر خاں کے ساتھ قرابت تھی اپنا سفیر بنا کر شیر شاہ کے پاس بھیجا جس وقت سفیر شیر خاں کے لشکر میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ شیر خاں آستین چڑھائے ہاتھ میں کدال لیے تیز گرم ہوا میں مٹی کھود کر خندق بنانے میں مصروف ہے۔ جب ملا محمد اس کے پاس پہنچا تو اس نے اپنے ہاتھ دھوئے اور ایک شامیانہ لگانے کا حکم دیا۔ وہ بلا تکلف فرش پر بیٹھ گیا اور اس نے بادشاہ کے پیغام کو سنا۔ اس نے سفیر سے کہا کہ ''آپ ازراہِ کرم میری ایک بات بادشاہ کے گوش گزار کر دیں اعلیٰ حضرت لڑنا چاہتے ہیں مگر ان کی فوج لڑنا نہیں چاہتی۔ اس کے برعکس میں جنگ کے خلاف ہوں اور میری فوج لڑائی کیلئے مضطرب۔ اب جیسا جو بادشاہ کے مزاج میں آئے۔''

{منتخب التواریخ، ملا عبدالقادر ملوک شاہ بدایونی}

شیر خاں نے اپنے پیرو مرشد میر خلیل کو صلح کی تجویز دے کر بادشاہ کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ وہ بنگال کے علاوہ تمام علاقہ بادشاہ کے حوالے کرنے کو تیار ہے، بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھوانے اور سکہ رائج کرنے کیلئے بھی تیار ہے۔ ان شرائط کو ماننے کیلئے ہر دو فریق نے

قرآن پاک کی قسم کھا کر وعدہ کیا۔اس کی جانب سے بادشاہ کو اطمینان کلی ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے روز صبح سے بادشاہ کے لشکر میں لا پروائی اور غفلت ہو گئی۔''

{منتخب التواریخ، ملا عبدالقادر ملوک شاہ بدایونی}

مخزن کا بیان ہے:

''شیر خاں نے اپنی جانب سے شیخ خلیل کو ہمایوں کے حضور میں بھیجا تاکہ کچھ روز تک صلح نامہ و پیام جاری رہے۔ آخر کار شیر شاہ راضی ہو گیا اور اس نے شیخ خلیل کے ذریعے بادشاہ کے پاس یہ پیغام بھیجا:''میں گڑھی کی حد سے لے کر ہند کا تمام علاقہ اعلیٰ حضرت کے سپرد کرتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت صرف بنگال کا علاقہ میرے لیے چھوڑ دیں۔ میں بنگال میں بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھوں گا۔ان کے نام کے سکے جاری کروں گا۔

ہمایوں نے یہ شرائط منظور کر لیں اور صلح ہو گئی۔ بادشاہ کا دردِ سر ختم ہو گیا۔شاہی فوج کے سپاہی روزانہ بلا کسی شک وشبہ یا ڈر کے افغانوں کے لشکر میں آنے لگے اور تماشہ دیکھنے لگے اور اسی طرح یہ سلسلہ آمد و رفت رہا۔شیر خاں نے چوسہ کے نزدیک دریا پر ایک پُل بنایا اور تین روز تک متواتر وہ اپنے پڑاؤ سے آتا رہا جاتا رہا۔ بادشاہ شیر خاں کے اس مکر وفریب سے بے خبر رہا۔''

{تاریخ خان جہان و مخزن افغانی نعمت اللہ بن خواجہ حبیب اللہ ہراتی}

26 جون 1539 کی سحر مغلوں کیلئے قیامت ثابت ہوئی اور افغانوں نے اس وقت ان پر دھاوا بول دیا جب وہ ابھی خواب خرگوش کے مزے ہی لوٹ رہے تھے۔ شیر شاہ اور خواص خان نے پوری طاقت سے حملہ کر دیا۔مغلوں میں کھلبلی مچ گئی اور وہ اس اچانک افتاد

سے گھبرا کر بھاگنے لگے۔

کے آر قانون گو نے لکھا ہے:

''اس نقل و حرکت کو مغلوں سے پوشیدہ رکھنے کیلئے شیر خاں رات کو اپنے پڑاؤ سے کم از کم 5 میل بجانب جنوب گیا۔ خواص خاں بھی کرم ناسہ کے مغربی کنارے کے بالائی حصے میں گشت لگا رہا تھا۔ کیوں کہ اس وقت دریا عبور کرنا خالی از علت نہ تھا۔ اول تو مغلوں کو شبہ ہو جاتا دوسرے وہ دفعتہ متحرک ہو کر خواص خاں کو اپنے آقا سے یکجا ہونے میں سدراہ بن جاتے چونکہ بمقابلہ مخزن عباس زیادہ مستند ہے اس لیے ہم یقیناً یہ کہہ سکتے ہیں کہ شیر خاں نے خواص خاں کی روانگی کے تین دن بعد رات کو اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا ہوگا۔ جیسا کہ پیشتر ہی طے ہو چکا تھا۔ 8 صفر 946 ہجری مطابق 25 جون 1539ء کو خواص خاں ٹھیک آدھی رات کے وقت اپنے آقا سے جا ملا۔ اب متحدہ افواج دریائے کرم ناسہ کو پار کر کے مشرقی کنارے پر پہنچ گئی۔ جس مقام پر دریا کو عبور کیا گیا وہ دوشاخہ مقام مغل فوج کے پڑاؤ سے 5 میل جانب جنوب تھا اور شمال میں دریائے گنگا اور مغرب میں کرم ناسہ کے درمیان واقع تھا۔ شیر خاں اور خواص خاں نے اب تک جنگ کا سب نقشہ پوشیدہ رکھا تھا۔ اب انھوں نے نہایت ہوشیاری سے مغل فوج پر دفعتہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ تمام افغان رسالہ جنگ کیلئے صف آرا ہو کر رات کی تاریکی میں شمال کی جانب بڑھا۔ خواص خاں کے دستہ کو حملہ کرنے کیلئے سب سے آگے رکھا گیا۔

26 جون 1539ء کو بوقت فجر صبح کی ٹھنڈی ہوا مغلوں کو لوریاں دے کر سلا رہی تھی۔ افغان دفعتہ ان پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے۔ شور سن

کر جب مغل سپاہی بیدار ہوئے تو ان کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ زرّہ بکتر پہن کر جنگ کیلئے صف آرا ہو جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر کسی نے جان بچا کر بھاگنا ہی غنیمت سمجھا۔ جدھر جس کے سینگ سمائے چل پڑا۔''

ہمایوں کی شجاعت

ہمایوں نے طبل جنگ بجانے کا حکم دیا مگر صرف تین سو کے لگ بھگ سپاہی اس کے گرد جمع ہو پائے۔ ہمایوں خود بھی لڑتا ہوا زخمی ہو گیا اور اس کا بایاں بازو ناقابل استعمال ہو گیا۔ اس کے جانثار سپاہی اس کے گھوڑے کو میدان کارزار سے دور گنگا کے کنارے لے گئے۔ ہمایوں نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ مگر تند موجوں نے اسے گھوڑے سے گرا دیا۔ نظام سقہ نے ایک مشک کی مدد سے ہمایوں کو دریا کے پار پہنچا دیا۔

اس اچانک حملے میں مغلیہ فوج کے 6000 سپاہی تہ تیغ کر دیئے گئے۔ شاہی حرم کی بیگمات اور دیگر خواتین کو شیر شاہ نے اپنی حراست میں لے لیا۔ کئی سپاہی دریائے گنگا میں غرقاب ہو گئے۔ شاہی خواتین بیگا بیگم کے ساتھ حرم سرا سے باہر نکلیں تو انھیں دیکھ کر شیر شاہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا اس نے انھیں تسلی تشفی دی اور نہایت احسن سلوک کیا اور ان کو وقار کے ساتھ رکھا۔ سپاہیوں کو بھی حکم دیا گیا کہ کسی عورت یا بچے کو گرفتار نہ کیا جائے بلکہ انھیں زنان خانے میں پہنچا دیا جائے۔ شیر شاہ نے تمام بیگمات کی عزت و ناموس کے تحفظ کو یقینی بنایا اور تمام خواتین کے کھانے پینے اور آرام کا مکمل خیال رکھا۔

عباس سروانی اس حملے کے بارے میں لکھتا ہے:

''تاریخ میں کوئی ناگہانی حملہ اس سے زیادہ کامیاب نہیں ہوا تھا۔ شاہی حرم کی بیگمات اور دوسرے عالی خاندانوں کی مستورات کی ایک کثیر تعداد افغانوں کے ہاتھ پڑی۔ ہمایوں کے تقریباً 6 ہزار سپاہی ہلاک

ہوئے ان میں سے آدھے میدان جنگ میں کام آئے اور آدھے گنگا میں ڈوب گئے۔شیر خاں نے بے کس مغل بیگمات اور بچوں کے ساتھ جو اس کے تصرف میں آ گئے تھے بہت ہی شائستہ اور مہذبانہ سلوک کیا۔ جب شہنشاہ ہمایوں کی ملکہ دیگر سرداروں کی بیگمات و مستورات کا مجمع پردہ سے باہر نکلا تو شیر خاں انھیں دیکھتے ہی گھوڑے سے کود پڑا۔ انھیں تسلی و تشفی دی اور ہر طریقہ سے ان کی عزت افزائی کی۔اس نے نقیب کو بلا کر حکم دیا کہ تمام لشکر میں اعلان کر دیا جائے کہ کوئی سپاہی کسی مغل عورت و بچے کو قیدی نہ بنائے بلکہ ان سب کو بیگم کے سرا پردہ (یعنی ملکہ کا پاک خیمہ) میں لے آئے۔افغانوں پر اس کے حکم کا اتنا خوف طاری ہوا کہ اس کی خلاف ورزی کرنے کا حوصلہ کسی کو بھی نہ ہوا۔ شام ہونے سے پہلے ہی مغلوں کی تمام بیگمات مع اہل وعیال شاہی ملکہ کے ڈیرہ میں پہنچ گئیں اور ہر فرد کیلئے راشن مقرر کر دیا گیا۔“

شیر شاہ اس فتح کے ساتھ ہی ایک بڑی طاقت کے طور پر اُبھرا تھا اور اب تخت دہلی کی برابری کا دعویٰ کر سکتا تھا۔ہمایوں اپنے سپاہیوں کے ساتھ غازی پور، بنارس سے ہوتا ہوا چنار جا پہنچا۔

چنار کے قلعہ میں ہمایوں نے بمشکل تین دن گذارے ہوں گے کہ برہم جیت شیر شاہ کے حکم پر اس کے تعاقب میں پہنچ گیا۔ ہمایوں یہاں سے پھر فرار ہو کر گنگا کے کنارے جا پہنچا۔اس وقت اریل (الہ آباد) کے راجا بیر بھان نے ہمایوں کی مدد کی اور اسے دریا پار لے جا کر آرام کا کچھ موقع دیا۔ بھوکے پیاسے سپاہیوں کو کھانا کھلایا گیا اور پیادہ سپاہیوں کو نئے گھوڑے دیئے گئے۔

جب افغان اریل پہنچے تو بیر بھان سدِّ راہ بن گیا۔اس جرم کی پاداش میں شیر شاہ نے ایک سال بعد ہی اُریل کے قلعہ پر حملہ کر دیا۔راجا بندھیل کے جنگلات کی جانب بھاگ

نکلا اور وہاں اس نے ''ریوا'' کی ریاست قائم کی۔

گلبدن بیگم نے ''ہمایوں نامہ'' میں لکھا ہے:

''گنگا میں ڈوبنے سے بچ کر ہمایوں اپنی شکست خوردہ، پس ماندہ افواج سے غازی پور کی طرف والے گنگا کے کنارے پر جا پہنچا اور وہاں سے بنارس اور چنار کی طرف بھاگا۔ چنار اس وقت تک اس کے ہی افسروں کے قبضے میں تھا۔ بادشاہ نے تین روز تک قلعہ میں آرام کیا۔ شیر خاں کی آمد کی خبر سن کر ہمایوں نے چنار کا قلعہ خالی کر دیا اور وہ گنگا کے جنوبی کنارے کی سڑک پر گامزن ہوا۔ برہم جیت گوڑ جو کہ سواروں کے رسالہ کا ایک آزمودہ افسر تھا اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس کو شیر خاں نے گنگا پار جانے کا حکم دیا تھا۔ انجام کار بادشاہ کو سنگم دکھائی پڑا۔ یہاں پر یاگ کے مقام پر جمنا گنگا سے آ کر مل جاتی ہے۔ یہاں وہ حیرت زدہ ہو کر رُکا کیوں کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دریا کو کس طرح پار کیا جائے۔ اس نے کہا بغیر کشتیوں کے کیسے پار پہنچا جا سکتا ہے۔ اسی وقت راجا یعنی اریل کا بیر بھان (اریل الہ آباد قلعہ کے پار بالمقابل ہے) پانچ یا چھ سواروں کے ساتھ آ گیا اور اس کو ایک گزرگاہ سے اس پار لے گیا۔ چار پانچ دن سے بادشاہ کے ساتھی بھوکے پیاسے تھے۔ راجا نے ایک بازار کھلوا دیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے کچھ وقت آرام سے گزارا۔ گھوڑوں کو بھی راحت ملی۔ پیادہ سپاہیوں نے نئے گھوڑے خرید لیے۔ قصہ کوتاہ راجا نے نہایت ہی مناسب اور تابعدارانہ خدمت انجام دی۔''

{ہمایوں نامہ، گل بدن بیگم}

مسٹر کالکا رنجن نے لکھا ہے:

''نسلی امتیاز سے بالاتر ہو کر راجا نے ہمایوں کی مصیبت میں مدد کی تھی یہ مدد وفاداری کے جذبہ کے تحت نہ تھی بلکہ اس راجپوت کی دلیری وایثار کا ثبوت تھی جو ہر راجپوت کے خون میں فطرتاً اور قدرتاً موجزن ہے۔ اسی اصول کی خاطر راجا فاتح شیر خاں کے انتقام کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوا۔ اس نے ہمایوں کے تعاقب میں آنے والے فوجی دستہ کو اریل پر روک دیا۔ اریل اس زمانے میں ایک مضبوط و پائیدار قلعہ تھا۔ ایک سال بعد راجا کو شیر خاں کے غیض وغضب کا شکار ہونا پڑا۔ اس نے مع اپنے خاندان وقبیلہ کے بندھیل کھنڈ کے جنگلات میں پناہ لی۔ جہاں اس نے ریوا کی خودمختار ریاست کی بنیاد ڈالی جو آج تک اس کے بہادر وارثوں کے ہاتھ میں ہے۔''

اریل سے ہمایوں دریائے جمنا کے کنارے کنارے کالپی پہنچ گیا۔ جولائی 1539ء میں ہمایوں نہایت حالتِ زار میں آگرہ پہنچا جہاں اس کی بیگمات اس کی اس حالت پر اشکبار ہوگئیں۔

ہمایوں کی آمد سے کامران مرزا کے اِقتدار کے سپنے بھی چکنا چور ہو گئے۔ ہمایوں کی کئی بیگمات اور دیگر مستورات شیر شاہ کے قبضے میں تھیں، یہ دُکھ اور کرب ہمایوں کو گھُن کی طرح چاٹ رہا تھا اور اس کی صحت دِن بدن گرتی جا رہی تھی۔ ایک ماہ سے زائد عرصہ تک وہ بخار میں پھنکتا رہا۔

(تھور اندی ایک گندہ نالا تھا یہ ایک دلدلی اور چکنی مٹی والا برساتی نالا تھا جس میں اکثر مسافر پھنس جایا کرتے تھے۔)

باب ۴۵

بنگال پر دوبارہ قبضہ اور جشنِ تاج پوشی

جب ہمایوں پسپا ہو گیا تو شیر شاہ نے الہ آباد تک اس کا تعاقب کیا اور پھر اپنے دو جرنیلوں حاجی خاں بٹنی اور جلال خاں بن جلو کو بنگال کی طرف روانہ کر دیا تا کہ وہ جہانگیر قلی خاں سے بنگال لے لیں۔

اس دوران خواص خاں کا لشکر قلعہ مونگیر کی جانب بڑھ رہا تھا جس پر مغلوں کا تسلط تھا۔ خواص کے تیز و تند حملوں نے گورنر خان خاناں دلاور خان کو صلح کیلئے جھکنے پر مجبور کر دیا۔

جہانگیر قلی کا انجام

مغلیہ فوج کی شکست اور ہمایوں کی پسپائی کی خبر سن کر جہانگیر قلی خاں نے گور خالی کر دیا اور گڑھی کے درے پر آن پہنچا یہاں حاجی خاں بٹنی اور جلالی خاں بن جلو اس کی راہ میں حائل ہو گئے۔ شیر شاہ بھی اس مقام پر آن پہنچا اور یہاں جھڑپوں کے دوران 6000 ہزار مغلیہ سپاہی اور جہانگیر قلی خاں کام آ گئے، اگر جہانگیر زیادہ تیزی کا مظاہر کرتا تو درے سے نکل کر بحفاظت مغلیہ علاقوں میں پہنچ سکتا تھا۔ مگر موت نے گڑھی کے درے میں اس کیلئے دام بچھا رکھا تھا۔ اس معرکہ کے دوران کچھ ہندوؤں کی جان بخشی کر دی گئی اور سردار درویش بنگال پیچھے رہ جانے کی وجہ سے بچ گیا۔

باب ۴۶

شیر شاہ سوری کی تاج پوشی کا جشن ثانی

1539ء بمطابق 946 ء شیر شاہ فاتحانہ شان وشوکت سے گور میں داخل ہوا اور ایک بار پھر وہاں اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کی گئی اور جشن کا انعقاد کیا گیا۔ یہ جشن سات روز تک جاری رہا شیر شاہ دربار لگا کر بیٹھ جاتا۔ افغان اس کے سامنے حربی مظاہرے پیش کرتے، رقاص اپنے فن کا مظاہرہ کرتے پُرتکلف ضیافتوں اور کھانوں کا اہتمام ہوتا خوش ذائقہ مشروب پیش کیے جاتے۔

کے آر قانون گو کے مطابق:

''کہا جاتا ہے کہ شیر خاں نے اپنی تخت نشینی کیلئے نجومیوں سے ساعت سعید (شبھ مہورت) نکلوائی تھی۔ شیر خاں جونپور اسکول کا مولوی تھا۔ خواہ اسے علم نجوم میں یقین تھا یا نہیں لیکن وہ یہ بات بخوبی سمجھتا تھا کہ گاہے گاہے بادشاہ کیلئے اپنی رعایا کی اوہام پرستی کی خاطر اس طرح کا مظاہرہ کرنا مفید ہوتا ہے۔ بہر حال اس موقع پر شیر خاں نے فیاضی اور دریا دلی سے کام لیا۔ وہ سات روز تک متواتر رعایا کے جوشیلے جشن میں شرکت کرتا رہا۔''

عباس نے اس واقعہ کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھا ہے:

''سات روز تک جشن وشادمانی کے نقارے بجتے رہے۔ ہر افغان قبیلے

سے جوانوں کی ٹولیاں دربار میں آتی رہیں اور افغان رسم و رواج کے
مطابق رقص کرتی رہیں۔ شیر خاں نے مطربوں کو دل کھول کر انعام دیا
اور اس کے خدمت گاروں نے رقاصوں کے سر پر مشک، عنبر، زعفران
آمیز رنگا رنگ عرق گلاب چھڑکا۔ دستر خوان پر لذیز کھانے چنے گئے۔
جن سے کہ خلد بریں کے کھانوں کی مہک آتی تھی جشن منانے والوں کو
ہضم کرنے والے شربت پلائے گئے جو شرابِ طہور کی یاد دلاتے
تھے۔ گھر گھر میں جہاں بھی شیر خاں کا فتح نامہ پہنچا اسی قسم کے جشن
منائے گئے۔''

جشن کی تقریبات کے اختتام پر شیر شاہ نے مغربی بنگال میں چٹا گانگ اور ستگام کی بندرگاہوں پر مضبوط انتظامات کیے۔ خضر خاں کو بنگال کا گورنر مقرر کر کے لوٹ آیا۔

چوسہ کی معرکہ آرائی کے بعد شیر شاہ نے مسند عالی عیسیٰ خاں کو اپنا سفیر نامزد کر کے گجرات بھیجا تا کہ رائے سین، پورنمل (چندیری) معین خان بن سکندر خان (ہنڈیہ) اور ملوخاں سے سیاسی و سفارتی تعلقات قائم کیے جا سکیں۔

ملوخاں نے مانڈو، سارنگ پور، اجین اور بھیلسہ پر ہمایوں کی یلغار کے بعد قبضہ کر لیا تھا اور قادر شاہ کا لقب اِختیار کیا تھا قادر شاہ کو جب شیر شاہ کا مہر شدہ خط ملا تو وہ بھڑک اُٹھا۔

کے آر قانون گو کے مطابق:

''ایک روایت ہے کہ چوسہ کی شکست کے بعد جب ہمایوں آگرے
سے جانب قنوج روانہ ہوا تو شیر خاں نے عیسیٰ خاں کو اپنا سفیر بنا کر مالوہ
اور گجرات بھیجا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رائے سین اور چندیری کے بھیا
پورنمل اور ہنڈیہ کے معین خاں بن سکندر خاں میانہ نے شیر خاں کے
خطوط کے جواب میں اسے یقین دلایا کہ شیر خاں کے بیٹے کے مالوہ
پہنچنے پر وہ مغلوں کے خلاف وفاداری سے اس کی مدد کریں گے۔

ملوخاں نے قدیم خلجی دارالسلطنت مانڈو اور اس کے گرد و نواح کے ما تحت علاقہ سارنگ پور، اجین، بھیلسہ پر اپنا تسلط کر لیا تھا۔ ملوخاں نے یہ کام اس وقت کیا جب کہ ہمایوں نے گوالیار کے علاوہ تمام مالوہ خالی کر دیا تھا۔ اب وہ محض ''خان'' نہ رہ گیا تھا بلکہ 1537ء میں قادر شاہ کا خطاب اختیار کر کے وہ خود مختار بادشاہ بن گیا تھا۔ چنانچہ یہ روایت اس کو پسند نہ آئی کہ شیر شاہ شاہی مہر لگا کر اس کو کوئی فرمان بھیجے اور اسے اپنا ماتحت سمجھے۔ قادر شاہ نے شیر خاں سے اپنی توہین کا بدلہ یوں لیا کہ اس نے شیر خاں کے خط کے جواب میں ایک گستاخانہ خط لکھا۔ جس پر اس نے اپنی شاہی مہر ثبت کی لیکن شیر خاں کو مالوہ کے دیگر سرداروں کی وفاداری اور اطاعت پر کامل یقین تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے سب سے چھوٹے لڑکے قطب خاں کو ایک فوج دے کر چندیری بھیجا تا کہ وہ مالوہ کے دیگر سرداروں کی فوج کی مدد سے دہلی اور آگرہ کے قرب و جوار میں بدامنی پھیلائے۔ شہنشاہ نے اپنے دو بھائیوں مرزا عسکری اور ہندال مرزا کو چندیری کی جانب روانہ کیا۔ جب مالوہ کے حکمرانوں نے مرزاؤں کی آمد کی خبر سنی تو انھوں نے قطب خاں کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قطب خاں چندیری سے اپنی فوج ہٹا کر ''جاندھ'' کی جانب چلا گیا۔ جہاں قطب خاں اور مغلوں میں ایک لڑائی ہوئی جس میں قطب خاں ہلاک ہوا۔''

قطب خاں بن شیر شاہ سوری کی موت

شیر شاہ نے اپنے بیٹے قطب خاں کو چندیری کی جانب بھیجا تھا۔ ہمایوں نے اپنے بھائیوں عسکری مرزا ہندال کو لشکر دے کر اس کے مقابلے کیلئے بھیج دیا۔ مغلیہ لشکر کی آمد کی

اطلاع پر قطب خاں نے چندیری سے اپنی فوج ہٹا لی۔ چندوارہ (چندوارہ اٹاوہ متھرا روڈ آگرہ سے 39 کلومیٹر بطرف مشرق واقع ہے) کے مقام پر کیمپ لگایا۔ اس مقام پر افغانوں اور مغلوں کے درمیان ایک خونریز تصادم ہوا جس میں شیر شاہ کا بیٹا قطب خاں دادِ شجاعت دیتا ہوا زخموں سے چور چور ہو گیا اور خالق حقیقی سے جا ملا۔

روایتِ دیگر ہے کہ شیر شاہ نے دریائے گنگا سے پار اٹاوہ اور کالپی پر تسلط جمانے کے لئے لکھنؤ سے کوچ کیا اور پریاگ آن پہنچا یہاں سے اپنے بیٹے قطب خاں کو دریائے جمنا کے ساتھ ساتھ کالپی کی جانب بڑھنے کا حکم دیا۔ اس طرح شیر شاہ ہمایوں کو دو اطراف سے گھیر لینا چاہتا تھا مگر اس وقت تقدیر کچھ اور ہی چال چل چکی تھی۔ کالپی کے نزدیک مغلیہ فوج سے خونریز تصادم ہوا جس میں قطب خاں بن شیر شاہ مارا گیا۔

کتاب ''تاریخ جہلم'' میں ہے:

''ایک روایت کے مطابق شیر شاہ ایک لشکر جرار کے ساتھ دریائے گنگا کے کنارے پہنچ گیا اور اپنے بیٹے قطب خان کو کالپی اور اٹاوہ کی جانب حملہ کرنے کے لئے بھیجا جس کا مقابلہ دو مغل سپہ سالاروں نے کیا اور قطب خان کو جنگ میں قتل کر کے اس کا سر کاٹ کر آگرہ بھیج دیا جسے ہمایوں نے قلعہ کے دروازہ پر لٹکا دیا اس سے شیر شاہ سراپا انتقام بن گیا اور اس کے مقابلے کے لئے ہمایوں ایک لاکھ سپاہیوں کے ساتھ بڑھا تھا۔''

{تاریخ جہلم، انجم سلطان شہباز}

مرزا حیدر نے لکھا ہے:

''شیر شاہ نے ایک فوج گنگا کے اس پار اٹاوہ اور کالپی فتح کرنے کیلئے بھیجی اور ہمایوں نے اس کے مقابلہ کیلئے ایک فوج تین افسروں کی کمان میں یعنی حسین سلطان، یادگار ناصر مرزا (ہمایوں کا چچا) اور سکندر

سلطان کامران کا ایک افسر ہے جسے اس وقت کالپی دیا گیا تھا) روانہ کی۔ مرزا حیدر کے بیان کے مطابق کالپی کے قرب و جوار میں لڑائی ہوئی اور قطب خاں ہلاک ہوا۔"

{تاریخ رشیدی، مرزا محمد حیدر}

شیر شاہ کو اپنے بیٹے کے مارے جانے کا بے حد صدمہ ہوا اور اس نے اس کا انتقام لینے کی ٹھان لی۔

باب ۴۷

ہمایوں کی جنگی تیاری

جنگ چوسہ کے بعد ہمایوں علیل پڑ گیا تھا۔ ایک ماہ سے زائد بسترِ علالت پر رہنے کے بعد وہ صحت یاب ہو گیا اور اس کی صحت یابی کے ساتھ ہی افغانوں کے خلاف ایک بڑی جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اس جنگی تیاری میں بہت سے باغی امراء بھی شہنشاہ ہمایوں سے آن ملے۔ اب یہ جنگ اُن کی انا اور بقا کا مسئلہ بن چکی تھی۔ زماں مرزا جنگ چوسہ میں کام آ گیا تھا اور سلطان مرزا اور اس کے بیٹے اب لشکر ہمایوں میں شامل تھے۔ شہنشاہ ہمایوں نے بھائیوں کی خود غرضی کے مظاہرے کو بھی نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ سینے سے لگا لیا تھا۔ اب آگرہ میں ایک لاکھ سے زائد سپاہ پیش قدمی کیلئے چوکس کھڑی تھی۔

نظام سقہ کی تین روزہ بادشاہت

نظام (سنبل) نے ہمایوں کی جان بچائی تھی اس خدمت کے صلے میں ہمایوں نے اسے تین روز کیلئے تخت پر بٹھا دیا اور امراء کو اس کے احکامات کی تعمیل کا حکم دیا۔ نظام نے اس دوران کئی لوگوں کو عہدے تفویض کیے اور چمڑے کا سکہ بھی جاری کیا جو اس کی بادشاہت کی طرح عارضی ثابت ہوا۔

مسٹر کالکارنجن نے لکھا ہے:

’’1540ء کے آغاز میں جب شیر شاہ مع اپنی فوج کے لکھنؤ کے نزدیک

پہنچ رہا تھا۔ دہلی کے دربار میں ایک دوسرا سوانگ ہو رہا تھا۔ چوسہ کی لڑائی کے بعد جب ہمایوں غرق آب ہونے والا تھا ایک بہشتی نظام نے اس کی جان بچائی تھی۔ اس وقت ہمایوں نے اس سے کچھ وعدہ کر لیا تھا۔ اب اس وعدہ کو عملی جامہ پہنایا جا رہا تھا۔''

گلبدن بیگم نے لکھا ہے:

''اس وقت اعلیٰ حضرت نے نظام بہشتی کو تخت پر بٹھایا اور تمام امیروں کو آداب بجا لانے کا حکم دیا۔ بہشتی نے جس عہدے پر جس کو چاہا سرفراز کیا اور جس کو جو چاہا انعام دیا۔ اس طرح شہنشاہ نے بہشتی کو دو روز تک کیلئے شاہی اختیارات سپرد کر دیئے۔ مرزا ہندال اس وقت دربار میں موجود نہیں تھا۔''

(اس کا مطلب ہے کہ باقی سب لوگ موجود تھے)

جوہر نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی ہے اور لکھا ہے:

''بہشتی نے تین روز تک حکومت کی۔''

کامران کی علالت

اس دوران کامران مرزا بیمار پڑ گیا اور اسے شبہ ہوا کہ شاید ہمایوں نے اسے زہر دلوا دیا ہے۔ انہی دنوں ہمایوں نے کالپی کا علاقہ بھی کامران کے سپرد کر دیا تھا اور کامران کی یہ سوچ غیر مناسب تھی۔

شیر شاہ کا غیض وغضب

شیر شاہ اپنے لختِ جگر قطب خاں کے مارے جانے کی وجہ سے غیض و غضب کا شکار ہو چکا تھا اس نے مغلوں سے اپنے بیٹے کا اِنتقام لینے کیلئے دریائے گنگا کے مغرب میں ایک

بڑی فوج جمع کر رکھی تھی۔ اب وہ ہندوستان سے مغلوں کا نام ونشان مٹانے پر تلا ہوا تھا۔

کے آر قانون گو کے مطابق:

''اسی اثنا میں یہ خبر موصول ہوئی کہ شیر شاہ گنگا کے مغرب میں آ گیا ہے اور اپنے سب سے چھوٹے لڑکے قطب خاں کی شہادت کا بدلہ لینے پر آمادہ ہے جب شیر خاں کا مقابلہ کرنے کیلئے ہمایوں نے ہر بھائی سے فوج فراہم کرنے کی درخواست کی تو کامران مرزا نے فوجی امداد دینے سے صاف انکار کر دیا۔''

کامران مرزا کی بے اعتنائی

اس موقع پر کامران مرزا نے اپنے ایک سردار سکندر مرزا کو ایک ہزار فوجیوں کے ساتھ ہمایوں کے پاس چھوڑا اور خود بقیہ لشکر کے ساتھ لاہور کی جانب لوٹ گیا۔

مرزا حیدر نے لکھا ہے:

''بادشاہ نے کامران مرزا سے زور دے کر یہ کہا کہ وہ اپنے کچھ سردار اور فوج بطور کمک کے یہاں چھوڑ دے۔ لیکن کامران نے اس کے خلاف ہی رویہ اختیار کیا۔ اس نے حتی الوسع جو لوگ کہ آگرہ میں تھے ان کو بھی اپنے ساتھ لے جانے کیلئے ترغیب دی اور سنگدلی سے اپنی فوج کو چھوڑنے کی تجویز کو رد کر دیا۔ کامران نے نہایت بے حیائی سے سکندر مرزا کو مع اپنے ایک ہزار سپاہیوں کے بطور کمک چھوڑ دیا اور خود لاہور چل دیا۔''

{ تاریخ رشیدی، مرزا محمد حیدر دغلت }

مؤرخین کہتے ہیں کہ کامران کے اس فیصلے نے آئندہ کیلئے ہندوستان کی تاریخ کو ہی بدل کر رکھ دیا اگر وہ اس وقت بھائی کے ساتھ کھڑا ہو جاتا تو شاید ہمایوں کی قسمت بھی اس کا

ساتھ نہ چھوڑتی۔

لیکن مسٹر کالکا رنجن نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے کتاب ''شیر شاہ سوری اور اس کا عہد'' میں لکھا ہے:

''کچھ مؤرخین نے کامران مرزا کے اس نازک موقع پر لاہور چلے جانے اور اپنے بھائی کے ساتھ غیر موزوں سلوک کرنے کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ چغتائی اقتدار کے زوال اور شیر شاہ کے عروج کا سنگ بنیاد ہے۔ کچھ حضرات نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اگر یہ واقعہ سرزد نہ ہوتا تو شاید شیر شاہ ہمیشہ کیلئے تخت و تاج سے محروم رہتا لیکن یہ سب تخیل کی پرواز ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک کامران نہیں اگر ایسے درجنوں کامران بھی شیر شاہ کے خلاف آجاتے تو بھی شیر شاہ کو اس نصب العین سے باز رکھنا ناممکن تھا۔ ہاں ایسی صورت میں لڑائی طول ضرور پکڑ لیتی۔ کامران باوجود اس لاف زنی اور شیخی کے، وقت آنے پر پنجاب کو بھی نہ بچا سکا۔ 1540ء کے افغان جوش و شجاعت میں ان افغانوں سے بالکل مختلف تھے جن کو مغلوں نے پانی پت کی لڑائی میں زیر کیا تھا۔ اس وقت ان کا سپہ سالار ابراہیم لودھی نہ تھا بلکہ شیر شاہ تھا۔ البتہ اسے مغلوں کی خوش نصیبی کہیئے کہ عین وقت پر کامران مرزا دہلی سے چلا گیا جس سے وہ ایران کے صاحب اختیار شہنشاہ شاہ طہماسپ کے حملے سے کابل اور قندھار کو بچا سکا۔''

شاہ ایران طہماسپ کی جنگی تیاری

شاہ ایران کابل اور قندھار پر قبضہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا مگر کامران کے بر

وقت پہنچ جانے سے وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکا۔ کابل اور قندھار کو تو کامران نے بچالیا مگر وہ پنجاب کو افغانوں کے قبضے میں جانے نہ روک سکا۔

ہمایوں کی پیش قدمی

ہمایوں نے پوری جنگی تیاریوں اور تباہ کن توپ خانے کے ساتھ قنوج کا رُخ کیا، جہاں شیر شاہ مغلیہ طاقت پر آخری ضرب لگانے کے لئے تیار تھا۔ اس دفعہ مغلیہ توپ خانے کا انچارج رُومی خاں کا بیٹا تھا۔ ہمایوں ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ جو شیر شاہ کے لشکر سے کہیں بڑا تھا، افغانوں کی جانب بڑھنے لگا۔

جنگ بلگرام

جنگ بلگرام کو ''جنگ قنوج'' بھی کہا جاتا ہے اور اسی جنگ کا ایک نام ''گنگا کی لڑائی'' ہے۔ اس جنگ کیلئے مغلیہ فوج نے مین پوری کا مختصر راستہ اختیار کیا جو موجودہ شمس آباد (فرخ آباد) کے پاس سے گزرتا تھا۔

شیر شاہ نے دریائے گنگا کے گھاٹ پر پوری طرح قبضہ جمارکھا تھا ہر پتن کی کشتی اس کے قبضے میں تھی اور دریا میں اس کی جنگی کشتیاں پیٹرولنگ کررہی تھیں۔

عباس نے چونکہ اکبر کی خوشنودی طبع کیلئے لکھا تھا۔ اس لیے اس نے اللہ کی مرضی کی وضاحت کردی۔ وہ لکھتا ہے:

> ''خدا کا حکم تھا کہ شیر شاہ اور اس کی اولاد چند روز تک سکندر اور فریدوں سے بھی زیادہ جاہ وحشمت کے ساتھ دہلی پر حکومت کریں اور بعد میں یہ تخت ہمایوں اور اُس کی اولاد کو نصیب ہو''

ابوالفضل نے اپنے فلسفیانہ انداز میں شیر شاہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''بلگرام کی لڑائی میں ہمایوں کی شکست دنیا کی اصلاح کا باعث

ہوئی۔‘‘

بھوجپور کی جھڑپ اور گرد باد

سب سے پہلی جھڑپ بھوجپور کے گھاٹ پر ہوئی۔ مغلیہ فوج اس گھاٹ پر پہنچی تو شیر شاہ نے فوراً اپنے سپاہی مقابل کنارے پر کردیئے۔ مغلوں نے یہاں ایک پل تعمیر کیا۔ روایت ہے کہ اس دوران میں صرف 150 مغلیہ سپاہیوں نے یلغار کر کے افغانوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ یہ جنگ 17 مئی 1540ء کو ہوئی۔

جب مغلیہ سپاہی اس کامیاب مہم سے لوٹ کر پل کے نزدیک پہنچے تو افغانوں نے پُل کو تباہ کرنے کیلئے ’’گرد باد‘‘(The Cyclon) کو بھیج دیا جو ایک تربیت یافتہ اور جوشیلا ہاتھی تھا۔ اس نے پل کے ستونوں کو اُکھاڑ ڈالا۔ مغلوں نے اس ہاتھی پر توپوں سے گولہ باری کی جس سے ہاتھی کے پاؤں زخمی ہو گئے اور ہاتھی ناکارہ ہو گیا۔

’’شیر شاہ سوری اور اس کا عہد‘‘ میں کے کالکارنجن نے لکھا ہے:

’’مغل فوج نے آگرہ سے مین پوری کے راستے ہوتے ہوئے گنگا پہنچنے کا سب سے چھوٹا راستہ اختیار کیا۔ یہ راستہ موجودہ فرخ آباد کے شمس آباد کے مقام سے گزرتا تھا۔ مغل فوج کی سب سے پہلی جھڑپ شیر شاہ سے بھوجپور کے گھاٹ پر ہوئی۔ سولہویں صدی میں یہ کشتی کا گھاٹ گنگا کے مغربی کنارے پر تھا۔ لیکن اب دریا کے بہاؤ کے بدل جانے سے مشرقی کنارے پر ہو گیا ہے۔ اس زمانے میں اس گھاٹ کے ذریعہ بہت آمدورفت ہوتی تھی۔ آئین اکبری میں یہ مقام ’’سرکار قنوج‘‘ میں بتایا گیا ہے۔ موجودہ نقشہ میں یہ مقام فرخ آباد سے 8 میل جنوب مشرق اور قنوج سے 30 میل شمال مغرب میں ہے شیر شاہ نے پہلے ہی اپنی فوج گنگا کے اس پار ہٹا لی تھی اور اس کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ قنوج کے

مقام پر مغلوں کو اس وقت تک دریا پار کرنے نہیں دے گا۔ جب تک ایسا کرنا فن حرب کے نقطہ نظر سے اس کیلئے موافق نہ ہو۔ اس نے گنگا پر دستیاب سب کشتیوں کو پکڑ لیا تھا اور ان کو گنگا کے مشرقی کنارے پر جمع کر لیا تھا۔ شیر شاہ کی کشتیوں کا ایک بیڑہ متواتر دریا پر گشت لگا رہا تھا اور مغربی کنارے پر مقیم افغان فوج سے رابطہ بنائے ہوئے تھا۔ یہ بیڑہ ضلع اُناؤ کے بھوجپور سے لے کر بانگر مئو تک کے تمام گھاٹوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ شیر شاہ کو پہلے یہ اُمید تھی کہ ہمایوں سے اس کی مڈبھیر قنوج کے نزدیک کسی جگہ پر ہوگی۔ لیکن جب مغل فوج کی نقل و حرکت سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ اس کا ارادہ اوپر جانے کا ہے تو وہ جلدی سے بھوجپور گھاٹ پر آ گیا۔

شیر خاں ایک کثیر التعداد فوج لے کر گنگا کے اس جانب آ گیا۔ بادشاہ سلامت نے اپنے قلیل فوجی دستہ کے ساتھ دریا پار کرنے کا ارادہ کیا کچھ ہی عرصہ میں بھوجپور کے گھاٹ پر ایک پُل تیار کیا گیا۔ 150 جری اور باحوصلہ نوجوان لڑائی کیلئے تیار ہو کر شیر کی مانند دریا میں کود پڑے اور اُس پار پہنچ کر افغانوں کی بہت بڑی فوج کو تتر بتر کر دیا۔ افغان فوج کو پسپا کرنے کے بعد جب وہ اپنے صدر مقام کو واپس آ رہے تھے اور پل کے نزدیک پہنچے تو افغانوں نے اپنے لشکر کا ایک ہاتھی 'گرد باد' جو چوسہ کی لڑائی میں غنیم کے ہاتھ لگ گیا تھا، پُل توڑنے کیلئے بھیج دیا۔ ہاتھی نے پل کے سہاروں کو مسمار کر دیا عین اسی وقت شاہی توپ خانے کے ایک گولے سے ہاتھی کے پیر کٹ گئے اور دشمن جو چار جانب سے دباؤ ڈال رہا تھا بھاگ کھڑا ہوا۔''

ابوالفضل کا بیان ہے:

''بھوجپور کے مقام پر زک اُٹھا کر ہمایوں نے اپنا منصوبہ بدل دیا۔ اس کی فوج پر شیر شاہ کا خوف طاری تھا۔ اس کے سپاہی چوکنّے ہو کر آہستہ آہستہ دریا کے کنارے چلنے لگے۔ ان کا ارادہ تھا کہ منزل بہ منزل قنوج پہنچ جائیں۔ راستہ میں غنیم کی کشتیاں نظر آئیں۔ شاہی توپ خانے نے گولہ باری کی۔ چنانچہ غنیم کی ایک بڑی کشتی پارہ پارہ ہوگئی۔ قنوج کے نزدیک دونوں جانب کی فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل صف بستہ کھڑی تھیں۔ مغل لشکر کے پڑاؤ کے سامنے تو دریائے گنگا تھا اور اس کے عقب میں قنوج کا پُرانا شہر تھا جہاں سے ان کو برابر فوج کیلئے رسد ملتی تھی۔ شہر قنوج جو کسی زمانے میں گنگا کے کنارے آباد تھا اس وقت وہ جانب مغرب 5 میل دریا سے دور ہو گیا تھا۔

قنوج کے دوسری جانب مشرقی کنارے پر بلگرام ہی ایک ایسا مقام تھا جس کو کہ افغان لڑائی کیلئے اپنا مرکز بنا سکتے تھے۔ یہ مقام بعد کے مہدی گھاٹ سے شمال مشرق میں سیدھے 6 میل پر تھا۔ مشہور مہدی گھاٹ بلگرام کی جانب گنگا کے کنارے پر ہے اور قنوج کے شمال مشرق میں 6 میل کے فاصلے پر ہے۔ ابوالفضل کے بیان سے ظاہر ہے کہ بھوجپور سے قنوج کے سامنے تک افغان فوج مع دریائی بیڑہ ہمایوں کی فوج کے متوازی آگے بڑھ رہی تھی۔ شیر شاہ نے اپنے کیمپ سے جو غالباً مہدی گھاٹ کے نزدیک کہیں رہا ہوگا۔ شاہی فوج کو ایک ماہ تک روکے رکھا۔ نہ تو ہمایوں اور نہ شیر شاہ گنگا کو پار کرنے کیلئے تیار تھا دونوں فریقین میں سے کوئی یہ نہیں چاہتا تھا کہ بوقت جنگ دریا ان کی پشت پر ہو۔ لہٰذا دونوں اس بات کے منتظر تھے کہ پہلے کون دریا پار کر کے لڑائی شروع کرتا ہے۔ ابتدا میں شیر شاہ نے یہ کوشش کی کہ وہ ہمایوں کو دریا

پار کرنے سے روکے۔ کیوں کہ اس وقت وہ خواص خاں کی فوج کا جو پالامئو کے چیرو لوگوں کی سرکوبی میں مصروف تھا، انتظار کر رہا تھا۔ بعد میں جب ہمایوں نے دریا پر پُل بنانے کی کوشش کی تو شیر شاہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔''

مندرجہ بالا واقعات بھی متنازعہ ہیں، تاہم حقیقت حال یہ ہے کہ جب خواص خاں کا لشکر بھی نزدیک پہنچ گیا تو شیر شاہ نے ہمایوں کے پاس ایک قاصد بھیجا اور دریافت کیا کہ کیا شہنشاہ دریا پار کر کے آئے گا یا شیر شاہ دریا پار کر کے اس طرف پہنچے۔

عباس نے لکھا ہے:

''جب شیر شاہ کو یہ علم ہو گیا کہ خواص خاں کی فوج نزدیک آ گئی ہے تو اس نے اپنے ایک وکیل کے ذریعہ بادشاہ کے پاس یہ پیغام بھیجا ''یہ اعلیٰ حضرت کی مرضی پر منحصر ہے کہ یہ طے کر لیا جائے کہ آیا میں گنگا پار کر کے لڑائی لڑوں یا میں گھاٹ کا راستہ چھوڑ دوں تا کہ شاہی فوج گنگا پار کرے'' بادشاہ نے بذریعہ وکیل خبر دی کہ شیر شاہ کو گھاٹ کا راستہ چھوڑ دینا چاہیے تا کہ شاہی فوج دریا پار کر کے لڑائی کا بگل بجا دے۔ شیر شاہ گھاٹ کو چھوڑ کر کئی کوس پیچھے ہٹ گیا بادشاہ نے گنگا پر پُل بنا لیا اور دریا پار کر لیا۔''

شہنشاہ نے جب خود دریا پار کرنے کا فیصلہ کر لیا تو شیر شاہ نے اس وقت ایک اچھے اور وضعدار دشمن کی طرح اپنے سپاہیوں کو پیچھے ہٹا لیا۔ مغلیہ فوج نے دریا پر پل تیار کر کے اس گھاٹ کو عبور کیا اور اپنی صف بندی شروع کر دی۔ جہاں تک صرف 150 مغلیہ سپاہیوں کے حملے کا تعلق ہے تو یہ بات محض ایک افسانہ بھی ہو سکتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت پسپائی شیر شاہ کی ایک جنگی چال ہو اور وہ یہ چاہتا ہو کہ غنیم خوش فہمی میں مبتلا ہو کر دریا عبور کر کے اس کے بچھائے ہوئے دام میں پھنس جائے۔ جب مغل گھاٹ عبور کر کے اس طرف پہنچے تو اس وقت

تک خواص خاں بھی چیرو کی مہم سے واپس آ چکا تھا اور شاید اتنی ہی دیر شیر شاہ مغلوں کو دریا کے پار روکے رکھنا چاہتا تھا جتنی دیر میں خواص خاں وہاں پہنچ جاتا۔

شیر شاہ مغلوں کو راستہ دینے اور انھیں اپنی پسند کے میدان میں لانے کیلئے کئی کلو میٹر پیچھے ہٹ کر بلگرام کے نزدیک خیمہ زن ہو گیا۔ حسبِ معمول اس نے اپنے کیمپ کے ارد گرد خندقیں کھد والیں اور خیمہ گاہ کے ارد گرد مٹی کی فصیلیں تیار کر کے ان فصیلوں کے عقب میں توپیں نصب کرا دیں۔

اس دوران سلطان مرزا نے جسے ہمایوں بارہا معاف کر چکا تھا ایک بار پھر اس کے ساتھ بے وفائی کی اور اپنے سپاہیوں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ اس نے ہمایوں کو دشمن کے سامنے بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اس کے یوں چلے جانے سے فوج میں بھی بد دلی اور مایوسی پھیل گئی۔

ہمایوں نے شیر شاہ کے لشکر کے سامنے کیمپ لگا لیا۔ کیمپ کیلئے جس جگہ کا انتخاب ہمایوں نے کیا تھا وہ دریا کے کنارے ایک صاف میدان تھا مگر یہ دریائی میدان نشیب میں واقع تھا جس کی وجہ سے ہمایوں کو نقصان بھی اُٹھانا پڑا۔ مگر چونکہ یہ برسات کا موسم نہیں تھا اور پھر اچانک برسات کے آ جانے کا امکان بھی نہیں تھا اس لئے ہمایوں نے اس پہلو پر نہ سوچا مگر اس کو شکست سے دوچار کروانے میں بے وقت کی بارش اور اچانک آ جانے والے سیلابی پانی کا بھی بڑا کردار ہے۔ البتہ اس صورتِ حال میں وہ کیمپ کیلئے اس سے بہتر جگہ کا انتخاب نہیں کر سکتا تھا۔ بعد ازاں جب مغلیہ فوج نے کیمپ تبدیل کرنا چاہا تو راز داری قائم نہ رکھ سکے اور شیر شاہ کو طوفانی انداز میں ان پر حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔

مؤرخ مرزا حیدر نے جو لڑائی میں خود بھی موجود تھا لکھا ہے:

''شاہی فوج گنگا کے کنارے جیسے تیسے پہنچ گئی اور وہاں اس نے ڈیرہ ڈال دیا۔ ایک مہینہ تک دونوں فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل جمی رہیں۔ شہنشاہ دریا کی جانب اس طرف، افغان فوج دریا کی جانب

اُس طرف۔ دونوں طرف دولاکھ سے زیادہ فوج تھی محمد سلطان مرزا شیر شاہ کی سازش سے ہمایوں کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گیا جس سے ایک نیا راستہ کھل گیا۔ ہر کوئی فوج سے بھاگنے کی سوچنے لگا۔ طرفہ یہ تھا کہ جو بھاگتے تھے شیر شاہ سے جا کر نہیں ملتے تھے۔ چونکہ انھیں اس سے کسی صلہ کی امید نہ تھی۔ تمام فوج میں ایک انتشار کی لہر دوڑ گئی۔ ہر ایک کی زبان پر یہی ایک کلمہ تھا۔ ''اپنے وطن لوٹ چلو اور آرام کرو'' کامران کی امدادی فوج کے کتنے ہی سپاہی ہمایوں کا ساتھ چھوڑ کر لاہور بھاگ گئے ایسی حالت میں جب کہ فوج میں بھگدڑ رچی ہوئی ہو۔ یہی مناسب معلوم ہوا کہ بغیر لڑے ہوئے برباد ہونے سے یہ بہتر ہوگا کہ دشمن سے لڑائی کر لی جائے۔ دوسرا خیال یہ تھا کہ اگر دریا پار کر لیا جائے تو شاید بھگوڑا پن کچھ کم ہو جائے اس لیے ہم نے دریا پار کر لیا۔ دونوں طرف کی فوجوں نے مورچہ بنا لیا۔ روزانہ جوشیلے سپاہیوں میں جھڑپیں ہونے لگیں۔ لیکن مون سون شروع ہوتے ہی یہ سب کارروائی بند ہو گئی۔ مغل پڑاؤ کا مقام بارش سے بھر گیا اور وہاں کیمپ کا رہنا دوبھر ہو گیا۔ چنانچہ اب تجویز یہ ہوئی کہ پڑاؤ کسی اونچی جگہ پر منتقل کیا جائے جہاں کہ سیلاب کا پانی نہ پہنچ سکے۔ یہ جگہ دشمن کے سامنے تھی۔''

{ تاریخ رشیدی، مرزا محمد حیدر دغلت }

مئی 1540ء کو دونوں افواج میں جھڑپ کا آغاز ہوا، اس وقت مغلیہ توپ خانے پر محمد خاں رومی، احمد رومی، حسین خلیفہ اور استاد علی کے بیٹے تھے۔ ہمایوں کے ساتھ بہت سے خدام امراء بھی تھے جن کی تعداد 30 کے لگ بھگ تھی۔ ان کے ساتھ جنگجو کم اور خدام زیادہ تھے۔ یہ خادم معرکہ آرائی کے وقت بھگدڑ مچا دیتے تھے اور اگر ان کا امیر مارا جاتا تو شتر بے مہار ہو جاتے تھے ان کی کھلبلی بھی شکست کی ایک بڑی وجہ تھی۔

مغلیہ فوج کی جنگی ترتیب

مرزا حیدر کے بیان کے مطابق میدان جنگ میں مغلوں کی صف آرائی و ترتیب و تنظیم کا انداز اس طرح تھا، ہمایوں خود فوج کے قلب میں ایک ممتاز جگہ پر کھڑا تھا۔ مرزا حیدر چارسوچیدہ سپاہیوں کے ساتھ جن میں سے 50 زرہ بکتر سے مسلح تھے بادشاہ کے بائیں طرف تھا۔ مرزا کا داہنا بازو بادشاہ کے بائیں بازو پر تھا۔ مرزا حیدر کے بائیں جانب 27 امیروں کا مجمع تھا۔ سب کے پاس اعزازی طوغ تھے اس کے پیچھے چھوٹے نالے کے پاس بایاں بازو لڑائی کیلئے تیار کھڑا تھا۔

ابوالفضل نے لکھا ہے:

''مرزا ہندال، یادگار ناصر مرزا اور مرزا عسکری بالترتیب سامنے، دائیں اور بائیں بازو پر تھے۔ مرزا حیدر نے اپنے بیان میں تلعمہ دستہ کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے نہ کہیں لڑائی کے وقت اس دستہ کی کوئی کارروائی سامنے آئی۔ تلعمہ دستوں کے بغیر ہمایوں کی فوج اس عقاب کی مانند دکھائی پڑتی تھی جس کے پر کاٹ لیے گئے ہوں۔''

دوسری طرف افغان لشکر کی تنظیم یوں تھی شیر شاہ اپنے مورچہ سے صرف 15 ہزار گھوڑ سوار لے کر میدان میں اترا۔ اتنے ہی گھوڑ سوار اس نے اپنے کیمپ کی حفاظت کیلئے متعین کررکھے تھے۔ اس نے اپنا توپ خانہ، ہاتھی، پیادہ فوج اور سامان حرب تیار رکھا تھا۔

مرزا حیدر لکھتا ہے:

''شیر خاں ایک ہزار سپاہیوں کے 5 ڈویژن لے کر آیا۔ اس کے جلو میں تین ہزار فوج تھی۔ کل فوج 15 ہزار سے کم ہوگی۔ چغتائی فوج کا

اندازہ 40 ہزار ہوگا سب کے سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ زرہ پہنے ہوئے تھے۔ وہ سمندری لہروں کی طرح آگے بڑھ رہے تھے۔''

عباس نے افغان فوج کی تنظیم کے بارے میں لکھا ہے:

شیر خاں ہیبت خاں نیازی کے ساتھ جس کو بعد میں اعظم ہمایوں کا خطاب ملا تھا قلب میں تھا۔ دائیں بازو پر جلال خاں اور دوسرے سردار تھا۔ بائیں بازو کی کمان شیر شاہ کا بڑا لڑکا عادل خاں، قطب خاں نائب، برہم جیت گوڑ، رائے حسین جلوانی وغیرہ کے ہاتھ میں تھی۔ فوج کے جلو میں تین ہزار جری جوان تھے جو کہ خواص خاں کی کمان میں تھے۔ شیر شاہ نے ہر سپہ سالار کو اپنی اپنی فوج کے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔ جب سپہ سالار اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو گئے تو شیر خاں نے فوج کی صفوں کا معائنہ کیا اور باری باری سے ہر فوجی دستہ کو 'خدا حافظ' کہا۔''

مرزا حیدر نے لڑائی کا آنکھوں دیکھا حال یوں بیان کیا ہے:

''10 محرم 947 ہجری بمطابق 17 مئی 1540ء ہم نے فوج کی صف بندی کی۔ گاڑیاں، منجنیق توپ خانہ اور چھوٹی بندوقیں قلب میں رکھی گئیں۔ توپ خانہ کی کمان محمد خاں رومی، احمد رومی، حسین خلیفہ اور استاد علی کے لڑکوں کے ہاتھ میں تھی۔ انھوں نے توپ خانہ اور گاڑیوں کو مناسب مقام پر نصب کر کے انھیں آپس میں زنجیروں سے باندھ دیا۔ دوسرے دستوں کے سپہ سالار کوئی تجربہ کار سر برآوردہ لوگ نہ تھے۔ وہ محض نام کے امیر تھے۔ انھوں نے ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن ان میں اس زمانہ جیسی عاقبت اندیشی، علمی قابلیت، فیاضی، دریا دلی، دماغی تمکنت اور وقار نام کو نہ تھا۔''

{تاریخ رشیدی، مرزا محمد حیدر دغلت}

شیر شاہ کے فوجی افسر و سردار نہایت جانثار تھے۔۔افغان سپاہیوں کو میدان جنگ میں شیر شاہ کی صلاحیتوں پر پورا اعتماد تھا۔شیر شاہ کو علم تھا کہ میدان کارزار میں جوشیلی تقریر کتنا اثر رکھتی ہے۔اس نے اپنے سپاہیوں کا لہو گرمایا اور سب سے آگے بڑھ کر تیز و تند حملہ کیا اور قلب کو پیچھے دھکیل دیا۔توپوں والی گاڑیاں باہم زنجیروں سے منسلک تھیں مگر جب دباؤ بڑھا تو زنجیریں ٹوٹ گئیں۔بدحواس خادم قلب میں جا گھسے بے شمار غلام بھی بھاگ اُٹھے جس سے مغلیہ فوج میں ابتری پھیل گئی۔مغلیہ فوج بغیر لڑے ہی پسپا ہونے لگی اس دھکم پیل میں جنگجوؤں کو بھی اپنے جوہر دکھانے کا موقع نہ ملا۔امراء سرپٹ دریا کی جانب بھاگے جا رہے تھے جو صرف اپنی جانیں بچانا چاہتے تھے۔

ہمایوں جس کے ساتھ 17000 خدام تھے اب اس عالم میں تھا کہ نہ سر پہ پگڑی نہ پاؤں میں جوتا ایک گھوڑے پہ سوار جو اسے تردی بیگ نے دیا تھا، دریا کی جانب گامزن تھا۔ ہمایوں کے ساتھ 1000 مصاحب و خدام بھی دریا میں کود گئے مگر آٹھ دس کے علاوہ باقی سب غرقاب ہو گئے۔

اس معرکہ آرائی کے دوران مرزا حیدر اور اس کے ساتھ 27 امراء نے پہلے حملے میں افغانوں کے بازوؤں کو دبا لیا تھا اور اُنہیں پیچھے دھکیلنے میں بھی کامیاب رہے تھے مگر بعد ازاں قلب کی پسپائی سے وہ صورت حال کو اپنے کنٹرول میں نہیں رکھ سکے تھے۔

اس دوران خواص خاں نے صورت حال کو اپنے حق میں استعمال کرتے ہوئے مغلیہ فوج کے کمزور ترین حصے کو ہدف بنا کر جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔جلال خاں اور عادل خان نے بھی سنبھل کر دشمن کو روک دیا اور مغلوں کیلئے ماسوا پسپائی کے کوئی چارہ کار نہ رہا۔

تاریخ رشیدی میں مرزا حیدر کا بیان ہے:

''جب شیر شاہ کی فوج مورچہ سے باہر آئی تو فوج کے دو ڈویژن جو چار ڈویژن کے برابر معلوم ہوتے تھے اس مقام پر کھڑے ہو گئے اور تین

ڈویژن نے دشمن پر حملہ شروع کر دیا۔ اپنی جانب میں فوج کے قلب کو اس مقام پر لے جا رہا تھا جو میں نے لڑائی کیلئے چنا تھا۔ لیکن جب ہم اس جگہ پہنچے تو ہم اس مقام پر قبضہ نہ کر سکے۔ کیوں کہ چغتائی فوج کا ہر امیر وزیر خواہ وہ غریب تھا یا امیر اپنے ساتھ غلام رکھتا تھا اگر امیر کے پاس سولڑا کا سپاہی تھے تو کم از کم 500 خدام اور غلاموں کی بھیڑ تھی۔ یہ خدام و غلام بروز جنگ اپنے آقا کی کوئی مدد نہیں کرتے تھے بلکہ خود قابو سے باہر ہو جاتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ جہاں کہیں لڑائی ہوتی یہ بھیڑ قابو سے باہر ہو جاتی۔ جب ان کے آقا میدان جنگ میں مارے گئے تو ان پر خوف و انتشار طاری ہو گیا اور وہ خوف زدہ ہو کر بے سوچے سمجھے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ مختصر یہ کہ میدان جنگ میں جم کر لڑائی نہ ہو سکی۔ انھوں نے پشت کو دبانا شرع کیا۔ انھوں نے فوج کے قلب کو ان زنجیروں پر دھکیل دیا جو کہ توپ خانہ کی گاڑیوں میں بندھی ہوئی تھی۔ آپس میں خوب ٹکر ہونے لگی۔ پیچھے والے لوگوں نے سامنے والوں کو اتنے زور سے دھکا دیا کہ زنجیریں ٹوٹ گئیں۔ جن لوگوں کو زنجیروں کے پاس رہنے کا حکم دیا گیا تھا وہ ان سے آگے نکل گئے۔ فوج کے قلب کی یہ حالت تھی۔ دائیں جانب شیر خاں صف بندی کے ساتھ آگے بڑھا لیکن ابھی اس کی کمان سے ایک تیر بھی نہ نکلا تھا کہ غلاموں میں ایسی بھگدڑ رمچ گئی جیسے کہ ہوا کے سامنے بھوسہ اُڑ جاتا ہے۔ غلام صفیں توڑ توڑ کر قلب کی طرف بڑھ چلے۔ جن غلاموں کو سپہ سالاروں نے سامنے کی صفوں میں تعینات کیا تھا وہ ان ہی کی جانب دوڑنے لگے اور اس طرح فوج کی پوری ترتیب درہم برہم اور منتشر ہو گئی۔ قصہ کوتاہ میر کارواں سے جدا ہو گیا اور کارواں اپنے میر سے علیٰحدہ۔ جب فوج

کے قلب میں بدنظمی پھیل گئی تو دائیں بازو سے بھاگ کر آنے والے سپاہی بھی اس میں شامل ہو گئے۔ اور صورت حال کو زیادہ ابتر کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے کمان سے ایک تیر بھی نہ نکلا تھا کہ مغل فوج تتر بتر ہو گئی۔ میں نے غلاموں اور شاگرد پیشہ لوگوں کو چھوڑ کر چغتائی فوج کا اندازہ 40 ہزار لگایا تھا۔ وہ دس ہزار افغان فوج کے سامنے بھاگ کھڑی ہوئی۔ میدان جنگ میں شیر شاہ کو فتح نصیب ہوئی اور مغلوں کو شکست۔ نہ کسی دوست کو ضرر پہنچا نہ کسی دشمن کو زخم۔ نہ توپ خانہ کام آیا نہ رتھ۔

جب چغتائی فوج بھاگ کھڑی ہوئی تو ان کے اور گنگا کے درمیان غالباً ایک فرسخ یا کوس کا فاصلہ رہا ہوگا جملہ امیر و سردار سلامتی جان کیلئے دریا کی طرف بھاگے۔ ان میں سے کسی کے بدن پر ایک بھی زخم نہ تھا۔ غنیم نے تعاقب کیا۔ جب ہم دریا کے اس پار پہنچے تو اعلیٰ حضرت جن کی خدمت میں اس روز وقت دوپہر 17 ہزار خدمت گار تھے اب برہنہ سر برہنہ پا محض ایک گھوڑے پر سوار تھے اور یہ گھوڑا بھی تردی بیگ نے بادشاہ کو دیا تھا۔ ایک ہزار خدام اور مصاحبوں میں سے صرف آٹھ دریا سے باہر نکل پائے تھے باقی کیلئے ردائے آب کفن کی چادر بن گئی۔ اس واقعہ سے اس جنگ کے نقصان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔''

{تاریخ رشیدی، مرزا محمد حیدر دغلت}

مخزن کا بیان ہے کہ شیر شاہ نے دراصل یہ حملہ اس وقت کیا تھا جب ہمایوں سیلابی ریلے کے کیمپ میں آ جانے کی وجہ سے اپنا پڑاؤ دوسری جگہ منتقل کر رہا تھا۔

مغلیہ فوج کی شکست کا سبب اپنے ہی حواس باختہ سپاہی اور غلام تھے جو قلب کی طرف ایک بے ہنگم ہجوم کی مانند بھاگے اور انھوں نے قلب کو کسی بھی طرف حرکت کے قابل نہ

چھوڑا اور

ع: اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کے مصداق وہ خود ہی اپنی شکست کا باعث بن گئے۔ شیر شاہ نے خود حملے کی قیادت کرتے ہوئے مغلوں کی صف بندی کو منتشر کر دیا۔

ابوالفضل نے لکھا ہے:

''10 محرم 947 ہجری مطابق 17 مئی 1540ء دوپہر کے قریب جب مغلوں کی عظیم الشان فوج اپنے غلام اور خدمت گاروں کی بھگدڑ سے حواس باختہ ہوگئی تو گنگا کے پل کی جانب جو میدان جنگ سے تقریباً 5 میل پر تھا عام دوڑ شروع ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پُل ٹوٹ گیا۔ بہت سے کچل کر اور بہت سے دریا میں ڈوب کر مر گئے۔ حالانکہ دریا کا پاٹ بمشکل سے 500 گز چوڑا تھا۔ جس وقت ہمایوں کا ہاتھی گنگا میں کودا تھا۔ تب اُس کے آس پاس ایک ہزار سپاہی تھے مگر جب وہ اس پار پہنچ کر دریا سے باہر نکلا تو شہنشاہ کے علاوہ صرف آٹھ آدمی رہ گئے تھے۔ کامران کے سپاہیوں نے میدان جنگ کے مقابلے میں دریا پار زیادہ اچھی خدمت انجام دی۔ ان میں سے ایک تھا شمس الدین محمد اتکہ خاں، یہ شہنشاہ کو خشک زمین پر لے آیا۔ دوسرا تھا تردی بیگ۔ اس نے شہنشاہ کو اپنا گھوڑا انذر کیا۔ برہنہ سر برہنہ پا معدودے چند ساتھیوں کے ساتھ حواس باختہ ہمایوں آگرے کی طرف چل پڑا۔''

ہمایوں گنگا پار کر کے قنوج پہنچا اگلے روز وہ وہاں سے بھوگاؤں کی راہ آگرہ کی طرف روانہ ہو گیا اس کی روانگی کے بارہ گھنٹے بعد افغان بھی قنوج پہنچ گئے۔

ہمایوں آگرہ سے فتح پور سیکری پہنچا اور ایک روز ستا کر بھرت پور سے بطرف شمال پہاڑی سلسلے سے گزر کر ریواڑی پہنچا۔ قنوج اور آگرہ کے درمیان 2664 کلومیٹر کا فاصلہ ہے

اور پہاڑیوں کے راستہ سے آگرہ اور ریواڑی کا فاصلہ 203 کلومیٹر ہے۔

جاٹ دہقانوں کی یورش

بھوگاؤں کے نزدیک ہمایوں نے دہقانوں سے سامان رسد طلب کیا تو انھوں نے لشکر پر دھاوا بول کر کئی افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہمایوں نے ہندال اور عسکری مرزا اور یادگار ناصر (چچا) کو حکم دیا کہ وہ ان جاٹوں کے خلاف کارروائی کرے۔

عسکری نے لیت ولعل سے کام لیا تو یادگار ناصر نے تلخ کلامی کے بعد اس پر چابک چلا دیا۔ عسکری نے ہمایوں سے شکایت کی مگر ہمایوں چچا سے جواب طلبی نہیں کر سکتا تھا۔ عسکری مرزا اس پر ناراض ہو کر سنبھل معراء آباد کی جاگیر کی طرف لوٹ گیا۔ آگرہ پہنچ کر ہمایوں نے قلعہ میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ شیخ رفیع الدین صفوی نے اسے لاہور جانے کا مشورہ دیا۔

ہمایوں کی یاسیت

ہمایوں انتہائی یاسیت کے عالم میں تھا اس نے ہندال کو حکم دیا کہ وہ شاہی حرم سے تمام مستورات وبیگمات کو لے آئے تاکہ انھیں تہ تیغ کر دیا جائے۔ اس طرح وہ دشمن کے ہاتھ نہیں لگیں گی۔ گلبدن بیگم ہمشیرہ ہمایوں بھی ان مستورات میں شامل تھی۔ دراصل چوسہ کی شکست میں ہمایوں کو عفیفہ آغاچہ کے افغانوں کے قبضے میں جانے کا سخت صدمہ پہنچا تھا۔ ہندال نے بادشاہ کو اس فعل سے منع کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ لاہور تک ان خواتین کو بحفاظت لے جائے گا۔ یہاں سے ہمایوں 34 کلومیٹر دور فتح پور سیکری کے مقام پر ٹھہرا۔

مرزا حیدر نے لکھا ہے:

> ''جب ہم آگرہ پہنچے ہم نے وہاں قیام نہیں کیا۔ ہمارے دل ٹوٹ چکے تھے۔ حوصلے پست تھے۔ ہماری حالت ناگفتہ بہ و دل شکن تھی۔ اسی

عالم میں لاہور کیلئے چل پڑے۔''

{تاریخ رشیدی، مرزا محمد حیدر دغلت}

فتح پور سیکری میں ہمایوں پر حملہ

قسمت نے ہمایوں کو پیس ڈالا تھا اور وہ ابھی تک اس کی ٹھوکروں میں تھا۔ فتح پور سیکری میں کسی نے ہمایوں پر تیر چلایا جس سے ہمایوں کا ایک ساتھی گھائل ہو گیا تاہم ہمایوں بال بال بچ گیا۔

افغانوں کی کیفیت

شیر شاہ کو اس فتح کے بعد بے شمار مال وزر، توپیں ودیگر آلات حرب وضرب ہاتھ لگے۔ شیر شاہ نے اس فتح پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اگلے روز شیر شاہ گنگا عبور کر کے قنوج پہنچا جہاں سے مغل کچھ گھنٹے قبل کوچ کر چکے تھے۔ شیر شاہ نے برہم جیت کو ہمایوں کے تعاقب میں روانہ کیا مگر تاکید کی کہ تصادم کی نوبت نہ آئے۔ ناصر خاں کو سنبھل کی طرف روانہ کیا۔

شیر شاہ مفتوحہ علاقوں کا انتظام وانصرام کرتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا جبکہ مغل نہایت تیز رفتاری سے ان علاقوں سے نکلتے جا رہے تھے۔ جس دن مغل آگرہ سے نکلے اس سے اگلے روز برہم جیت آگرہ پہنچ گیا۔ سات روز بعد شیر شاہ بھی وہاں پہنچ گیا۔

شیر گڑھ

شیر شاہ نے قنوج کو دفاعی لحاظ سے مضبوط بنانے کیلئے فصیلدار شہر کی بنیاد ڈال کر اس کا نام شیر گڑھ رکھ دیا۔ بھوجپور کی جانب شمس آباد کے نزدیک ''رسول پور'' کے قصبے کی بنیاد بھی ڈالی تھی۔

کالکارنجن نے لکھا ہے:

''یہ تو شیر شاہ کی عام کمزوری تھی کہ وہ اکثر قلعہ تعمیر کراتا اور اس کا نام شیر گڑھ رکھتا تھا یا مقامات کے قدیم نام بدل کر ''شیر گڑھ'' کر دیتا تھا۔ مثلاً شیر گڑھ عرف حضرت دہلی جہاں کوئی لڑائی نہیں ہوئی یا شیر گڑھ عرف سکھر یا ٹھکر جہاں شیر شاہ کبھی نہیں گیا۔''

تاہم جدید تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''شیر پور'' درحقیقت شیر شاہ کی سراؤں اور پولیس چوکیوں کے نام تھے۔

برہم جیت کی بربریت

برہم جیت آگرہ پہنچا تو اس نے بہت سے غیر مسلح افراد کو قتل کر دیا جو مغلیہ فوج سے الگ ہو گئے تھے۔ ان نہتے لوگوں کو تہ تیغ کرنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ برہم جیت کی اس حرکت پر شیر شاہ نے سخت لعنت ملامت کی اور اسے آئندہ کیلئے ایسے واقعات سے بچنے کا حکم دیا۔

شیر شاہ نے ایک نہایت قابل سپہ سالار و اعلیٰ منتظم حاجی خاں بٹنی کو جوالور میں تعینات تھا میوات کا فوجدار مقرر کر دیا۔ یہ حاجی خاں بٹنی بعد میں راجپوتوں کی تاریخ میں حاجی پٹھان کے نام سے مشہور ہوا۔

شیر شاہ نے خواص خاں اور برہم جیت کو حکم دیا کہ وہ بھرت پور اور الور کی راہ سے مغلوں کا تعاقب کریں۔

شیر شاہ نے بہار کے شجاعت خاں کو گوالیار پہ حملہ کرنے کا حکم دیا۔ گوالیار پر اس وقت ہمایوں کا وفادار افسر ابوالقاسم بیگ متعین تھا۔ اس جنگ میں شجاعت خاں کا بیٹا محمد خاں بھی کام آ گیا تھا۔

شیر شاہ نے حاجی خاں بٹنی (بٹانی) المعروف حاجی پٹھان کو میوات کا فوجدار مقرر کر دیا۔ شیر شاہ آگرہ میں صرف دو ہفتے مقیم رہا۔ اس دوران میں ناصر خاں نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اس نے مرزا عسکری اور بیرم خاں کو بھی سنبھل سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔

شیر شاہ نے دہلی پہنچنے کیلئے متھرا، ہوڈل، پلول کا مختصر راستہ اختیار کیا جو بعد میں جی ٹی روڈ بن گیا۔ جب شیر شاہ دہلی پہنچا تو موسم برسات شروع ہو چکا تھا۔ یہ سارا موسم شیر شاہ نے دہلی میں گذارا۔ شیر شاہ سوری پنجاب کی جانب بڑھنے سے پہلے مالوہ کے ملوخاں عرف قادر شاہ اور جودھپور کے راجا مالدیو کا ردعمل بھی دیکھنا چاہتا تھا جو اس خطے کی بڑی سیاسی قوتوں کے طور پر اُبھر کر سامنے آئے تھے۔ پنجاب میں بھی دو لاکھ مغل پھر باہم یکجا ہو رہے تھے۔ پھر پنجاب میں پانچ دریا عبور کر کے جنگ کرنا بھی فی الحال ایک مسئلہ تھا۔

یہ سوچ شیر شاہ کے کام آئی اور اس کے دشمن آپس میں متحد نہ ہوئے اور مغلوں میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔

مسٹر کے آر قانون گے مطابق:

''اگر شیر شاہ فوراً ہی ستلج کے پار اپنی فوج لے جاتا تو مغل ذاتی تحفظ کیلئے متحد ہو کر شیر خاں کے خلاف اس طرح لڑتے جیسا کہ چیتا گھر جانے پر عاجز ہو کر لڑتا ہے۔ لیکن مرزاؤں کا جوش عارضی و وقتی تھا کچھ دن بعد ان میں اختلاف و نفاق پیدا ہونا قدرتی بات تھی۔ ستلج کے اس جانب فوج لے جانے کے معنی محض بدقسمت ہمایوں کے خلاف لڑنا نہیں تھا بلکہ بہادر و چالاک کامران کا مقابلہ کرنا تھا جس کی طاقت ابھی تک مستحکم تھی اور جو کابل و قندھار کا حکمران تھا۔ لیکن قسمت کی گردش نے کامران مرزا کو بھی شیر شاہ کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی بنا دیا اور دریائے سندھ کے اس جانب چپہ چپہ زمین سے مغل حکومت کا نشان مٹانے اور افغان حکومت قائم کرنے میں مرزا کامران شیر شاہ کا ایجنٹ بن گیا۔''

دہلی میں شیر شاہ کی فتح پر جشن منایا گیا ایک خاتون نے اپنا اظہار مسرت یوں کیا:

''آخر دہلی کو اپنا شوہر مل گیا''

اس وقت شوہر کا تصور یہ تھا کہ وہ بہادر و جابر ہو اور اپنی عورت کا صحیح پاسبان ہو خواہ وہ

جوان ہو یا عمر رسیدہ۔ اس وقت شیر شاہ کی عمر کا سورج تو افق پہ تھا اور اس کے عروج کا سورج نصف النہار پر تھا۔

ایک شاعر ملک محمد جائسی نے بھی اپنے کتاب ''پدماوتی'' شیر شاہ کے خصائل اور کارناموں کو بیان کیا۔ اس نے شیر شاہ کی انصاف پسندی فیاضی اور جلال کو خراج تحسین پیش کیا۔ حالانکہ وہ شیر شاہ کا درباری شاعر نہیں تھا بلکہ ایک گوشہ نشین اور دنیا سے بیزار شاعر تھا۔

کالکا رنجن نے لکھا ہے:

''اس نے شیر شاہ کو منصف مزاج، فیاض، سخت وجلیل القدر حکمران بتایا ہے۔ جائسی کے ان الفاظ میں گویا ہندوستان کی روح بولتی ہے ''بادشاہ تم جگت کے، جگ تمہارا محتاج'' یعنی تم دنیا کے بادشاہ ہو اور خلق خدا تمہاری محتاج ہے۔''

شیر شاہ نے دہلی کی تعمیر وتوسیع میں خاصی دلچسپی لی اور جہاں ہمایوں نے ایک شہر ''دین پناہ'' کی تعمیر کا خواب دیکھا تھا۔ وہیں شہر کی تعمیر کا آغاز کرایا اور اس شہر کا نام ''شیر گڑھ المعروف حضرت علیؓ'' رکھا۔

ویکی پیڈیا میں ہے:

He further developed Humayun's Dina-panah city and named it Shergarh and revived the historical city of Pataliputra as Patna which had been in decline since the 7th century CE.

ابوالفضل نے لکھا ہے:

''شیر خاں دہلی پہنچا لیکن اس سے آگے نہیں بڑھا۔ اسے یہ تو دکھلائی پڑ رہا تھا کہ جو کچھ ہوا ہے اس کی قسمت کا کھیل ہے۔ لیکن اس کو یہ دہشت

کھائے جا رہی تھی کہ آگے بڑھنے سے کہیں حالات زیادہ خراب نہ ہو جائیں اور اُسے واپس لوٹنا پڑے۔ وہ اس خبر سے بھی خوفزدہ تھا کہ لاہور میں اس کے خلاف زبردست طاقتوں کا مجمع ہو رہا ہے۔''

ہمایوں کے بعد گجرات اور مالوہ پر ملو خاں نے قبضہ جما کر اپنی سلطنت قائم کر لی جو رنتھمبور سے چندیری اور گوالیار سے ست پُڑا کی پہاڑیوں تک تھی۔ بہادر شاہ کی غرقابی کے بعد راجپوتانہ میں مالدیو نے اپنی طاقت منظم کر لی۔ اگر مالوہ اور جودھپور مل کر شیر شاہ کے خلاف کھڑے ہو جاتے تو یقیناً بڑی دشواری پیدا ہو جاتی۔ لیکن بقول ابوالفضل:

''قسمت نے ایک بار پھر شیر شاہ کی یاوری کی۔ اللہ نے اس کے دشمنوں کی عقل پر پردہ ڈال دیا۔ ان میں باہمی اتفاق واتحاد نہ ہو سکا۔''

ناصر خاں کا تنزل

جب شیر شاہ کے علم میں یہ بات آئی کہ ناصر خاں نے سنبھل کی جاگیر میں بے جا طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عام لوگوں پر ظلم و بربریت کے پہاڑ ڈھائے ہیں تو اس نے دہلی سے لکھنوء تک کے علاقہ پر حاجی خاں سروانی کو فوجدار مقرر کیا اور ناصر خاں کو سنبھل کا نائب فوجدار مقرر کر دیا۔

ہندال مرزا نے شاہی خواتین کے ساتھ آگرہ سے الور کا رخ کیا تو اس وقت بہت سے دیگر مغل بھی اس کے ساتھ آن ملے۔ مغلوں کیلئے اب ہندوستان میں رہنا بہت مشکل تھا کیوں کہ ان کے خدوخال افغانوں سے مختلف اور منفرد تھے۔ ہندال نے الور جانے کیلئے ایک مہیب اور خطرناک راستہ اختیار کیا جو جنگلات سے پر تھا۔ راہ میں کئی مقامات پر جاٹوں سے بھی مڈبھیڑ ہوئی۔ ہندال یہاں سے سیدھا اپنی جاگیر میں پہنچا اور وہاں سے قیمتی ساز وسامان اٹھالیا۔ ہمایوں بھی اسی راستے سے گذرا، ہمایوں روہتک کے مقام پر پہنچا تو مرزا ہندال بھی وہاں آن پہنچا۔ شیر شاہ کے تعاقب کی خبریں مسلسل موصول ہو رہی تھیں۔

روہتک والوں نے شہر کے دروازے بند کر لیے تھے۔ یہ وہی روہتک تھا جو ہمایوں نے ایک قصیدہ پر خوش ہو کر کامران مرزا کو عطا کر دیا تھا۔ ہمایوں منزلوں پہ منزلیں طے کرتا ہوا، 23 جون 1540 کو سرہند جا پہنچا۔

سرہند سے ہمایوں جالندھر پہنچا۔ ہندال مرزا ستلج کے راستے کی نگرانی کر رہا تھا جس طرف سے مغلیہ فوج آ رہی تھی۔ جالندھر میں ہندال مرزا کو ایک بار پھر دریائے بیاس کے گھاٹ کی حفاظت پر مامور کیا گیا۔ ہندال نے اب یہ ذمہّ داری مظفر بیگ کو سونپی اور سلطان پور دریا عبور کر کے رُک گیا۔

افغان صرف مغلوں کو بھگانا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے کہیں بھی متصادم ہونے سے گریز کیا۔ خواص خاں نے دریائے ستلج کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا اور شیر شاہ کے نئے احکامات کا انتظار کرنے لگا۔ اس وقت بہت سے مغل لاھور جمع ہو چکے تھے سلطان مرزا اور اس کے بیٹے بھی لاھور چلے آئے تھے۔ جولائی 1540ء میں ہمایوں نے ایک جلسہ میں مغلوں سے اتحاد کی اپیل کی۔ اس نے کہا:

''حضرات! اگر ہم لوگوں کی باہمی نا اتفاقی، بغض و کینہ کی وجہ سے ہندوستان تیموری خاندان سے نکل کر ناکسوں کے تسلط میں چلا گیا تو اہل عقل ہم کو کیا کہیں گے۔''

اس جلسہ میں مختلف افراد نے اپنی آراء پیش کیں کامران مرزا نے کہا کہ انہیں چاہیے کہ تمام خواتین کو کابل پہنچا دیا جائے اور مغل خود کوہستانی علاقوں میں روپوش رہ کر طاقت حاصل کریں۔ مگر چونکہ مغلوں کو خواتین سے الگ رہنا منظور نہیں تھا اس لئے یہ تجویز رد کر دی گئی۔ مرزا ہندال نے از سرِ نو فتوحات کا سلسلہ جاری کرنے اور کچھ عرصہ تک شیر شاہ کو نظر انداز کرنے کی تجویز دی۔

مرزا حیدر نے کشمیر کو فتح کرنے کی تجویز پیش کی تا کہ مغل کشمیر میں قیام پذیر ہوں پھر ان پہاڑوں میں شیر شاہ کیلئے توپ خانہ لانا ممکن نہ ہوگا اور افغانوں کو کشمیر میں شکست سے

دوچار ہونا پڑے گا مگر یہ تجویز بھی ناقابل عمل قرار دے دی گئی۔

مرزا حیدر نے کہا:

''تمام مرزاؤں کو سارنگ سے لے کر سحر ہند تک کے پہاڑی ڈھالوں پر قبضہ کر لینا چاہیے اور وہیں سکونت اختیار کر لینی چاہیے۔ شیر خاں کو اس پہاڑی علاقہ تک پہنچنے میں 4 ماہ کا عرصہ لگ جائے گا وہ اس خطہ میں اپنی توپ گاڑی نہ لا پائے گا جو میدان جنگ میں اس کا خاص سہارا ہے چنانچہ کچھ ہی عرصہ میں افغان فوج برباد ہو جائے گی۔''

{تاریخ رشیدی، مرزا محمد حیدر دغلت}

ہندال مرزا کا خیال تھا کہ مغلوں کو سندھ کے علاقوں کو زیر تسلط لانا چاہیے۔ کامران شاہی بیگمات کو لے کر کابل جانا چاہتا تھا۔ اس صورت حال میں ہمایوں کو مرزا حیدر کی تجویز سے اتفاق تھا مگر اسے 400 سے زائد افراد فراہم نہ کر سکا۔

مختلف الرائے افراد کے مابین اختلاف بڑھتا جا رہا تھا اور تمام لوگ اپنے اپنے منصوبے بنانے میں مشغول تھے۔

مرزا حیدر کا کوچ

ماہ اگست 1540ء میں مرزا حیدر نوشہرہ (کشمیر) کی جانب روانہ ہوا۔ اس مقام پر اس کے پاس واضح تعداد تھی مگر موسم برسات کے شروع ہو جانے سے یہ مہم روک دی گئی۔

ہمایوں کی مصالحت کی کوشش

اس موقع پر ہمایوں نے شیر شاہ کے پاس مظفر بیگ اور قاضی عبداللہ کو اپنے نمائندے بنا کر بھیجا اور شیر شاہ سے کہا کہ وہ سرہند پار پنجاب کا علاقہ ہمایوں کیلئے چھوڑ دے اور اسے سرحد سمجھ لے۔ یہ درخواست نہایت لجاجت سے کی گئی تھی مگر شیر شاہ نہیں چاہتا تھا کہ مغل

پنجاب میں رہ کر پھر طاقت حاصل کرلیں۔اس لئے اس نے ہمایوں کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس نے ان کیلئے کابل کا علاقہ چھوڑ دیا ہے وہ کابل چلے جائیں۔

کالکارنجن نے لکھا ہے:

''اس قسم کے گستاخانہ جواب سے اس موقع پر ہمایوں سے زیادہ کامران کی توہین ہوتی۔کیوں کہ پنجاب تو کامران کے تسلط میں تھا۔ اس سے شیر شاہ کا منشا بھی فوت ہو جاتا۔وہ کامران کو اس دھوکہ میں رکھ کر کہ ستلج کے اس جانب کا علاقہ اسی کے تسلط میں رہے گا، دونوں بھائیوں میں نفاق و اختلاف ڈلوانا چاہتا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ ہمایوں نے جو سفیر قاضی عبداللہ شیر شاہ کے پاس بھیجا تھا وہ کامران کی جانب سے بھی ایک خفیہ پیغام لے گیا تھا۔اس بات کی تائید تاریخ چغتائی سے بھی ہوتی ہے۔حالانکہ وہ اس واقعہ کے دو صدی بعد لکھی گئی تھی۔کامران نے سفیر کے ذریعہ شیر شاہ کو یقین دلایا تھا کہ اگر پنجاب کا علاقہ اس کو دے دیا جائے تو وہ دوستی کے پردے میں ہمایوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک کرے گا کہ کوئی دشمن بھی نہیں کرسکتا۔دراصل مستقبل میں کامران نے ایسا ہی کیا بھی۔اس کی تائید ابوالفضل کے لکھے ہوئے لاہور کے واقعات سے ہوتی ہے۔''

شیر شاہ کی پیش قدمی

شیر شاہ نے اپنی فہم وفراست سے قاضی عبداللہ سے مغلوں کے راز اگلوا لیے تھے ان کے باہمی نفاق کا علم ہوتے ہی اس نے اکتوبر 1540ء دہلی سے کوچ کیا اور سرہند کی جانب بڑھنے لگا۔اس نے خواص خاں کو بھی دریائے ستلج پار کرنے کا حکم دیا۔کامران مرزا نے قاضی عبداللہ کو ایک مرتبہ پھر شیر شاہ کے پاس بھیجا تاکہ مصالحت کی کوئی راہ نکل سکے۔قاضی

عبداللہ واپس آیا تو اس نے بتایا کہ شیر شاہ کے ارادے خطرناک ہیں اور وہ ہرگز جنگ سے باز نہیں آئے گا۔

کامران مرزا کی پسپائی

کامران مرزا اس خبر پر بھیرہ (خوشاب) چلا گیا جو دریائے جہلم کے کنارے واقع ہے۔ یہاں سے ایک بار پھر قاضی کو شیر شاہ کی جانب بھیجا گیا۔ قاضی کی ملاقات دریائے بیاس کے کنارے سلطان پور کے مقام پر خواص خاں سے ہوئی۔

اسی اثناء میں مظفر بیگ جو دریائے بیاس کی ریکی کر رہا تھا۔ نہایت سراسیمگی کے عالم میں لاہور پہنچا۔ اس نے بتایا کہ افغان فوج نے دریائے بیاس عبور کر لیا ہے اور اس کے بھتیجے جنید بیگ کو قتل کر دیا ہے۔ ہمایوں یہ خبر سن کر سخت پریشان و مضطرب ہوا۔ اکتوبر 1540 میں دو لاکھ سے زائد مغل گھرانے نہایت پریشان کے عالم میں لاہور سے نکلے۔

گلبدن بیگم نے لکھا ہے:

''جیسے ہی یہ خبر بد ملی اعلیٰ حضرت نے لاہور سے کوچ کر دیا۔ ہر چہار سو حشر بپا ہو گیا۔ لوگوں نے اپنے آراستہ مکانوں کو جہاں کا تہاں چھوڑا اور جیسے بھی بنا نقدی اپنے ہاتھ کر لی۔''

ھمایوں کا ارادہ بدخشاں جانے کا تھا مگر کامران نے اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں ہمایوں وہاں قابض نہ ہو جائے۔ اس تجویز کی مخالفت کی۔

ھمایوں نے خواجہ کلاں بیگ کو دریا کے کنارے پہنچ کر انتظار کرنے کا حکم دیا۔ مگر خواجہ کلاں بیگ بھاگ کر سیالکوٹ، جہاں اس کا گھر تھا جا پہنچا۔ اس پر کامران نے اسے قید کر کے اسکا گھر تباہ کر دیا۔ ہمایوں کو کامران کے اس سلوک سے بہت رنج پہنچا۔ یہ صورت حال نہایت مخدوش تھی۔ ہمایوں کے ساتھی کامران سے بدظن ہو گئے بلکہ جبار قلی قرچی تو اس کا خاتمہ کرنے پر تل گیا۔ اس وقت کوہستان نمک کے پاس بھی کثیر تعداد میں کھوکھر اور گکھڑ سپاہی

ہمایوں کے ساتھ جانے اور کشمیر فتح کرنے کیلئے تیار تھے مگر اب ان کے ارادے بھی متزلزل ہو رہے تھے۔

سندھ کا سفر

مرزا ہندال اور یادگار ناصر مرزا نے ہمایوں پر زور دیا کہ وہ سندھ کی جانب پیش قدمی کرے۔ ہمایوں نے ان کی بات مان لی مگر یہ دونوں خوشاب سے آگے دریائے جہلم کے مشرقی کنارے پر اس سے الگ ہو گئے۔

طویل صحرا نوردی کے بعد ہمایوں نے دوبارہ دریائے جہلم عبور کیا اور خوشاب جا پہنچا۔اس مقام پر کامران مرزا بھی ہمایوں سے ملا۔ کامران کے تیور اب تبدیل ہو چکے تھے اس نے شاہی لقب اختیار کر کے خوشاب میں اپنے نام کا خطبہ بھی جاری کرا دیا تھا۔اس وقت شیر شاہ کا لشکر دریائے جہلم کے کنارے پہنچ چکا تھا۔اس پر کامران اور ہمایوں نے یہاں سے کوچ کیا اور ایک پہاڑی درّے کے سامنے جا پہنچے۔ یہاں دونوں بھائی درہ میں سے پہلے گزرنے کیلئے مقابل آ گئے۔ مگر اس سے پہلے کہ یہ تصادم خونریز جھڑپ میں تبدیل ہوتا ایک مرد درویش ابوالبقا نے مداخلت کرتے ہوئے ہمایوں کے حق میں فیصلہ دیا کہ بڑا بھائی ہونے کے ناطے اس درّے سے پہلے گذرنے کا حق اسے حاصل ہے۔اس کے بعد دونوں بھائی الگ ہو گئے اور بعد ازاں کابل کے قلعے کے پاس پھر ملے جہاں ان کے تنازعات پھر شروع ہو گئے۔

مسٹر کالکارنجن نے لکھا ہے:

”1540ء کی برسات میں شیر خاں کے جاسوس اس کو لاہور کے واقعات کی متواتر خبر دیتے رہے۔ قاضی عبداللہ نے خاص طور سے وہاں کے پورے حالات کی رپورٹ دی۔اس کے بعد ہی شیر شاہ نے دریائے بیاس پر واقع مغل چوکیوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔خواص

خاں کو جو کہ سرہند میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا اکتوبر کے شروع میں ستلج پار کرنے کا حکم ملا۔ شیر شاہ خود بھی معہ فوج کے ستلج پہنچ گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہمایوں کے تعاقب میں جانے سے قبل سرہند کی سرکار کا معقول بندو بست کر دے۔ سرہند کو خواص خاں کے تصرف میں دے دیا گیا۔ لیکن خواص خاں اس وقت فوجی مہم میں مصروف تھا۔ سرہند کے بندوبست کی ذمہ داری اس کے ایک غلام ملک بھگونت کو دے دی گئی جو ایک ہندو غلام تھا جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔

شیر شاہ کا مغلوں سے لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ ان کے دریائے سندھ پار کرنے میں کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔ اسے محض یہ خوف تھا کہ کہیں ہمایوں سندھ یا کشمیر نہ پہنچ جائے جیسا کہ مرزا ہندال اور مرزا حیدر چاہتے تھے۔ چنانچہ شیر شاہ نے تعاقب کی اس قسم کی تجویز بنائی تھی جس سے مغلوں کو سندھ یا کشمیر میں جائے اقامت حاصل کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔ لہٰذا اکتوبر کے تیسرے ہفتہ میں شیر شاہ نے ستلج پار کر کے خواص خاں کے ساتھ آگے بڑھنے کا پروگرام بنایا۔ اس نے خواص خاں کو حکم دیا کہ وہ لاہور پہنچنے کیلئے جالندھر اور امرتسر کا براہِ راست راستہ لے۔ کیوں کہ یہ راستہ چھوٹا تھا اور وہ خود اپنی اصل فوج کے ساتھ اس تاک میں رہا کہ اگر مغل لاہور سے قصور کے راستہ باری دوآب میں سے (راوی اور ستلج کے درمیان) گزر کر ملتان جانا چاہیں تو افغان فوج راستہ میں حائل ہو جائے۔ جب شیر شاہ کو یہ خبر ملی کہ تمام مرزا لاہور سے جانب مغرب بھاگ گئے ہیں تب دونوں سمت سے افغان فوج لاہور پہنچ چکی تھی۔

قصور سے 35 میل دور لاہور پہنچنے کے بعد شیر شاہ نے اپنا وقت ضائع

نہیں کیا۔ بلکہ وہ مغلوں کے تعاقب میں تیزی سے مغرب کی جانب روانہ ہوگیا۔ جب وہ چناب کے کنارے پر پہنچا تو اسے یہ معلوم ہوا کہ ہمایوں اپنے بھائیوں سے جدا ہو گیا ہے۔ یہاں سے اس نے قاضی عبداللہ کی کمان میں ایک فوجی دستہ جنوب میں ملتان کی جانب مرزا ہندال اور یادگار مرزا کے تعاقب میں روانہ کیا اور خود بھیرہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس کو یہ پیش بندی کرنی تھی کہ ہمایوں نمک کی پہاڑیوں کے راستہ کشمیر نہ چلا جائے۔ بھیرہ سے وہ خوشاب کی جانب گیا اور جب وہ ہمایوں سے تین منزل پیچھے تھا تو اس کو یہ معلوم ہوا کہ ہمایوں اور کامران ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ہیں اور مختلف راستوں پر چلے گئے ہیں اس نے خوشاب میں قیام کیا اور تمام قابل افسروں کو فوجی دستوں کے ساتھ مغلوں کی تلاش میں اطراف و جوانب بھیجا۔ خواص خاں کو حکم دیا کہ وہ دریائے جہلم کے مغربی کنارے کنارے ہمایوں کے تعاقب میں جائے۔ قطب خاں نائب جو کہ ایک قابل اور تجربہ کار افسر تھا۔ کامران کی فوج کا پیچھا کرنے کیلئے روانہ کیا گیا۔ خواص خاں کو یہ بھی صاف صاف ہدایت دی گئی کہ بادشاہ سے لڑائی کی نوبت نہ آنے دے بلکہ متواتر اس کا پیچھا کرتا رہے جب تک کہ وہ سلطنت کی حدود سے باہر نہ چلا جائے۔ شیر شاہ کا رُخ اب کامران کی جانب زیادہ سخت ہوگیا۔ کیوں کہ وہ بابر اور ہمایوں کی طرح بادشاہ بننے کی فکر میں تھا۔''

قاضی عبداللہ کا انجام

قاضی عبداللہ جو ہمایوں کا ساتھ چھوڑ کر شیر شاہ سے مل گیا تھا۔ اب ہندال مرزا اور یادگار ناصر کے تعاقب میں تھا۔ اگرچہ شیر شاہ نے اُسے احتیاط کی تاکید کی تھی مگر وہ مغلوں سے

متصادم ہو گیا اس جھڑپ میں تمام افغانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔قاضی عبداللہ قید ہو گیا۔حمیدہ بانو کے والد بابا دوست کی سفارش پر اس کی جان بخشی کر دی گئی۔

1540ء میں ہمایوں اوچ پہنچا تو مرزا ہندال اور یادگار بھی اس سے مل گئے۔اوچ ملتان سے 72 میل بطرف جنوب واقع تھا۔اس تمام وقت کے دوران خواص خاں شہنشاہ ہمایوں سے دور رہتے ہوئے تعاقب کر رہا تھا۔بخشو لنگاہ جو کامران مرزا کا باجگزار اور ملتان اوچ کا حاکم تھا۔اس نے ہمایوں کی بے حد مدد کی اور دریا عبور کرنے کیلئے اُسے کشتیاں بھی فراہم کیں۔ہمایوں نے اسے ''خان جہاں'' کا خطاب بخش دیا۔

ہمایوں نے دریائے ستلج کو عبور کیا اور پنجند سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈالا۔اس کے بعد حالات کی ستم ظریفی کا شکار یہ کاروان صحرائے سندھ میں داخل ہو گیا۔خواص خاں ملتان تک تعاقب کرتا رہا اور پھر واپس خوشاب چلا آیا۔26 جنوری 1541ء کو ہمایوں روہڑی جا پہنچا۔ اس مقام پر قلعہ بھکر کے گورنر نے اس کا استقبال کیا نیز یہ قلعہ بھی ہمایوں کے حوالے کر دیا۔

عباس نے لکھا ہے:

> ''جب وہ تین منزل کے فاصلہ پر تھا شیر شاہ نے سُنا کہ ہمایوں اور کامران ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ہیں۔ یہ علیحدگی خوشاب سے چند میل مغرب میں ہوئی۔اس نے اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ خوشاب کی جانب مغلوں کا پیچھا کرنے کیلئے بھیج دیا۔اور اس طرح وہ خوشاب سے ایک منزل اور آگے بڑھ گیا۔ یہاں شیر شاہ کی حالت نازک ہو گئی کیوں کہ اس کے ہمراہ قلیل فوج رہ گئی تھی۔لہٰذا خواص خاں کو اپنی فوج دو حصوں میں منقسم کرنا پڑی۔وہ خود سندھ کے کنارے کنارے چلا اور قطب خاں اور دیگر سرداروں کو کوہاٹ کے راستہ بھیج دیا۔''

شیر شاہ دو ماہ تک خوشاب میں مقیم رہا۔اس وقت ہمایوں سندھ میں مرزا حیدر شمال میں اور کامران مرزا کابل میں تھے۔اس وقت کوہستان نمک سے وادی کشمیر تک گکھڑوں کی

نیم خود مختار ریاست موجود تھی۔ گکھڑ مغلوں کے حلیف تھے اس لئے ان کا توڑ کرنا شیر شاہ کیلئے اولین تقاضا تھا اس دوران بہت سے افغان سردار بھی شیر شاہ سے ملاقات کیلئے آئے، شیر شاہ نے ان سب کو خوب انعام واکرام دیئے۔

روہ کے پٹھان جو بابر سے شاکی تھے شیر شاہ کی کامیابی پر خوش تھے۔ بابر نے اس علاقے کو تومانوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ روہ کے قبائل بنگاش اور گردیز کے تومانوں میں آباد تھے، مہمند، عثمان خیل، غلزئی، کھتک، آفریدی اور کزئی قبیلے بنگاش کے 'تومان' میں آباد تھے۔ داروغے اور تحصیلدار مغل تھے۔ پٹھان ان سے ازحد نفرت کرتے تھے اب شیر شاہ کے عروج سے وہ پھولے نہیں سما رہے تھے۔

قطب خاں کی نگرانی میں شیر شاہ کی فوج نے کامران مرزا کے تعاقب میں دریائے سندھ پار کر لیا۔ مغلوں سے ایک جھڑپ بھی ہوئی اور بنوں، کوہاٹ اور خیبر کو پامال کر دیا گیا۔ اس طرح یہ علاقے شیر شاہ کی سلطنت کا حصہ بن گئے۔ اسلام شاہ کے زمانے میں پشاور سلطنت سوری میں شامل تھا۔

اب شیر شاہ کی توجہ مرزا حیدر کی جانب مبذول تھی جو کامرن مرزا کے نام کا خطبہ کشمیر میں جاری کر چکا تھا۔ علاوہ ازیں خطہ پوٹھوار میں آباد گکھڑ قبائل بھی اس کیلئے کسی وقت بھی خطرے کا باعث ثابت ہو سکتے تھے۔ جب سے بابر نے گکھڑوں کی جنجوعوں کے مقابلے میں مدد کی تھی وہ اس کے حلیف بن چکے تھے

شیر شاہ نے گکھڑوں کے علاقے میں فوج داخل کر دی۔ اس نے بھمبر کے ضلع پر قبضہ کر لیا۔ گکھڑ اس وقت براہ راست شیر شاہ سے ٹکر نہیں لے سکتے تھے اس لئے وہ پہاڑوں میں چلے گئے۔ شیر شاہ نے اس علاقے پر مستقل نظر رکھنے کیلئے نالہ گھان کے کنارے ایک عظیم الشان قلعہ ''روہتاس'' تعمیر کرایا۔ اگرچہ کامران مرزا کے تعاقب میں شیر شاہ شاہی افواج بنوں کوہاٹ تک جا پہنچی تھیں۔ مگر شیر شاہ نے ان علاقوں پر تسلط جمانے کی کوشش نہ کی اور دریائے سندھ کو اپنی سلطنت کی سرحد قرار دیا۔ اس سیاسی حکمت عملی سے پٹھانوں پر گہرا اثر مرتب ہوا

اور وہ شیر شاہ کے معاون بن گئے۔ چودھری غیاث الدین آف کنیٹ نے راقم کو بتایا کہ شیر شاہی سلطنت کی حد روہتاس قلعہ تک تھی اور یہ کہ روہتاس کا علاقہ اس نے کامران سے لیز پر لیا تھا۔

باب ۴۸

شیر شاہ سوری کشمیر میں

1535ء میں قاضی چک نے محمد شاہ کو تخت سے اتار کر نازک شاہ کو حکمران بنایا۔ پھر 5 سال تک 5 حکمران ہوئے۔ ان میں سے کبھی ایک تخت پر بیٹھتا اور کبھی دوسرا۔ ان میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا تھا۔ یہ کشمیر کے سیاسی تنزّل کا خاکہ تھا۔ اس دوران میں چک کی مخالف جماعت کی یہی کوشش رہی کہ مغلوں کی امداد حاصل کر کے نازک شاہ کو معزول کر دیا جائے۔ آخر انھیں کامیابی حاصل ہوئی اور مرزا حیدر ان کی مدد کیلئے آ گیا۔ قاضی چک مات کھا کر جھمبر آ گیا اور جب شیر شاہ ان پہاڑوں کی جانب آیا تو اس نے اس سے ملاقات کی۔

شیر شاہ کو زین العابدین کی پیشین گوئی کے مطابق ریاست کشمیر کو سلطنت دہلی کے ماتحت لانے کا موقع مل گیا۔

ابوالفضل نے لکھا ہے:

''قاضی چک نے جب یہ دیکھا کہ مرزا حیدر خود مختار ہونا چاہتا ہے تب عیاری اور مکاری سے وہ کشمیر سے نکل کر شیر خاں کے پاس پہنچا۔ کیوں کہ مرزا حیدر کو ملک میں لانے کا مقصد تھا اپنی مطلب بر آری اور اپنی طاقت کی توسیع، جب اس کا یہ منشا پورا نہ ہوا اور اس کے بر خلاف صورت حال نے دوسری شکل اختیار کر لی تو اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور دوسرا منصوبہ باندھا۔ اس نے محمد شاہ پوتی کو شیر خاں کے حوالے کر

دیا۔ جب وہ اس طرح منظورِنظر ہو گیا تب وہ علاول خاں، حسن خاں سروانی وغیرہ کے ساتھ دو ہزار سپاہی لے کر کشمیر آ گیا۔ اسی اثنا میں مرزا حیدر کے باورچی مسمی ابدال مکری کی اتفاق سے موت ہو گئی۔ مرزا حیدر اپنے عیال و اطفال کو اندر کوٹ میں چھوڑ آیا تھا۔ چنانچہ اس کی حالت پناہ گزیں کے مانند تھی۔ کشمیر کے لوگوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا پھر بھی کچھ اس کے ساتھی رہ ہی گئے تھے۔ تین ماہ تو وہ پہاڑ وں کی وادیوں میں بھٹکتا رہا۔ انجام کار وہ 16 اگست 1541ء (ربیع الثانی 948 ہجری) کو نبرد آزما ہو ہی گیا۔ حالانکہ دشمن کی فوج میں 5 ہزار سے زیادہ گھوڑ سوار تھے جس میں سے کچھ افغانی تھے اور کچھ کشمیری۔ لیکن نمک حرامی اور غداری کی وجہ سے وہ ہار گئے۔ یہ خبر سن کر شیر شاہ نے علاول خاں اور حسن خاں سروانی کی کمان میں قاضی کو چک کی مدد کیلئے دو ہزار گھوڑے اور دو ہاتھی بھیجے جو کہ بھمبر کے راستے سے کشمیر گئے۔ یہی ایک ایسا راستہ تھا جس سے ہاتھی جا سکتے تھے۔ یہ فوج بھی موسم برسات میں چک لوگوں کی باہمی مخالفت کی وجہ سے ہار گئی۔ مرزا حیدر نے قاضی چک کے ایک رشتہ دار ریگی چک کو توڑ لیا۔''

نظام الدین نے لکھا ہے:

''ریگی چک کے ساتھ مرزا حیدر قاضی چک سے لڑنے گیا۔ قاضی چک نے بیرم کولا (بارہ مولا) میں جا کر اپنا تسلط قائم کر لیا جہاں سے بعد میں اُسے بڑی دقتوں سے ہٹایا جا سکا۔''

شیر شاہ نے کشمیر کے حوالے سے مصلحت آمیز پالیسی اختیار کی تھی جس کا مثبت نتیجہ برآمد ہوا۔ مرزا حیدر چکوں کے خلاف الجھا رہا اور دس سال بعد انھوں نے اسے شکست دے کر مار ڈالا۔ (1551ء میں قاضی چک کا لڑکا غازی خان کشمیر کا سلطان بن گیا تھا۔)

زین العابدین نے کشمیر میں جو اصلاحات کیں ابوالفضل نے ان کو مرزا حیدر کی جانب منسوب کر دیا اور اس طرح مرزا حیدر کو مثالی حکمران ثابت کیا گیا اور چک لوگوں کو باغی اور سرکش لکھا۔ تاہم شیر شاہ کی یہ پالیسی اسلام شاہ کے دور میں بڑی مفید ثابت ہوئی جب کشمیر کے حکمراں نے باغی ہیبت خاں نیازی کو پناہ دینے سے انکار کرتے ہوئے اسے قید کر کے دہلی بھیج دیا۔

باب ۴۹

گکھڑ اور شیر شاہ سوری

مسٹر کالکا رنجن نے لکھا ہے:

''کہا جاتا ہے کہ جب شیر شاہ اس علاقہ میں داخل ہوا اور اس نے گکھڑ سرداروں کو اپنے دربار میں حاضر ہونے کا حکم نامہ بھیجا تو ان لوگوں نے چند تیر اور دو شیر کے بچے بھیج دیئے۔ یہ داستان محض گپ معلوم ہوتی ہے اور حقیقت سے اتنی ہی دور ہے جتنا کہ یہ کہنا کہ گکھڑ سردار رائے سارنگ اور آدم خاں نے بغیر لڑائی کے اطاعت تسلیم کرنے سے نکار کر دیا۔ ابوالفضل نے گکھڑ سرداروں کی مخالفت کی ایک وجہ یہ بتائی ہے کہ بابر اور ہمایوں کے ان لوگوں پر بہت احسانات تھے اور اسی وجہ سے وہ ان کے زیادہ وفادار اور شکر گزار تھے۔ ابوالفضل جو کہ مغلوں کا درباری مؤرخ تھا اُسے ایسی تصویر پیش کرنے میں انتقامی مزا آتا ہے کہ گکھڑوں نے اس افغان فوج کو جو کہ ان کی سرکوبی کیلئے بھیجی گئی تھی اس بُری طرح ہرایا کہ بہت سے افغان تو قید کر لئے گئے اور بطور غلام بیچ دیئے گئے۔ مگر حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی گکھڑ لوگوں کو قسمت نے برا دن دکھایا۔ یہ بات درست ہے کہ کچھ گکھڑوں نے مقابلہ کیا۔ لڑائی ہوئی اور لڑائی کے بعد وہ جنگلوں اور پہاڑیوں میں جا کر روپوش

ہو گئے۔ ان کے ملک کو افغانوں نے جی بھر کر لوٹا۔ شیر شاہ نے جنجوؤں اور گکھڑوں کو آپس میں لڑا دیا۔''

ابوالفضل نے لکھا ہے:

''ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان آنے کے بعد جنجوؤں کو پسپا کیا اور گکھڑوں کا علاقہ ان کو واپس دلا دیا۔ شیر شاہ نے گکھڑ سرداروں کے خلاف فوج کشی کرنے کیلئے اپنا صدر مقام ہاتھی پور بنایا۔ یہ نام ہاتھی گکھڑ کے نام پر رکھا گیا تھا اور روہتاس و راولپنڈی کے درمیان واقع ہے۔''

مخزن کا بیان ہے:

''شیر شاہ نے گکھڑ علاقہ کو چھوڑنے سے پہلے ان کے دلوں میں اتنا کاری زخم لگا دیا کہ وہ روزِ قیامت تک اس کے درد سے بے تاب رہیں گے۔ اس نے ٹیلہ پہاڑ کی چوٹی پر (جسے جوگی بالا ناتھ کا ٹیلہ بھی کہتے ہیں) ایک مقام پسند کیا۔ جہاں ایک قلعہ کی تعمیر کی جو بہار کے روہتاس قلعہ کا ثانی تھا اور اتنا ہی مضبوط اور ناقابل تسخیر تھا اور اس کا نام بھی روہتاس رکھا۔ اس عرصہ میں وہ پنجاب سے محکمہ مال کے قابل افسران کا انتخاب کر رہا تھا۔ ان میں سے لاہور کا ایک کھتری ٹوڈرمل تھا۔ اس نے ابھی ملازمت شروع ہی کی تھی۔ شیر شاہ نے روہتاس کے قلعہ کی تعمیر کا کام اس کے سپرد کر دیا۔ یہ قلعہ شیر شاہ کے انتقال کے بعد ہی مکمل ہو سکا۔ اس قلعہ کی شان کو دیکھ کر شیر شاہ کے دماغ کی بلندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔''

{تاریخ خان جہان و مخزن افغانی نعمت اللہ بن خواجہ حبیب اللہ ہراتی}

اس قلعہ کے بارے میں مسٹر کالکا رنجن نے لکھا ہے:

''روہتاس قلعہ کے کھنڈر جو اسلام شاہ کے زمانہ میں مکمل ہوا تھا آج بھی تحصیل وضلع جہلم میں دیکھے جا سکتے ہیں اور قصبہ جہلم سے 10 میل شمال مغرب میں ہیں۔ یہ قلعہ اس گھاٹی کے دہانہ پر واقع ہے۔ جہاں کشمیر سے کاہن دریا ٹیلہ پہاڑی کو توڑ کر گزرتا ہے۔ اس کا محیط تقریباً 2½ میل ہے۔اس کی دیواریں 30 فٹ موٹی اور 30 فٹ سے 38 فٹ تک بلند ہیں۔اس کی چار دیواری میں بارہ صدر دروازے ہیں اور 68 برج ہیں۔سب سے شاندار دروازہ 'سہال' ہے جو 70 فٹ بلند ہے اور پٹھان فن عمارت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔اس کی دیواروں میں بہت خوبصورت شہ نشین ہیں۔''

مسٹر کالکا رنجن کی اس تحریر میں جغرافیائی اعتبار سے چند غلطیاں ہیں۔ ''کاہن دریا'' دراصل ایک برساتی نالہ گھان ہے اور یہ کشمیر سے نہیں بلکہ نیلی کی پہاڑیوں کے سلسلے سے نکل کر آتا ہے۔ دوسرے ''سہال'' نہیں بلکہ ''سوہل خانی'' دروازہ ہے جسے آج کل سہیل غازی گیٹ کا نام دیا گیا ہے اور اس کے اوپر پرانے ریسٹ ہاؤس میں ایک میوزیم قائم کر دیا گیا ہے جس میں شیر شاہ سوری کے عہد کے ہتھیار، سکے، خود، زرہ بکتر اور شیر شاہ سوری اور اس کے محافظوں کے مجسمے ہیں۔

منظر شاہ نے اپنی کتاب ''قلعہ روہتاس وٹلہ جوگیاں'' میں لکھا ہے:

''شیر شاہ سُوری کے سامنے شیر کے دو بچے اور ترکش میں چند تیر پڑے تھے اور جان کی امان پا کر ایک ایلچی کھڑا تھا جسے بہادر گکھڑ سرداروں سلطان سارنگ اور سلطان آدم نے بھیجا تھا۔اِس گستاخی پر پٹھان بادشاہ کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور اُس نے گرجتے ہوئے کہا:

'' خدا نے چاہا تو میں تمہارے سینے میں ایسی میخ ٹھونکوں گا جسے کوئی قیامت تک نہیں نکال سکے گا۔''

اور سنگلاخ پہاڑوں و سرکش گکھڑوں کی راج دھانی پوٹھوہار میں یہ دیو ہیکل قلعہ تعمیر کر دیا۔ نہ صرف قلعہ تعمیر کر دیا بلکہ ایک بار تو اِس جنگ جُو قوم کو اُدھیڑ کر رکھ دیا۔ آنے والے مؤرخ نے بجا طور پر لکھا کہ شیر شاہ نے گکھڑوں کا علاقہ چھوڑنے سے پہلے اُن کے دِلوں میں اتنا کاری زخم لگایا کہ وُہ روزِ قیامت تک اس کے درد سے بیتاب رہیں گے۔

ہوا یوں تھا کہ شیر خان نے مغل فرمانروا ہمایوں اور اس کی سپاہ کو چوسہ اور قنوج کے مقام پر پے در پے ہولناک شکستیں دے کر ملک سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا اور خود شیر شاہ کا لقب اختیار کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا۔ وُہ ہمایوں کے تعاقب میں اب جہلم کے کنارے آ پہنچا تھا۔

اِدھر شکست خوردہ بادشاہ ہمایوں تاج و تخت چھوڑ کر خوشاب، بھکر، اُچ اور کوئٹہ کے راستے ایران کی طرف فرار ہو رہا تھا، اُدھر اُس کی قسمت کا ستارہ ہندوستان کے اُفق پر اِک طویل مدت کیلئے غروب ہو رہا تھا۔

دراصل سرزمینِ پوٹھوہار کے جنگجو اور سرکش گکھڑ، ہمایوں کے باپ بابر بادشاہ کے حلیف اور دوست تھے۔ شیر شاہ کو اُن کی طرف سے خطرہ محسوس ہوتا تھا چنانچہ اُس نے گکھڑ سردار کو اپنی اطاعت قبول کرنے کا پیغام بھیجا تھا۔ لیکن سرکش سردار نے جُھکنے سے انکار کر دیا تھا بلکہ اُس کا ایلچی جواب میں شیر کے دو بچے اور تیر لے آیا تھا اِس کا مطلب شیر شاہ سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا۔ لہٰذا اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور وُہ غصے میں غرّا رہا تھا۔

شیر شاہ سُوری نے اپنے جانباز جرنیلوں خواص خان اور ہیبت خان نیازی کو حکم دیا کہ اس گکھڑ سردار کو ایسی سزا دی جائے کہ دُنیا کے لئے

ایک عبرتناک مثال بن جائے۔ اپنے وزیرِ مال ٹوڈر مل کھتری کو طلب کیا، پوٹھوہار میں روہتاس گڑھ جیسا مضبوط اور ناقابلِ تسخیر قلعہ تعمیر کرنے اور افغان چھاؤنی قائم کرنے کا حکم صادر کیا۔ پٹھان بادشاہ کا حکم تھا، تعمیل ہوئی۔

سپہ سالارِ خاص خواص خان اور 'اعظم ہمایوں' یعنی ہیبت خان نیازی پچاس ہزار پٹھان لشکریوں کے ساتھ قہرِ خداوندی بن کر گکھڑوں پر ٹوٹے۔ یکے بعد دیگرے کئی حملے کیے اور گکھڑوں کو اُدھیڑ کر رکھ دیا۔ آخر کار 1542ء جرنیل خواص خان کی کمان میں شیر شاہ کی فوج نے موجودہ قلعہ روات کے مقام پر ایک خُون آشام لڑائی کے بعد سلطان سارنگ خان اور اُس کے سولہ بیٹوں کو دہشتناک طریقے سے تہہِ تیغ کر دیا۔ ایک بھیانک اور عبرت ناک انجام سے دوچار کیا۔ اس خون ریز جنگ کی بہت سی روایات اور کہانیاں مشہور ہیں، جنہیں سن کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اِس دوران وزیرِ مال ٹوڈر مل کھتری نے شاہراہِ قدیم پر کہان کے کنارے ایسا پُر ہیبت اور پُر جلال قلعہ تعمیر کر دیا کہ آج چار سو ساٹھ سال بعد بھی دُور دراز، اور دُور دیس کے لوگ اس کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ ایک سیّاح اور مؤرخ کو یہاں تک کہنا پڑا کہ اِسے دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے اِسے جِن بُھوتوں نے بنایا ہو۔

"After seeing this fort it seems that it is an art work of supernatural forces." (Bill)

خالصتاً فوجی مقاصد کے لیے بنایا گیا یہ قلعہ سُوری حکمرانوں کی دفاعی حکمتِ عملی اور مِلٹری انجینئرنگ (Miltary Engineering) کا

بہترین شاہکار ہے۔۔۔اور آج عالمی وِرثہ کی فہرست میں شامل ہے۔
اسے 1997ء میں اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو (Unesco) کی
''ورلڈ کلچرل ہیریٹیج''لِسٹ میں شامل کیا گیا۔قلعہ روہتاس جنوبی ایشیا
میں بسنے والے قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی جنگی حکمت عملی کا بہترین
نمونہ اور اپنی وُسعت،عظمت اور طرزِ تعمیر کے لحاظ سے ایک بے مثال
تاریخی یادگار ہے۔''

{مسافر ایک راستے دو،ٹلہ جوگیاں وروہتاس،منظر عباس شاہ}

قلعہ روات شاہراہ اعظم کے کنارے موجود ہے اور اس میں گکھڑ سرداروں اور
سپاہیوں کے مقبرے ہیں۔

باب ۵۰

ملتان

شیر شاہ نے ملتان میں خواص خان، عیسیٰ خان نیازی اور ہیبت خان نیازی کو 50,000 سپاہ کے ساتھ متعین کر رکھا تھا۔ بلوچ بھی شیر شاہ کے معاون بن چکے تھے۔ یہ بلوچ ملک سہراب کے بیٹوں غازی خان اور اسماعیل خان کی نسل سے تھے اور انہی کے ناموں پر ان کے قبیلے تھے یہ بھی روایت ہے کہ شیر شاہ نے ان بلوچوں کو قلعہ نندنہ اور گرجاکھ (موجودہ جلال پور شریف) کا علاقہ بھی دے دیا تھا۔ اسی دوران شیر شاہ نے لاہور سے ملتان تک ایک سڑک تعمیر کرنے کے احکامات جاری کیے اس سڑک کو اٹک سے دہلی جانے والی سڑک سے ملایا جانا تھا جو لاہور سے گذرتی تھی یہی سڑک بعد میں جی ٹی روڈ Grand Trunk Road کے نام سے مشہور ہوئی بعد میں شیر شاہ نے ہیبت خان نیازی کو 30,000 گھڑسواروں کے ساتھ پنجاب کا گورنر مقرر کیا جس نے قلعہ روہتاس میں قیام کیا۔ خواص خان اور عیسیٰ خاں کو اپنے پاس بلا لیا۔

ملتان سے بلوچ قبائل کا خروج

شیر شاہ نے جب دیکھا کہ ملتان میں بلوچوں کی شکایات بڑھتی جارہی ہیں لوگ ان کے ماتحت خوشحال نہیں ہیں تو اس نے ہیبت خان نیازی کو حکم دیا کہ وہ بلوچ قبائل کو ملتان سے باہر نکال دے۔ اس وقت شیر شاہ کے سامنے اہم مسئلہ یہ تھا کہ دریائے سندھ پر واقع دھنکوٹ

اور نمک کے پہاڑ پر واقع بھیرہ کے درمیانی علاقہ کیلئے کون سا نظام حکومت اور فوجی انتظام کیا جائے۔ اس علاقہ میں مستقل امن قائم کرنے کیلئے یہ ضروری تھا کہ یہاں کے باشندگان کے متضاد مفادات میں ہم آہنگی پیدا ہو۔

بابر نے تزک میں لکھا ہے:

''بھیرہ لودھی حدود سلطنت سے باہر تھا۔ اس کے مغرب علاقہ میں جاٹ، گوجر اور بلوچ لوگ آباد تھے۔ نہ کہ افغان۔''

''شیر شاہ سوری اور اس کا عہد'' میں ہے:

''شیر شاہ نے دیکھا کہ بھیرہ اور خوشاب میں ڈوڈی بلوچ حکمران ہیں۔ شیر شاہ بلوچیوں کے معاملہ میں دست اندازی پسند نہیں کرتا تھا۔ کیوں کہ اگر وہ لوگ اس کے مخالف ہو گئے تو 5 ہزار گھوڑ سواروں کی فوج بہ آسانی فراہم کر سکتے تھے۔ بلوچ سردار فتح خاں ڈوڈانی، اسماعیل خاں، غازی خاں وغیرہ نے ہمایوں کا تعاقب کرنے میں خواص خاں کی مدد کی تھی۔ وہ شیر شاہ سے خوشاب کے مقام پر ملے تھے اور شیر شاہ نے سندھ میں اور اس علاقہ میں ان کی جاگیریں بحال رکھیں۔ باجور سے لے کر بھیرہ تک کا پہاڑی علاقہ اسماعیل خاں بلوچ کی امداد کے بغیر اپنے تسلط میں نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے اسماعیل خاں کی فوج کو اپنی فہرست سپاہیان میں شامل کر لیا اور ان کو بھی شاہی فوج کی طرح شاہی خزانہ سے تنخواہ ملنے لگی۔

تیمور کے واپس جانے کے بعد پوری پندرہویں صدی بھر بلوچوں کے ڈوڈا اور رہوت قبائل شمال کی سمت میں سندھ کے کنارے کنارے خانہ بدوشوں کی طرح گھومتے رہے۔ وہ اس وقت بنوں کے دہانے سے لے کر گومل کے درے تک اس تمام علاقہ پر قابض تھے جو کہ کوہ سلیمان

کے سلسلے کے جنوب میں تھا۔ بلوچوں کا رند قبیلہ ملتان کے راجپوت لنگاہ خاندان سے دہشت زدہ ہو کر چناب، راوی اور ستلج کی وادیوں میں جا کر بس گیا تھا۔ ان کا پیشہ تھا کرایہ کے سپاہی بننا یا آزادانہ ڈاکہ زنی کرنا۔ ڈوڈائی اور ہوت نئے وطن کی تلاش میں جہلم اور سندھ کی وادیوں میں اوپر کی جانب چلے گئے لہٰذا بلوچیوں اور پٹھان قبائل میں ٹکر لازمی ہو گئی۔

کامران کی 14 سالہ حکومت کے دوران بلوچ اور پٹھانوں میں باہمی کشیدگی اور بھی زیادہ ہو گئی کیوں کہ ان دونوں فریقوں کو آپس میں لڑائے رکھنا ہی کامران کی پالیسی تھی۔ جب شیر شاہ خوشاب کے مقام پر مقیم تھا تو روہ کے جلا وطن افغان قبیلے بلوچوں کے خلاف یہ شکایت لے کر آئے کہ انھوں نے افغانوں کے علاقہ پر قبضہ کر لیا ہے اور ان کو بے دخل کر دیا ہے۔ ان آنے والے لوگوں میں عباس سروانی مؤرخ کے مورث بھی شامل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ شیر شاہ نے بلوچوں پر دباؤ ڈال کر سندھ کے علاقہ کی اراضی سروانیوں کو واپس دلوا دی اور اس کے عوض میں بلوچیوں کو نمک کے پہاڑ کی تلہٹی میں نندنہ اور گرجھاکھ کا علاقہ دے دیا یہ دونوں علاقے اور ان کے درمیان موجودہ جہلم ضلع کی شمالی سرحد جنگی اعتبار سے بڑے اہم تھے۔ غالباً یہ علاقہ اسماعیل خاں بلوچ کو دے دیا گیا تھا۔ جس نے گومل درہ کے دہانہ پر اور پٹھان علاقہ کے نزدیک ڈیرہ اسماعیل خاں آباد کیا تھا۔

اگرچہ عباس نے لکھا ہے کہ شیر شاہ نے بلوچیوں سے سروانی علاقہ واپس دلایا تھا۔ کیوں کہ اس کو عباس کے قدیمی مورث اعلیٰ کا بے حد احترام تھا لیکن واقعہ تو یہ ہے کہ یہ تو شیر شاہ کی پالیسی تھی اور بلوچیوں کو ایک قسم کی

تنبیہہ تھی کہ وہ روہ کے پٹھانوں کے خلاف ان کی جارحانہ کارروائی
برداشت نہ کی جائے گی۔اس کے ساتھ ساتھ وہ دریائے سندھ اور جہلم
کے درمیان ایک بلوچ خطہ مضبوط کرنا چاہتا تھا تاکہ دریائے سندھ کے
پار کے قبائلیوں کو روک سکے۔شیر شاہ اپنے عزیز و اقارب سے محبت تو
کرتا تھا مگر ان کی جانب سے مشتبہ بھی رہتا تھا اس کے سامنے لودھی
سلطان کی مثال تھی۔بانیٔ سلطنت ہونے کی حیثیت سے اُس کو یہ لازم
تھا کہ وہ اس علاقہ میں آباد لوگوں کے موروثی تنازع، باہمی نفرت،
ادنیٰ خواہشات اور ملی مفاد کو مدنظر رکھ کر کام کرے اور ان سے فائدہ
اُٹھا کر اپنی حکومت کو مستحکم بنائے اور سندھ کی دوسری جانب اپنا اثر
پھیلائے۔''

فتح خان جٹ کی سرکوبی

فتح خاں نے لاکھی کے جنگل کو تباہ کر کے علاقے میں تہلکہ مچا رکھا تھا۔فتح خاں کا دارالحکومت کوٹ قبولہ (کوٹ کابلہ) تھا جو ساہیوال کے نزدیک تھا۔اس کے ساتھ سید و بلوچ بھی شامل تھا، تمام سرگرمیوں کا مرکز، ،سنگڑھ،، (سات قلعہ) تھا جو لاہور سے 65 میل بطرف جنوب مغرب واقع تھا۔

ہیبت خان نیازی نے شیر شاہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لاہور سے کوچ کیا اور ستگڑھی کے مقام پر چکرانہ کو حیرت انگیز انداز میں جالیا۔چکرانہ کو بتایا گیا کہ اس کی فوج کا معائنہ کیا جائے گا۔اسی وقت بخشو لنگاہ کو بھی پیغام بھیج دیا گیا کہ وہ دیپالپور کے مقام پر پہنچ جائے۔دو دِن کی مسافت کے بعد ہیبت خان نیازی پاک پتن کے مقام تک آن پہنچا۔اب ایک طرف ملتان میں فتح خان ڈوڈائی اور دوسری جانب فتح خان جٹ تھا جو کوٹ قبولہ میں موجود تھا۔ہیبت خان نیازی دو دشمنوں کے بیچ تھا اور وہ جس طرف چاہتا حملہ کر سکتا تھا۔

اس صورت حال میں فتح خان جٹ بھاگ نکلا مگر ہیبت خان نے نہایت سرعت سے فتح پور کے نزدیک اسے جالیا۔ فتح خان نے صلح کی بات چیت شروع کی اور شیخ ابراہیم کو سفیر بنا کر بھیجا۔ شیخ ابراہیم نے ذمہ داری قبول کر لی اور ہیبت خان بھی صلح پر رضا مند ہو گیا۔ فتح خان جٹ اور سید و بلوچ ہیبت خان کے پاس حاضر ہو گئے۔ ہیبت خاں نے دونوں کو زنداں میں ڈال دیا۔ سید و بلوچ اس حراست سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے قلعہ میں جا کر فتح خان کی گرفتاری کی اطلاع دی تو فتح خان کے وفاداروں نے ہیبت خان پر حملہ کر دیا۔ یہ لڑائی دو روز تک جاری رہی۔ اس کے بعد سپاہیوں نے اپنے بیوی بچوں کو تہ تیغ کر دیا اور خود ہیبت خان کا نرغہ توڑ کر نکل بھاگے مگر قسمت نے ان کے چاروں طرف دام بچھا رکھا تھا۔ دوسرے ہی روز بخشولنگاہ نے سید و بلوچ کو گرفتار کر کے ہیبت خان کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد ہیبت خان نے ملتان پر چڑھائی کر دی اور ملتان سے بلوچوں کو نکال باہر کیا۔ بلوچ ملتان سے نکل کر سِبی چلے گئے۔ ان میں نمایاں تعداد رند بلوچ کی تھی جو راجستھان کی جانب پسپا ہو گئے۔ بھیرہ میں آباد بلوچ بھی یہاں سے مراجعت کر گئے۔

اس خدمت اور کارگزاری کے سلسلے میں شیر شاہ نے ہیبت خان کو ''اعظم ہمایوں'' کا خطاب دیا۔ لاہور اور ملتان کے علاقے بھی ہیبت خان کو دے دیئے گئے۔ بخشولنگاہ کو اوچھ شریف کا علاقہ دے دیا گیا۔

فتح خان جٹ اور سید و بلوچ کو پھانسی دے دی گئی۔ ہیبت خان نے فتح جنگ خاں کو پنجاب کا نائب گورنر مقرر کر کے ملتان کا صوبہ اسے دے دیا۔ فتح جنگ نے ملتان میں ایک اور شہر ''شیر گڑھ'' آباد کیا۔ فتح جنگ نے ایک اور شہر ''شیر شاہ'' بھی بسایا تھا جو ملتان سے 8 میل بطرف جنوب مغرب واقع تھا۔

سندھ میں بھکر اور سہون کے مشہور قلعے تھے۔ شاہ ارغون نے بھکر کے گورنر محمود سے ٹھٹھہ حاصل کر لیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیر شاہ کے سرداروں نے بھکر پر قبضہ کر لیا۔

دوسری جانب مارواڑ سے نکل کر ہمایوں 1543ء میں امرکوٹ جا پہنچا۔ جہاں سے ٹھٹھہ کی جانب بڑھا۔ اس وقت سوڈا سردار کی مدد سے اس نے راجپوت اور جٹ افراد کی ایک کثیر تعداد بھی بھرتی کر لی تھی۔ ہمایوں نے آگے بڑھ کر شاہ ارغون کی فوج کو شکست سے دو چار کر دیا۔

باب ۵۱

بنگال کا انتظام

شیر شاہ ملتان اور اوچھ کے نواح میں موجود تھا جب اسے اطلاع ملی کہ خضر خان نے کافی پر پرزے نکال لیے ہیں اور وہ بنگال کا خود مختار حکمران بننے کے خواب دیکھ رہا ہے تو شیر شاہ بجلی کی طرح گڑھی کے مقام پر پہنچ گیا اور خضر خان کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جونہی خضر خان حاضر ہوا اس نے بلا تامل اسے گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا۔ شیر شاہ نے بنگال کو سر کاروں میں تقسیم کر دیا اور ان میں درج ذیل عہدے مقرر کر دیئے۔

۱۔ شقدار اعلیٰ

شقدار اعلیٰ کا کام تھا کہ وہ قاضی کے فیصلوں کا نفاذ کرائے۔ ایک دستہ فوج بھی اسکے پاس ہوتی تھی جو پولیس کی طرز پہ کام کرتی تھی۔

۲۔ منصف اعلیٰ

منصف اعلیٰ مالی مقدمات، مال گذاری، لگان وغیرہ کے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔

۳۔ قاضی اعلیٰ

قاضی اعلیٰ اپنے علاقے میں امن وامان قائم رکھنے کا ذمہ دار ہوتا تھا اور اس کیلئے

مختلف فیصلے کرتا تھا۔شیر شاہ کے انتظامی شعبہ میں ''سرکار'' صوبہ یا ضلع اور پرگنہ تحصیل کے برابر ہوتا تھا۔شیر شاہ نے زمینوں کی باقاعدہ پیمائش کی۔ نئے زمینداروں میں زمین تقسیم کی اور بہت سے پٹھانوں اور راجپوتوں کو بنگال لا کر آباد کیا تھا۔شیر شاہ نے ایک بحری بیڑا بھی تیار کیا اور اٹک سے دہلی تک شاہراہ تعمیر کرائی۔ اس سڑک کو سونار گاؤں کی بندرگاہ سے ملا دیا گیا۔تب یہ بندرگاہ زیادہ معروف نہیں تھی تاہم اس سے سفر کی سہولت فراہم ہوگئی۔اس دور میں راہزنی ایک عام وبا تھی۔ سڑکیں برساتی نالوں کی نظر ہو جاتی تھیں۔ سڑکوں کی دیکھ بھال کا کوئی معقول بندوبست نہیں تھا۔شیر شاہ نے سڑکوں کی حفاظت کیلئے جا بجا چوکیاں بنا دیں۔جنہیں ''شیر پور'' یا ''شیر شاہ'' کہا جاتا تھا۔علاوہ ازیں اس نے ہر گاؤں کے مکھیا (منڈل) اور چودھری پر یہ فرض عائد کر دیا کہ وہ اپنے علاقے سے گذرنے والے راستوں کی نگرانی کریں اور مسافروں کے تحفظ کو یقینی بنائیں۔شیر شاہ نے بہت سے پرانے راستوں کی بھی مرمت کرائی اور انہیں قابل استعمال بنا دیا۔سڑکوں کے ساتھ سرائیں اور کنویں بھی تعمیر ہونے لگے۔ پرانے کنوؤں اور سراؤں کو بھی بہتر بنایا گیا۔

تجارت کو فروغ

اس وقت تجارت کی حالت بہت خستہ تھی۔ تاجر طرح طرح کے ٹیکسوں کے بوجھ تلے پس رہے تھے۔شیر شاہ نے اندرون ملک تجارت پر ٹیکس ختم کر دیا۔اور بیرونی ملک کیلئے محاصلات، چونگیات کی تعداد کم کر دی، اس طرح تاجروں نے سکھ کا سانس لیا اور تجارت کو بھی فروغ حاصل ہوا۔

باب ۵۲

مالوہ کی فتح

1542ء میں جب شیر شاہ بنگال سے آگرہ جا رہا تھا تو اسے شجاعت خان سے اطلاع ملی کہ قلعہ گوالیار کے محمد ابوالقاسم نے صلح کر لی ہے۔شیر شاہ نے اس اطلاع پر اپنی فوج کو گوالیا کی جانب بڑھنے کا حکم دیا۔ جب شیر شاہ کالپی پہنچا تو سنبھل کے فوجدار نے بھگوڑے مغل سردار بیرم خاں کو اس کے سامنے پیش کر دیا۔

شیر شاہ گوالیار پہنچا تو محمد ابوالقاسم بھی اس کے سامنے آ گیا۔ یہاں سے شیر شاہ نے راستہ بدل کر گاگروں کا رخ کیا۔اس طرف شیر شاہ نے اس درے پر قبضہ کر لیا جس سے مالوہ میں کمک جا سکتی تھی۔ اس دوران میں قادر شاہ اُجین کے مقام پر تھا۔اس کے بعد شیر شاہ نے سارنگ پور کا رخ کیا جو اُجین سے سو میل دور تھا۔شیر شاہ نے بلا مزاحمت سارنگ پور پر قبضہ کر لیا جس پر قادر شاہ خوف زدہ ہو کر اجین سے اپنے دارالحکومت ''مانڈو'' کی جانب بھاگ نکلا۔شیر شاہ کئی ماہ تک سارنگ پور میں مقیم رہا۔

اس دوران میں قادر شاہ کے مشیر خاص امیر سیف خاں نے اسے شیر شاہ سے مصالحت کا مشورہ دیا۔ قادر شاہ اجین واپس آ گیا اور اس نے شیر شاہ کے پاس اپنی اطاعت کا پیغام بھیج دیا۔

قادر شاہ 200 گھوڑوں کے ساتھ شیر شاہ کے پاس پہنچا اور پوری ریاست مالوہ شیر شاہ کو بطور نذرانہ پیش کر دی۔ قادر شاہ کا پہلے شجاعت خاں نے استقبال کیا اور پھر شیر شاہ نے

پر تپاک خیر مقدم کیا اور اسے گلناری خیمہ پیش کیا۔قادر شاہ نے نہایت عمدہ لب ولہجہ اور شائستگی کے ساتھ شیر شاہ سے گفتگو کر کے اس کا دل موہ لیا اور بہت جلد اس کا ہمراز دوست بن گیا۔

قادر شاہ کے پہنچنے کے بعد شیر شاہ نے اپنی فوج کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔فوج نے یہاں سے ڈیرے اٹھا لیے۔اب شیر شاہ کا رخ اُجین کی جانب تھا۔شیر شاہ کا لشکر جہاں بھی پڑاؤ کرتا حسب روایت لشکر گاہ کے اردگرد خندق اور خام مٹی سے فصیلیں کھڑی کر لی جاتی تھیں۔آج کل بھی یہی دستور ہے جہاں کہیں فوج اسکیم کیلئے جاتی ہے خیموں کے اردگرد چھوٹی چھوٹی خندق بنالی جاتی ہے جس سے کیڑے مکوڑوں اور بارش کے پانی سے بچاؤ رہتا ہے۔

اجین پہنچ کر شیر شاہ نے ایک فرمان جاری کیا کہ قادر شاہ کو لکھنوتی کا سلطان بنا دیا گیا ہے۔مالوہ کے باقی ماندہ سرداروں نے شیر شاہ کی اطاعت کا اقرار کر لیا۔ہنڈیہ اور سیونی مالوہ کا حاکم سکندر خاں میانہ تھا اس کے بیٹے معین خان نے اجین میں شیر شاہ کے پاس حاضری دی اور اپنی اطاعت کی یقین دہانی کرائی۔شیر شاہ نے اسے اپنی ملازمت میں قبول کرتے ہوئے اس کی جاگیر اس کو عطا کر دی۔

گجرات سے کم سن ولی عہد اور اس کا سرپرست دریا خاں بھی شیر شاہ کے پاس حاضر ہوئے۔شیر شاہ نے دونوں کو اجین اور سارنگ پور کا گورنر بنا دیا۔

قادر شاہ کا فرار

قادر شاہ بمعہ اپنے اہل وعیال شیر شاہی لشکر کے وسط میں خیمہ زن تھا۔شیر شاہ نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو بنگال روانہ کر دے۔قادر شاہ نے شیر شاہ سے کہا اس کے پاس بار برداری کیلئے جانور نہیں ہیں۔اس پر شیر شاہ نے اسے 100 اونٹ اور 100 خچر فراہم کر دیئے۔قادر شاہ اپنے بیوی بچوں کو الوداع کہنے کیلئے چند منزلوں تک ساتھ گیا مگر بعد ازاں وہ شیر شاہ کو جل دے کر اپنے بیوی بچوں سمیت گجرات بھاگ گیا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے توقع تھی کہ شیر شاہ اسے اپنی سلطنت پر بحال رکھے گا لیکن جب اسے لکھنوتی جیسا چھوٹا علاقہ

دیا گیا تو اس نے شیر شاہ کے چنگل سے بھاگ نکلنے کا فیصلہ کیا۔

شیر شاہ نے اس پر شجاعت خاں کو اس کی غفلت اور لاپروائی پر تنبیہ کی۔

شیر شاہ نے گجرات میں اپنا قاصد روانہ کر دیا تا کہ وہاں کے حاکم کو قادر شاہ کی حمایت سے باز رکھ سکے اور خود اس نے آگے بڑھ کر دھارا اور مانڈو پر بلا مزاحمت قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد شیر شاہ نے راجا بھوپال اور معین خان کی جاگیرداروں کا دورہ کیا۔ ہنڈیہ اور سیونی کے دورے میں شیر شاہ نے از سر نو ان جاگیروں کی پیمائش کا حکم صادر کیا۔

بیجا گڑھ کے مقام سے بیرم خاں اور ابوالقاسم بھی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ گجرات سے واپس آتے ہوئے شیر شاہی وفد نے ابوالقاسم کو دوبارہ گرفتار کر لیا۔ بیرم خاں پہاڑوں میں مارا مارا پھرتا رہا اور پھر گنواروں کے ہتھے چڑھ گیا۔

باب ۵۳

پورنمل کی حاضری

پورنمل رائے سین کا راجا تھا۔شیر شاہ نے شجاعت خاں کو اس کے ساتھ معاہدے کیلئے بھیجا۔شجاعت نے گوالیار کے سابقہ حکمران رام شاہ کو پورن مل کے پاس بھیجا۔ پورن ہوا کا رخ پہچانتا تھا۔اس نے مصالحت میں بہتری جانی۔

پورن مل نے اپنی چہیتی اور محبوب بیوی ''رتناولی'' سے مشورہ کیا اور پھر چھ ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ شیر شاہ کے پاس حاضر ہوا۔شیر شاہ نے اسے 101 گھوڑے اور قیمتی خلعتیں عطا کیں۔ پورن مل نے اپنے بھائی چاند بھوج ''چتر بھوج'' کو شیر شاہ کی خدمت میں چھوڑا اور خود واپس چلا گیا۔شیر شاہ نے مالوہ کا انتظام کرنے کے بعد وہاں سے کوچ کیا۔شیر شاہ نے حاجی خاں کو مانڈوا اور دھارا کا علاقہ دیا صدر خاں کو''مندسور'' کا حاکم مقرر کیا۔

شجاعت خاں اور خواص خاں کے ساتھ شیر شاہ نے گاگروں سے ''بھجو'' ندی کے راستے رنتھمبور کی راہ لی اور وہاں ''شیر گڑھ'' تعمیر کرایا۔

معین خان اس کی آمد سے حواس باختہ ہو گیا تاہم جلد ہی شیر شاہ نے اسے گرفتار کر لیا اور ''ہنڈیہ'' اور ''سیونی'' کی جاگیر ضبط کر لی۔

معین کا بھائی ناصر خاں ایک فوجی دستے کے ساتھ فرار ہو گیا۔اس پر شیر شاہ نے شجاعت خان کی زیر کمان فوج میں 4000 سپاہیوں کا مزید اضافہ کر کے اسے ''ہنڈیہ اور سیونی'' کی جاگیر کا حاکم مقرر کر دیا۔

باب ۵۴

راؤ مالدیو اور شیر شاہ

مالدیو چوہان نسل کی ایک سروہی راج کماری ''پدما کماری'' کا بیٹا تھا اس کے والد کا نام ''راؤ گاگا'' تھا مالدیو نے جوان ہو کر حصول اقتدار کیلئے اپنے والد کو محل کی ایک کھڑکی سے دھکا دے کر گرا دیا اور اس کی موت کو ایک حادثہ قرار دیا۔ مالدیو نے پانچ جون 1531ء کو اپنی رسم تاج پوشی کا جشن منعقد کیا۔ اس وقت اس کے والد کی وفات کو دو ماہ گذر چکے تھے۔ اور اس کے پاس جودھپور اور سوجات کے پرگنے تھے مگر اس نے گدی پر بیٹھتے ہی ارد گرد ہاتھ پاؤں پھیلانا شروع کر دیے اور سروہی و گجرات کی جانب اپنی حدود کو وسعت دے دی۔ مالدیو کے بیٹے کا نام چندرسین تھا جس کی شادی مان سنگھ دیورا کی بیٹی اونکار کنور سے ہوئی تھی۔

جب ہمایوں شیر شاہ کے لشکر کو جل دے کر بھکر پہنچا تو مالدیو نے اس کے پاس اپنا قاصد بھیج کر یہ پیش کش کی کہ کیوں نہ دونوں مل کر شیر شاہ کا مقابلہ کریں۔ اس وقت شیر شاہ کی پوزیشن خاصی نازک تھی کیوں کہ شیر شاہ بذات خود تو گور میں موجود تھا اور زیادہ تر فوج پنجاب میں مشغول تھی۔ مگر ہمایوں نے مالدیو کی پیش کش پر غور نہ کیا بلکہ ٹھٹھہ کے شاہ ہارون کے ساتھ منصوبہ بندی کرتا رہا۔ شیر شاہ کو مالدیو کے ان عزائم سے آگاہی ہو گئی تھی۔

باب ۵۵

شاہ ارغون

ہمایوں اپنے چچا یادگار ناصر کو ساتھ لے آیا۔ چچا کو بھکر کے قلعے کے محاصرہ کی کمان سونپی اور خود سہون کے قلعے کی جانب بڑھ گیا۔ شاہ ارغون نے یادگار کو لالچ دیا کہ وہ اسے بادشاہ تسلیم کر کے اپنی بیٹی کا رشتہ دے دے گا۔ یادگار اس چال میں آ گیا اس نے تمام کشتیوں پر قبضہ کر لیا تا کہ ہمایوں دریا پار نہ کر سکے اس کے بعد وہ ہمایوں کو گرفتار کرنے کا منصوبہ بنانے لگا۔ شاہ حسین ارغون ایک بہت بڑے دریائی بیڑے کے ساتھ دریائے سندھ میں اترا اور سہون کے مقام پر اس نے ہمایوں کی کشتیوں پر قبضہ کر لیا۔

دراصل ہمایوں جنوری 1541ء میں روہڑی پہنچا۔ اس نے یہاں کے فوجدار سے قلعہ خالی کر دینے کا مطالبہ کر دیا۔ قلعہ کے فوجدار نے کئی سو کشتیوں پر اشیاء خورد ونوش لاد کر ہمایوں کی جانب بھیج دیا۔ اس دوران میں ہمایوں نے شاہ حسین ارغون کو فرمان بھیجا کہ وہ فوراً اس کے پاس حاضر ہو ورنہ ٹھٹھہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔ اس پر شاہ ارغون نے سامان رسد کو راہ میں ہی ضائع کروا کے اعلان جنگ کر دیا۔ ہمایوں نے مرزا ہندال اور یادگار مرزا کو بھی اپنی مدد کیلئے بلایا مگر صورت حال بد سے بدتر ہوتی گئی۔ مرزا باہمی جھگڑوں کا شکار ہو کر ہمایوں کا ساتھ چھوڑنے کی باتیں کرنے لگے۔

شاہ حسین ارغون نے بھکر میں یادگار ناصر مرزا کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور اسے اپنی بیٹی کا رشتہ دیا اور اسے دہلی پر قبضہ کرنے کا خواب دکھایا تھا مگر جب شیر شاہ کی افواج کا دباؤ

بڑھا تو اسے بھکر خالی کرنا پڑا۔ ہمایوں ٹھٹھہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ شاہ ارغون نے اس کا مقابلہ کرنے کی حتی المقدور سعی کی مگر ناکامی اسکا مقدر بنی۔ اس نے ہمایوں کے آگے گھٹنے ٹیک دیے اور وعدہ کیا کہ وہ ہمایوں کو قندھار جانے کیلئے کشتیاں، اونٹ اور دیگر سامان رسد فراہم کرے گا۔ جولائی 1154ء میں ہمایوں سندھ سے قندھار کی جانب گامزن ہوا۔

دوسری جانب یادگار اپنے بھتیجے کو حملہ کر کے قتل کرنے کیلئے پر تول رہا تھا تا کہ اپنے ہونے والے سسر کو خوش کر سکے۔ اس کی اس حرکت سے مغل سخت ناراض ہوئے اور انھوں نے ہر قیمت پر ہمایوں کا ساتھ دینے کا ارادہ کر لیا۔ ہمایوں نے اس صورت حال میں یہی بہتر سمجھا کہ وہ اپنے چچا سے دور ہو جائے تا کہ اس کی جان لیوا ''شفقت'' سے بچ سکے۔

باب ۵۶

ہمایوں کی شادی

اس دوران ہمایوں مرزا ہندال کے استاد اور منظور نظر بابا دوست کی ایک چودہ سالہ بیٹی پر عاشق ہو گیا اور اس نے اس کے ساتھ شادی کرنے کا اعلان کر دیا اس چیز سے پورے خاندان میں ہلچل مچ گئی۔ ہندال ہمایوں کا ساتھ چھوڑ کر قندھار کی جانب چل نکلا۔ ہمایوں نے چودہ سالہ حمیدہ بانو سے نکاح کر لیا۔ اس وقت ہمایوں کی عمر خاصی زیادہ تھی۔ اس شادی کا اشارہ بقول اس کے اسے جواب میں دیا گیا تھا۔

کتاب ''تاریخ جہلم'' میں ہے:

''اس دورِ جلاوطنی کے آغاز میں اس کے بھائی ہندال مرزا نے اپنے پرانے ملازم کی کم سن بیٹی حمیدہ بانو سے عقد کرنے کی وجہ سے اس سے قطع تعلق کر لیا۔ حمیدہ بانو کی عمر اس وقت صرف 14 برس تھی اور اسی کے بطن سے اکبر پیدا ہوا تھا جسے اس کے چچا عسکری نے مستونگ کے مقام سے اغوا کر لیا تھا اس وقت ہمایوں کے ساتھ صرف 42 آدمی تھے اور اس کی پرورش عسکری کی بیوی گلناز بانو نے کی تھی۔''

{تاریخ جہلم، انجم سلطان شہباز}

حمیدہ بانو

ہمایوں کی زندگی میں کئی عورتیں آئیں مگر جس قدر پر جوش اور جذباتی پیار اسے کمسن حمیدہ بانو سے ہوا اور کسی سے نہیں ہوا تھا پھر شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی رہی ہو کہ اسے کسی بزرگ نے بتایا تھا کہ اس کی شادی ایک کمسن لڑکی سے ہوگی جس کے بطن سے اس کا جانشین پیدا ہوگا۔ ہمایوں کو اس پیشن گوئی پر پورا یقین تھا اور پھر ہوا بھی ایسے ہی کہ غریب الوطنی اور صحرا نشینی کے اس دور میں ''جلال الدین اکبر'' پیدا ہوا جسے بعد ازاں اس کا چچا ہندال مرزا اٹھا لے گیا۔

حمیدہ بانو نے اس مشکل دور میں ہمایوں کو بہت سہارا دیا اور اسے جدوجہد جاری رکھنے پر آمادہ کیا۔ ہمایوں نے یہاں سے اوچہ شریف کا رخ کیا مگر اس وقت تک وہاں بھی ہوا کا رخ بدل چکا تھا اور اس کا سابقہ ''خانخاناں'' بخشولنگاہ گرگٹ کی طرح رنگ بدل چکا تھا۔ اس نے ہمایوں کی مدد تو کجا سامان رسد تک دینے سے انکار کر دیا۔ ہمایوں وقت کی اس تبدیلی سے سخت دل گرفتہ ہوا اور اس نے اپنے لشکر کو مشرق کی جانب کوچ کا حکم دیا۔ اب ہمایوں سندھ کے ریگستانوں میں سے مارواڑ پہنچ کر اپنی قسمت آزمانہ چاہتا تھا۔ کئی روز تک ہمایوں کا کارواں صحرا کے بگولوں میں چکر کھاتا رہا اور بے شمار تکالیف کے بعد اتفاقیہ طور پر ڈیراول (دلاور) کے قلعے کے سامنے پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ صحرائی سفر کے دوران کئی موقعوں پر اپنی بھوک مٹانے کیلئے انھوں نے جنگلی بیر کھائے۔ غالباً 1542ء کو شہنشاہ ڈیراول کے سامنے پہنچا۔ یہ قلعہ مالدیو کی حدود میں تھا۔ ہمایوں کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ اس قلعے پر قبضہ کر کے یہاں پر ہی رہائش اختیار کر لی جائے۔

ہمایوں نے اس تجویز کو مسترد کر دیا کیوں کہ اس طرح مالدیو بھی جو ان کی آخری امید تھا برہم ہو کر ان کے خلاف ہو جاتا۔ چند روز ڈیراول کے سامنے آرام کرنے کے بعد ہمایوں ''پھلودی'' کی طرف بڑھا۔ اور راہ میں جیسلمیر کے علاقے میں ''برسال پور'' کے نزدیک ایک تالاب اور ندی کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ اس مقام پر ہمایوں 15 جولائی 1542ء میں اترا۔ یہاں سے کاروان ہمایوں پھلودی میں داخل ہوگیا جو مقام پوکھرن سے بیس میل بطرف

شمال مشرق اور جودھپور سے 15 میل شمال کی جانب واقع تھا۔ اگست 1542ء کے پہلے ہفتے میں مالدیو نے بادشاہ کے شاندار استقبال کیلئے اپنے امرا کو بھیجا جنہوں نے اسے نقرئی مہریں اور ''بیکانیر'' کا نذرانہ پیش کیا۔ ہمایوں نے اتکہ خاں کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ خود اس کے پاس حاضر ہو مگر اس سے پہلے کہ مالدیو کوئی حکمت عملی وضع کرسکتا یہ اطلاع مالدیو اور ہمایوں کے سروں پر بم بن کر گری کہ ''شیر شاہ اپنے لشکر کے ساتھ جودھپور کے بالکل نزدیک پہنچ چکا ہے۔''

گذشتہ برس تو مالدیو کے پاس بیس ہزار سپاہی تھے اور وہ ہمایوں کے ساتھ مل کر شیر شاہ کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار تھا مگر اب صورتحال یکسر بدل چکی تھی۔ شیر شاہ نے لاکھی جنگل سے شر پسند عناصر کا خاتمہ کر کے اس بات کو یقینی بنا لیا تھا کہ اگر مغل راجپوتوں کے ساتھ مل کر پیش قدمی کرنا چاہیں تو انھیں ناگور کے مقام پر ہی روک لیا جائے۔ اس حکمت عملی کے تحت ساون کے موسم میں شیر شاہ نے اپنی فوج کو شیخاوٹی کے علاقے میں داخل کر دیا اور عین اس وقت جب ہمایوں ''پھلودی'' کے نزدیک پہنچا تو اس وقت ناگور پر شیر شاہ نے قبضہ کر لیا تھا۔ ہمایوں نے اپنے ایک سفیر کو ناگور بھیجا تھا مگر جب یہ سفیر ناگور پہنچا تو وہاں شیر شاہ کے نام کے ڈنکے بج رہے تھے۔ شیر شاہ نے مالدیو کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ ہمایوں کو گرفتار کر کے شیر شاہ کے سامنے پیش کر دے تو اسے اس خدمت کے صلے میں ایک بڑی جاگیر بطور انعام دی جائے گی۔ اس وقت مالدیو کی فوج چتوڑ سے لے کر گجرات اور جیسلمیر تک مختلف مقامات پر تعینات تھی۔ اس صورتحال میں مالدیو سخت مضطرب تھا۔ وہ ہمایوں سے ملاقات کیلئے بھی نہیں گیا۔ ہمایوں مالدیو سے بدظن ہوتا جا رہا تھا اسی دوران میں اسے اپنے سفیر سرخ شاہ کا خط ملا جو مالدیو کے پاس تھا اس نے لکھا تھا:

''جہاں کہیں بھی آپ مقیم ہوں وہاں سے فوراً ہی کوچ کر دیں۔ مالدیو کا ارادہ آپ کو قید کرنے کا ہے۔ اس کے وعدہ پر کوئی اعتبار نہ کیجیے۔ یہاں شیر شاہ کا خط لے کر ایک سفیر آیا تھا جس میں مالدیو کو یہ لکھا گیا تھا کہ جس طرح سے بھی ہو سکے آپ بادشاہ کو قید کر لیں۔ میں آپ کو

نا گور اور جو بھی علاقہ آپ چاہیں آپ کو دیدوں گا''

اسی دوران میں اتکہ خان بھی ہمایوں کی جانب دوڑا۔ مالدیو نے موقع غنیمت جانا اور اپنے سپاہی اس کے تعاقب میں بھیجے۔ جونہی سفیر ہمایوں کے کیمپ میں پہنچا ہمایوں نے یہاں سے رخت سفر باندھ لیا۔ بدنصیب ہمایوں کی اس کیفیت کو جوہر نے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ایک روز صبح کو دکھائی پڑا کہ دشمن کے تین دستے جن میں سے ہر دستہ میں تقریباً 500 سوار تھے ہمارے پیچھے آ رہے ہیں۔ تمام سامان گھوڑوں کی پشت پر سے اتار کر اونٹوں پر لا دیا گیا۔ اور پیادہ سپاہیوں کو گھوڑوں پر بٹھا دیا گیا لیکن ان کی تعداد صرف سولہ تھی۔ اعلیٰ حضرت کے پاس گھوڑا نہیں تھا۔ شیخ علی صرف، پیادوں کو لے کر دشمن کے خلاف آگے بڑھا۔ جب یہ لوگ دشمن کے نزدیک پہنچے انھوں نے اپنے ترکش سے تیروں کی بوچھاڑ کی جس سے دشمن کے دو سپاہی زخمی ہو گئے اور گھوڑوں سے گر پڑے۔ باقی ماندہ فوج تتر بتر ہو گئی۔''

اس کے بعد ہمایوں نہایت سرعت سے پھلودی ساتل اور پوکھران کے راستے جیسلمیر کی جانب چلا گیا۔ تاکہ شیر شاہ کے ''پنجے'' اور مالدیو کے ''ڈنگ'' سے محفوظ ہو جائے۔ دراصل اب مالدیو جو کچھ بھی کر رہا تھا وہ سیاسی مصلحت کی بنا پر کر رہا تھا۔

جیسلمیر میں مغلوں نے گائے ذبح کر کے اس کا گوشت کھایا، اس واقعہ سے ہندو بپھر گئے اور انھوں نے ہمایوں کے سامنے مصائب کے پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ اس وقت حمیدہ بانو امید سے تھی اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا اس کیلئے سہل نہیں تھا۔ ہمایوں کے ساتھی بھی اب اس مسلسل دشت نوردی سے اکتا چکے تھے اور ہمایوں کے ساتھ ان کا رویہ معقول نہیں رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب ہمایوں کو گھوڑے کی ضرورت پڑی تو انھوں نے گھوڑا فراہم کرنے میں بھی پہلوتہی کی اور لیت و لعل سے کام لیا۔

جیسلمیر کے راجا کا حسن سلوک

اس کڑے وقت میں راجا راول لون کو ان پر ترس آیا۔ اس نے اپنے بیٹے کنور مالدیو اور بھائی کو صلح کا پرچم دے کر روانہ کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب ہمایوں اور اس کے ساتھی تین دنوں سے پیاسے سفر کر رہے تھے ذرا تصور کریں کہ ان کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ ابوالفضل نے لکھا ہے:

> ''بیچاری حمیدہ بیگم کئی ماہ کی حاملہ تھی۔ یہ قدرت کا ایک کرشمہ ہی تھا کہ وہ اسقاط سے بچ گئی۔ تین روز تک یہ لوگ بنا پانی کے سفر کرتے رہے۔ انجام کار جیسلمیر کے راول لون کرن کو ان پر رحم آیا۔ اس نے اپنے لڑکے کنور مالدیو بھٹی (جیتسی ہوت) کو صلح کا جھنڈا ہاتھ میں دے کر بھیجا تا کہ خستہ حال مفرورین بلا مزاحمت کے امر کوٹ تک پہنچ سکیں۔''

باب ۵۷

ہمایوں امر کوٹ میں

بال آخر یہ خستہ حال کارواں ''امرکوٹ'' کے مقام پر پہنچا جس کا پرانا نام ''عمرکوٹ'' تھا اور یہاں پہ پرمار راجپوتوں کی شاخ ''سوڈا'' کے لوگ آباد تھے۔ انھوں نے ہمایوں کا خیر مقدم بڑی گرم جوشی سے کیا۔

عباس خان سروانی نے لکھا ہے:

''مارواڑ سے بھاگ کر ہمایوں اگست 1543ء کے آخری ہفتہ میں امر کوٹ پہنچ گیا تھا۔ وہاں امرکوٹ کے سوڈا سردار کی مدد سے اس نے راجپوت اور جاٹوں کی ایک کثیر تعداد فوج فراہم کر لی اور اسی سال کے ماہِ اکتوبر میں وہ ٹھٹھہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ شاہ حسین ارغون کی فوج کو شکست دے کر وہ ''جن'' پہنچ گیا۔ یہ مقام امرکوٹ سے جنوب مغرب میں 75 میل اور ٹھٹھہ سے شمال مشرق میں 50 میل ہے۔ اس وقت شاہ حسین ارغون مغلوں کو ہرا کر بھکّر میں جشن منا رہا تھا۔ اس نے یادگار ناصر مرزا کو دلفریب خواب دکھا کر ہمایوں سے توڑ لیا تھا۔ اس کو اپنی لڑکی سے شادی کرنے اور اپنے ہونے والے خسر کی مدد سے دہلی کے تخت کو دوبارہ حاصل کرنے کا لالچ بھی دیا تھا۔ مگر انجام کار یہ وعدہ وعید خواب سے بہتر ثابت نہ ہوئے اور وہ مجبور ہو کر قندھار کی جانب بھاگ

گیا۔ اب شاہ حسین کا صدر مقام خطرہ کی زد میں آ گیا تھا۔ اس احساس نے اسے حواس باختہ کر دیا۔ وہ فوراً محمود بھکری کو لے کر تیزی سے ٹھٹھہ کی جانب روانہ ہوا اور قلعہ کو غیر محفوظ چھوڑ دیا۔ جنگ کے باوجود سندھ کا فرماں روا ہمایوں سے ''جن'' واپس نہ لے سکا اور اسے صلح کرنے کیلئے ہمایوں کی یہ شرط منظور کرنی پڑی کہ شاہ ہمایوں کو ''جن'' سے قندھار تک کے سفر (جولائی 1543ء) کیلئے کشتیاں، اونٹ اور رسد مہیّا کرے گا اور یہ سفر سیبی کے راستہ ہو گا۔ اس طرح شاہ حسین نے ٹھٹھہ کو تو ہمایوں کے پنجہ سے بچا لیا لیکن اسی اثنا میں بھکر اور سندھ کے اوپری حصوں پر افغانوں کا قبضہ ہو گیا۔''

اکبر کی پیدائش

نومبر 1542ء میں امر کوٹ کے قلعے میں حمیدہ بانو نے اکبر کو جنم دیا۔ اکبر مغلیہ سلطنت کا ایک قابل حکمران ثابت ہوا جس نے مغلوں کے زوال پذیر اقتدار کو اوج بام تک پہنچا دیا۔

مسٹر کالکا رنجن نے لکھا ہے:

''امر کوٹ جس کا زیادہ صحیح نام عمر کوٹ ہے پر مار قبیلہ کی سوڈا شاخ کا صدر مقام تھا۔ بہادر سوڈا راجپوتوں نے ہمایوں کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ وہ کسی سے بھی نہیں ڈرتے تھے۔ خواہ وہ مالدیو ہو خواہ شیر شاہ، اسی عمر کوٹ کے قلعہ میں نومبر 1542ء کو حمیدہ بانو کے بطن سے اکبر پیدا ہوا۔ شاید ہند کی قرونِ وسطیٰ کی تاریخ میں اس سے سعید وقت اور واقعہ کوئی دوسرا نہ ہو گا۔''

شیر شاہ ہمایوں کے چلے جانے کے بعد واپس چلا آیا اس نے مالدیو سے کوئی تعرض

نہ کیا البتہ جن علاقوں کو فتح کر لیا تھا ان پہ اپنا قبضہ برقرار رکھا۔

مالوہ کی شورش

شیر شاہ نے مالوہ کے پرانے حکمرانوں کو اس علاقے سے دوسرے علاقوں میں منتقل کر دیا تھا نیز قادر شاہ کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا اس پر بہت سے امراء کو اعتراض تھا۔ اس لئے جب جون 1542ء میں شیر شاہ یہاں سے راجپوتانہ کی طرف گیا تو مالوہ میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور ہر طرف شورش پھیل گئی۔

شجاعت خان کی شجاعت

شیر شاہ نے معین خان کو گرفتار کرنے کے بعد شجاعت خان کو ہنڈیہ اور سیونی کا فوجدار بنا دیا تھا۔ معین خان کے بھائی ناصر خان نے 6000 گھوڑے اور 200 ہاتھیوں کے ساتھ شجاعت خان کا سامنا کیا۔ ناصر خاں اور شجاعت خاں کے درمیان نیل گڑھ (گونڈوانہ) کے مقام پر ایک خونریز جھڑپ ہوئی۔ ناصر خاں اور اس کے جنگجوؤں نے عہد کر رکھا تھا کہ وہ اس جنگ میں شجاعت خاں کو گرفتار کر کے یرغمال بنالیں گے اور جب شیر شاہ، معین خان کو آزاد کرے گا وہ شجاعت خان کو چھوڑ دیں گے۔

تین سپاہیوں نے شجاعت خان کو گھیر لیا، ایک سپاہی نے کٹار سے اس کی گردن پر چرکہ لگایا اور ایک نے اس کے نتھنے بھالے سے چھید دیئے۔ شجاعت خان کے سامنے کے دانت بھی ایک وار کے نتیجے میں ٹوٹ گئے۔ ایک سپاہی نے شجاعت خان کے لمبے بال گرفت میں لے کر اسے کھینچنا شروع کر دیا۔

شجاعت خان نے تلوار کے ایک وار سے اس کے ہاتھ کاٹ کر اپنے آپ کو اس کی گرفت سے آزاد کرا لیا۔ دوسرا سوار مجاز خان اور تیسرا مبارک خان کے ہاتھوں مارا گیا۔ شجاعت خان نے علم اٹھا کر بلند کر دیا۔ علم دیکھ کر اس کی فوج میں ایک نیا جوش پیدا ہو گیا

اور انہوں نے بھرپور حملہ کر کے اپنی شکست کو فتح میں بدل دیا۔

اس وقت ملو خاں عرف قادر شاہ بھی شیر شاہ سے جنگ کی تیاریاں میں تھا۔ وہ ناصر خاں کی مدد سے شیر شاہی لشکر پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر ناصر خاں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ ابھی شجاعت خان کے زخم اچھی طرح مندمل بھی نہیں ہونے پائے تھے کہ حاجی خاں نے بانس واڑہ کی جانب سے قادر خاں کے حملہ آور ہونے کی اطلاع دی۔

شجاعت خاں رات کو ہی حاجی خاں کے پاس جا پہنچا اور شب خون مار کے قادر خاں کو شکست دے کر گجرات کی جانب بھگا دیا۔ یہ واقعہ ''دھار'' کے نزدیک پیش آیا۔ لڑائی ''چولی مہیشور'' کے مقام پر ہوئی۔ اس وقت قادر کو عالم خاں کی حمایت بھی حاصل تھی۔

ملو خاں کا حربی منصوبہ

ملو خاں (قادر شاہ) وجے گڑھ سے شمال کی جانب پیش قدمی کر رہا تھا۔ حاجی خاں نے وجے گڑھ اور نربدا کے درمیان فوج لگا کر ملو خاں کو روک لیا اور کمک کیلئے شجاعت خان کو خط لکھ دیا جو 150 گھڑسواروں کے ساتھ رات کی تاریکی میں وہاں جا پہنچا۔ جب ''چولی مہیشور'' کے مقام پر ملو خاں کی فوج سے ٹکراؤ ہوا تو ملو خاں کو وجے گڑھ کے راستے ''خاندیش'' کی جانب بھاگنا پڑا۔ اس کے بعد تاریخ ملو خاں کے بارے میں خاموش ہو گئی۔

جب شیر شاہ نے شجاعت خاں اور حاجی خاں کی یہ کارکردگی دیکھی تو اس نے ان دونوں کو بارہ ہزاری منصب عطا کر دیا۔

باب ۵۸

شیر شاہ اور پورن مل

شیر شاہ ستمبر 1542ء میں مارواڑ سے آگرہ پہنچا جہاں اس نے ایک ماہ تک آرام کیا اور اس کے بعد راجپوتانہ کے راستے ''مالوہ'' کی جانب بڑھا۔ اس وقت مالوہ میں پھر شورش سر اٹھا رہی تھیں۔ مالوہ میں شیر شاہ نے مزید اصلاحات کیں اور پھر ''چندیری'' کی راہ سے ''مہار'' کے مقام پر پہنچا۔ جلال خاں کو حکم دیا گیا کہ وہ پورنمل کے علاقوں پر قبضہ کر لے۔ اگرچہ پورنمل کا بھائی ''چتر بھوج'' شیر شاہ کے پاس اس کی خدمت میں تھا۔ پورنمل نے شجاعت خاں کی ناصر خاں کے مقابلے میں کوئی مدد نہیں کی تھی۔ اس سے شیر شاہ کا بپھر جانا قرین قیاس ہے۔

چندیری کی فتح

چندیری کا علاقہ پورنمل کو دے دیا گیا تھا مگر بعد کے حالات میں جلال خاں کو اس کا محاصرہ کرنا پڑا۔ یہ محاصرہ جنوری 1543 میں شروع ہوا۔ آخر کار چندیری کا قلعہ سرنگوں ہو گیا اس کے بعد رائے سین کے قلعے کی جانب پیش قدمی کی گئی۔

قلعہ رائے سین کی فتح

چندیری کے راجپوتوں نے بڑی بہادری سے مزاحمت کی تھی۔ جلال خاں کو بھیلہ

اور چندیری کا درمیانی علاقہ فتح کرنے میں تین ماہ لگ گئے تھے۔ اس کے بعد رائے سین کا قلعہ تھا۔

رائے سین کا قلعہ بھیلسہ سے بطرف جنوب 14 میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ قلعہ ایک ندی ''بہیتوا'' کے کنارے پر تھا۔ یہ قلعہ وندھیاچل پہاڑ سے الگ ایک پہاڑ پر واقع تھا۔ شمال اور جنوب کی جانب دو برساتی ندیاں اسے باقی پہاڑی سلسلے سے کاٹ دیتی تھیں۔ اس قلعے کے ایک جانب ایک ستواں چٹان تھی جو 1760 فٹ تک بلند ہے یہ چٹان بھی ایک نا قابل عبور فصیل کا کام دیتی تھی۔ آج کل یہ قلعہ بھی کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے۔ دفاعی لحاظ سے یہ قلعہ روہتاس (جہلم) کے مشابہ تھا جس کے سامنے ٹلہ جوگیاں اور اطراف میں ''گھان'' اور ''پرنالہ'' کے برساتی نالے ہیں۔ رائے سین کے قلعے کا محاصرہ ممکن نہیں تھا البتہ اس کی طرف جانے والے راستوں کو ناکہ بندی کی جا سکتی تھی۔

شیر شاہ کی آمد

اپریل 1544ء میں شیر شاہ نے اس قلعہ کے محاصرہ کی کمان خود سنبھال لی۔

شیر شاہ نے بھاری بھرکم توپیں ایک بلند مقام پر نصب کرادیں اور قلعے پر مسلسل گولہ باری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اردگرد سے پیتل اور تانبہ منگوایا گیا یہاں تک کہ شاہی لنگر خانہ کی دیگوں اور چمچوں کو بھی گولوں میں ڈھال دیا گیا۔ اس مسلسل گولہ باری سے تنگ آ کر پورن مل نے صلح کی پیشکش کر دی۔ برسات کا موسم سر پہ تھا۔ اس لئے شیر شاہ نے بھی پورن مل کی شرائط تسلیم کر لیں۔ پورن مل نے کہا کہ شیر شاہ راجپوتوں کو ان کے اہل وعیال سمیت بحفاظت یہاں سے جانے دے گا اور پورن مل یہ قلعہ خالی کر دے گا۔

شیر شاہ نے افغان لشکر کو ایک طرف ہٹا لیا تا کہ راجپوت وہاں سے نکل سکیں۔ یہ راجپوت گونڈوانہ کے جنگل میں روپوش ہونا چاہتے تھے۔

پورنمل کا انجام

پورنمل اور اس کے ہمراہی 4000 راجپوتوں کو افغانوں نے موت کی نیند سلا دیا تھا۔ یہ واقعہ مختلف روایات کے الجھاؤ میں الجھ چکا ہے۔ ان مختلف روایات کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ شیر شاہ نے افغانوں کو پیچھے ہٹا لیا اور راجپوت قلعے سے نکل کر اسی مقام پر خیمہ زن ہو گئے جہاں افغانی کیمپ تھا۔

۲۔ شیر شاہ قلعے میں داخل ہوتے ہی علیل پڑ گیا۔ اس نے خواص خاں، قطب خاں، جلال خاں بن جلو اور ڈوڈا میانہ کو راجپوتوں کو گھیر کر تہ تیغ کر دینے کا حکم دیا۔

۳۔ قطب خاں اس ہولناک واقعہ سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے درویشی اختیار کر لی۔

۴۔ عیسیٰ خان کی کمان میں ایک دستے نے راجپوتوں کا تعاقب کیا۔ راجپوت 12 گھنٹے پہلے روانہ ہوئے تھے انھیں عیسیٰ خان نے ایک منزل دور جا لیا۔ راجپوتوں نے مقابلے کی ٹھان لی اور افغانوں سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔

۵۔ شیخ رفیع الدین نے شیخ خلیل اور دیگر مسلمانوں کے مشورے پر راجپوتوں کے قتل عام کا فتویٰ دے دیا۔

۶۔ اس قتل عام سے بچ جانے والے جوان اور دوشیزاؤں کو خانہ بدوشوں کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر دیا گیا۔

۷۔ مسلمانوں میں یہ بات پھیلی ہوئی تھی کہ راجپوت پورنمل کے حرم میں دو ہزار کے لگ بھگ مسلمان بیویاں یا کنیزیں بھی ہیں جو اس نے زبردستی اپنے حرم میں ڈال رکھی ہیں۔

۸۔ افغانوں نے اس بات پر اشتعال میں آ کر راجپوتوں پہ حملہ کر دیا اور انھیں چن چن کر مار دیا۔

۹۔ پورنمل نے اپنی بیویوں کو تلوار سے خود ہی مار ڈالا اور پھر خود بھی لڑتے ہوئے مارا گیا۔

ان بیانات کی روشنی میں کسی قسم کی حتمی رائے قائم کرنا ممکن نہیں۔

بہر حال رائے سین کا قلعہ شیر شاہ کے ہاتھ لگا اور راجا پورنمل کو معہ 4000 راجپوتوں کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس جھڑپ میں بہت سے افغان بھی مارے گئے کیوں کہ راجپوت جان توڑ کر مقابلہ کر رہے تھے۔

رائے سین کا انتظام

رائے سین پر جون 1543ء میں قبضہ ہو گیا تھا شیر شاہ نے شہباز خاں بن یوسف خاں اچاخیل کو ایک مضبوط فوج کے ساتھ اس قلعہ کا نگران مقرر کیا اور آگرہ واپس چلا گیا۔

باب ۵۹

مالدیو کے خلاف مارواڑ کی مہم

آگرہ قیام کے دوران شیر شاہ نے وسیع پیمانے پر جنگی تیاری کی۔ 80,000 گھڑ سوار، پیارے سے، توپ خانہ، جنگی ہاتھی اور اونٹ مارواڑ کی مہم کیلئے فراہم کر لیے گئے۔ مالدیو نے بھی اس وقت تک بھرپور جنگی تیار کر لی تھی اور اس کے علم تلے 50,000 راجپوت شیر شاہی لشکر سے ٹکرانے کیلئے تیار کھڑے تھے۔

1543ء کے موسم برسات میں شیر شاہ سیر وشکار کیلئے دہلی اور آگرہ کے درمیان مختلف جگہوں پر کیمپ لگاتا رہا۔ اسی دوران میں گڑگاؤں کے ''پالی اور پاکھال'' گوجروں سے بھی معرکہ آرائی ہوئی جو نہایت دلاور تھے۔ ستمبر میں شیر شاہ ''شیر منڈل'' دیکھنے کیلئے گیا جو نئے شہر میں تھا۔ اس کے بعد وہ ہریانہ میں ''نارنول'' چلا گیا جو اس کا آبائی قصبہ تھا۔

اس اثنا میں ہیبت خاں نیازی نے شمالی سندھ پر تسلط قائم کر لیا تھا اور بھکّر کا قلعہ بھی فتح کر لیا تھا۔ 1543ء کے دوسرے نصف میں مالدیو شیر شاہ کے حیطہ تصرف سے گھر گیا تو مارواڑ کی طاقت میں نسبتاً کچھ کمی آ گئی کیوں کہ اب وہ اکیلا ہو گیا تھا۔ بہر حال دہلی کا شیر شاہ اور مارواڑ کا ناقابل تسخیر سورما ایک عرصہ تک بلا جنگ وجدل نہیں رہ سکتے تھے۔ شیر شاہ کا آگرہ میں قیام اور وہاں سے اس کی فوج کی نقل وحرکت کو مالدیو کو دھوکہ دینے کی محض ایک ترکیب تھی جس کا کہ بالآخر مالدیو کو سامنا کرنا پڑا۔

1543ء کی برسات میں شیر شاہ کی فوجی نقل وحرکت نے مالدیو کو شیر شاہ کے ارادوں

کے متعلق حیران کر دیا۔

مخزن میں لکھا ہے:

''بظاہر شیر شاہ سیر و شکار کی دل بستگی میں محو رہا اور دہلی و آگرہ کے درمیان گھومتا رہا۔ سیر و شکار کے اس دور میں ایک مرتبہ شیر شاہ کا مقابلہ گورگاؤں کے سرکش و بدنام گوجر ڈاکوؤں سے ہوا۔ یہ گوجر دہلی سے تقریباً 18 میل 'پالی پاکھل'' کے ویران پہاڑی علاقوں میں آباد تھے۔ ستمبر 1543ء میں شیر شاہ دہلی کے نئے شہر اور اس کے اندر کی عمارتیں مثلاً شیر شاہ منڈل جو اب 3 سال کے عرصہ میں مکمل ہونے والی تھیں دیکھنے آیا۔ اس مرتبہ شیر شاہ اپنے سیر و شکار میں ہریانہ کے اندر نارنول تک چلا آیا۔ نارنول شہر اس کا آبائی مسکن تھا۔ وہاں اس نے جد امجد ابراہیم کی قبر پر ایک مقبرہ و قلعہ بنوانا شروع کیا تھا۔ میاں ابراہیم کی وفات کے وقت شیر شاہ محض ایک طفل نو زائیدہ تھا۔ شیر شاہ ذی فہم و دانش مند تھا اور بلبن کی طرح بظاہر مصروف رہتے ہوئے بھی امورِ سلطنت کی طرف سے غافل نہیں رہتا تھا۔ دفعتہً 1543ء کی خزاں میں (مطابق 950ھ) دہلی کی بے شمار فوج شیخاوٹی کے علاقہ سے ہوتی ہوئی نارنول کی جانب سے مالدیو کے علاقہ میں دریا کے سیلاب کی طرح ٹوٹ پڑی۔ مالدیو کے سپہ سالار گوپا نے یہ تشویش ناک خبر اپنے آقا کو جودھ پور بھیجی۔ جو وہاں سے 130 میل دور تھا۔''

{تاریخ خان جہان و مخزن افغانی نعمت اللہ بن خواجہ حبیب اللہ ہراتی}

فتح پور جھُن جھنوں سے شیر شاہ مغربی سمت بیکانیر کی طرف چل دیا۔ یہ فعل گوپا کو دھوکا دینے کیلئے تھا۔ شیر شاہ کو بیکانیر پہنچ کر اپنا ایک فرض بھی پورا کرنا تھا۔ جس سے اس کو خود بھی تقویت ملتی۔ بیکانیر کے سابق وارث شہزادہ کلیان مل اور اس کے بھائی بھیم کو جو بھاگ کر اس

کی پناہ میں آ گئے تھے ان کا تخت و تاج واپس دلانا تھا۔ یہ کام بہت آسان تھا۔ مالدیو نے پہلے سوچا کہ وہ شیر شاہ کی فوج کو میروار کی پہاڑیوں میں جو اجمیر کی طرف جاتی ہیں اور جنگلات سے ڈھکی ہوئی ہیں گھیر لے گا۔ لیکن جب اس کو یہ خبر ملی کہ شیر شاہ فتح پور جھُن جھنوں کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس کو اپنی چال نہایت ہی نا قابل عمل معلوم ہوئی۔ شیر شاہ نے اپنی گذشتہ سال والی حربی چال سے پھر کام لیا۔ لیکن اب اس کا پیمانہ نہایت ہی خوفناک تھا۔ اس نے مالدیو کے سب سے زیادہ خطرناک مقامات پر چوٹ کی۔ چنانچہ مالدیو کے سامنے اب یہ مسئلہ در پیش ہوا کہ اجمیر اور جودھ پور دونوں کا بیک وقت دفاع کیسے کرے۔

مسٹر کالکا رنجن نے لکھا ہے:

''مالدیو نے پپار کو اپنا صدر مقام بنایا اور اس قصبہ کی قلعہ بندی کر لی اور اپنے لئے ایک خاص محل بھی تیار کرایا تھا۔ زمانہ حال میں پپار ایک ریلوے جنکشن ہے۔ یہ راٹھوروں سے 40 میل جنوب مشرق، جودھ پور سے 30 میل شمال مشرق اور جے تارن سے 16 میل سے بھی کم فاصلہ پر ہے۔ شیر شاہ نے میدتا کا علاقہ بیرم دیو کو دے دیا۔ جے تارن پہنچ کر اس کا آگے کا راستہ بند ہو گیا کیوں کہ 14 میل دور گری گاؤں میں راٹھور فوج مالدیو کی کمان میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی تب اس نے جے تارن کے پاس ہی سامل گاؤں میں مورچہ بندی کر لی۔ یہ دونوں فوجیں جس مقام پر خیمہ زن تھیں اس کے تین طرف مشرق کو چھوڑ کر دریائے لونی اور اس کی معاون ندیاں تھیں حالانکہ موسم سرما میں وہ دریا خشک تھا۔ اس علاقہ میں لمبی لمبی گھاس اور خشک نالے تھے۔ جن کی آڑ سے ایک دوسرے کے ساتھ معمولی جھڑپیں کرنا بہت آسان تھا۔ صورت حال یہ تھی کہ یا تو شیر شاہ اب اجمیر کی جانب بڑھے یا وہیں انتظار کرے اور مالدیو کو یہ ترغیب دے کہ وہ فوج لے کر میدانِ جنگ

میں اتر آئے۔ تاکہ جم کر لڑائی ہو اور مالدیو کا انجام رانا سانگا کی طرح
ہو جائے۔ اس نے اپنے سب سے بڑے لڑکے عادل خاں کے پاس
یہ پیغام بھیجا کہ وہ آگرہ سے فوج لے کر رنتھمبور کی جانب کوچ کرے
اور اپنی نقل و حرکت سے اس قسم کا مظاہرہ کرے۔ گویا اس کا ارادہ
جنوب مشرق میں اجمیر پر حملہ کرنے کا ہے۔''

اجمیر

اس وقت اجمیر پر ہر دو جانب سے حملہ کا خطرہ تھا۔ لہٰذا راؤ مالدیو نے یہ سوچا کہ اجمیر میں عورتوں اور بچوں کو رکھنا خلاف مصلحت ہے۔ لیکن اسے اپنی بیگم ''روٹھی رانی اوما دیوی ''اومادے'' کو اس خطرناک وقت میں اجمیر چھوڑ کر جانے کیلئے رضا مند کرنے میں کافی دقت پیش آئی۔ گڑھ بیٹلی (قدیم تاراگڑھ) قلعہ کا گورنر و محافظ بھیرو داس جساوت کا لڑکا بہادر شنکر بھٹی تھا۔ یہ قلعہ پہاڑ کی بلند ترین چوٹی پر بنا ہوا چیل کے گھونسلہ جیسا دکھائی دیتا تھا۔ اوما دیوی نے مالدیو کے محلوں سے دور اجمیر کو اپنی رہائش گاہ کیلئے پسند کیا تھا۔ اور وہ اپنی قسم کے مطابق ایک برہمچارنی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ یہ قسم اس نے اپنے حجلہ عروسی میں ہی پہلی رات کو لے لی تھی۔ عیاش مالدیو کو اس کی مرضی کے خلاف کام کرنا تو درکنار اس کے سامنے جانے کا بھی حوصلہ نہیں تھا۔ جودھ پور کا صدر بھاٹ ایشور داس ہی ایک ایسا شخص تھا جس کی بات کا اس فولادی مزاج کی عورت پر کوئی اثر ہو سکتا تھا۔ وہ چارن ایشور داس کو اپنے ساتھ اجمیر لے آئی تھی۔ مالدیو نے ایشور داس چارن کو جودھ پور سے ایک پیغام بھیجا کہ اجمیر کے قلعہ میں جتنی رسد جمع کی جاسکے اتنی کر لی جائے اور رانی کو جودھ پور آنے کیلئے سمجھایا جائے۔ لیکن مغرور رانی اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔ اس نے یہ کہا کہ اجمیر کو اس لیے چھوڑ دینا کہ یہاں حملے کا خطرہ ہے۔ راجپوتی شان کو زیب نہیں دیتا۔ اس سے میرے شوہر کے راٹھور خاندان اور میرے والد کے بھٹی خاندان کی عزت کو بٹہ لگ جائے گا۔ راؤ کو مجھ میں اتنا تو یقین رکھنا ہی چاہیے کہ میں رانا

سانگا کی چوہان بیگم کرن وتی کی طرح جوہر کی رسم ادا کروں گی یا میدانِ جنگ میں دشمنوں کی صفوں کے درمیان ایک بہادر کھشتر انی کی موت مروں گی جو ہماری شان ہے۔ راؤ مالدیو خود اجمیر آیا اور اس نے رانی سے یہ کہلا بھیجا کہ وہ اجمیر کی حفاظت کی ذمہ داری اس کے ہاتھوں میں چھوڑ دے اور خود جودھ پور کی حفاظت کرنے کیلئے وہاں چلی جائے۔ اس بات پر رانی اوما وے رضامند ہوگئی اور اپنے ساتھ چند گھوڑ سوار لے کر جودھ پور چلی گئی۔ جب وہ جودھ پور سے 15 کوس جانب مشرق کوسانہ گاؤں میں پہنچی تو اسے معلوم ہوا کہ راؤ مالدیو کی دوسری بیگمات اس کو طعنہ دے رہی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے جودھپور کے قلعہ میں جا کر پناہ لینے سے انکار کر دیا۔ اور اسی گاؤں میں ٹھہر گئی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ مالدیو نے شیر شاہ کو جے تارن میں اپنی زد میں لے لیا تھا۔ ان کا یہ بیان بھی صحیح ہوسکتا ہے کہ افغان کیمپ کے کچھ افراد سے چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوئیں جب کہ سورِ اعظم کے اوتار (وشنو) کے غصہ ور پجاریوں سے چوٹ کھا کر شیر شاہ کے بھیڑیئے دم دبا کر بھاگ گئے۔

مالدیو کی راجدھانی پر یلغار

مسز بیورج نے لکھا ہے:

''شیر شاہ نے نارنول سے بڑی سرعت کے ساتھ مالدیو کے علاقے کا رخ کیا۔ جونہی شیر شاہ کا لشکر سرحدیں عبور کر کے آگے بڑھا، مالدیو کے سپہ سالار ''کوپا'' نے مالدیو کو یہ اطلاع روانہ کر دی جس وقت شیر شاہ نے ''فتح پور جھن جھنوں'' کی طرف پیش قدمی کی۔ یہ مقام شیخاوٹی کے دارالحکومت ''سیکر'' سے 30 میل بطرف شمال مغرب اور دیدوانہ سے بطرف مشرق 45 میل دور واقع تھا۔ ''فتح پور جھن جھنوں'' سے شیر شاہ نے مغرب کی جانب ''بیکانیر'' کا رخ کیا۔''

راؤ کلیاں مل کی دادرسی

راؤ کلیان مل اور اس کے بھائی بھیم نے شیر شاہ کے پاس پناہ لے رکھی تھی اور کلیان مل بیکانیر کے تاج وتخت کا حقیقی وارث تھا۔ جب شیر شاہ بیکانیر پہنچا تو وہاں کے باسیوں نے نہایت تپاک سے استقبال کیا اور کلیان مل کو بخوشی تخت نشین کر دیا۔

یہاں سے شیر شاہ نے ''ناگوار'' اور ''میدتا'' کا رخ کیا اس کی پیش قدمی سے انداز ہوتا تھا کہ وہ جودھپور پر حملہ کرنا چاہتا ہے، اس پیش قدمی سے گویا بھی دیدوانہ میں الگ تھلگ رہ جاتا۔ اس صورت حال میں مالدیو نے اسے دیدوانہ سے ''جے تارن'' میں پہنچنے کا حکم دیا۔ جے تارن ''اجمیر'' اور ''پپار'' کے درمیان ایک مقام ہے۔

مالدیو شیر شاہی فوج کو ''میروار'' کی پہاڑیوں میں روکنا چاہتا تھا مگر فتح پور جھن جھنوں کی جانب پیش قدمی نے اس کے اس منصوبے کو ناقابل عمل بنا دیا تھا۔ مالدیو اجمیر اور جودھپور کی بیک وقت حفاظت نہیں کرسکتا اس لیے اس نے تمام مقامات سے فوج کو ''جے تارن'' کے مقام پر جمع کرلیا۔ جے تارن جودھپور سے 50 میل بطرف مشرق اور اجمیر 40 میل بطرف مغرب واقع ہے مالدیو نے ''پپار'' کو اپنا دارالحکومت بنا کر اس کی ''قلعہ بندی'' کر لی۔

شیر شاہ نے ''میدتا'' تو بیرم دیو کے حوالے کیا مگر خود براہ راست جنگ کے لیے ''جے تارن'' جا پہنچا۔ شیر شاہ نے راٹھور فوج کے سامنے ایک گاؤں ''سامل گاؤں'' میں پڑاؤ ڈال دیا۔

شیر شاہ کا نیا حربی منصوبہ

''سامل گاؤں'' اور دشمن کے کیمپ کے تین طرف دریائے ''لونی'' اور اس کے

معاون ندی نالے تھے جو کائی، دوب اور دیگر نباتات سے ڈھکے ہوئے تھے اور ان کی آڑ میں ''گوریلا کاروائیاں'' بہت آسان تھیں۔

شیر شاہ نے اس دوران میں ایک جنگی حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگرہ میں اپنے بیٹے عادل خاں کو حکم دیا کہ وہ رتھنمبور کی جانب پیش قدمی کرے اور اپنے انداز سے یہ تاثر دے کہ وہ اجمیر پر ''بھرپور حملہ'' کرنا چاہتا ہے۔ اب مالدیو کو اجمیر دو طرف سے گھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے اجمیر سے خواتین اور بچوں کو کسی محفوظ مقام تک پہنچانے کا ارادہ کیا۔ تاہم ''اومادیوی'' جو شادی کی پہلی شب ہی سے مالدیو سے اس وقت ناراض ہو گئی تھی جب اس نے بستر عروسی پر ایک کنیز کے ساتھ مباشرت کی تھی۔ اومادیوی کو اجمیر چھوڑنے کیلئے مشکل سے راضی کیا گیا۔

اومادیوی

اومادیوی کسی بھی طرح اجمیر چھوڑنے کیلئے تیار نہیں تھی یہ فعل اس کے نزدیک آبائی اور خاندانی ''آن بان'' کے خلاف تھا۔ مالدیو نے ''چارن ایشورداس'' کو کہا کہ وہ رانی کو اجمیر چھوڑ دینے پر رضامند کرے۔ ایشورداس کو رانی جودھپور سے اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ اس کے کہنے پر رانی نے جواب دیا کہ وہ بھی اس کے سپاہیوں کی طرح رزم گاہ میں لڑتے لڑتے جان دے دے گی۔

اس پر مالدیو اجمیر آیا اور اس نے کہا کہ وہ اجمیر کی حفاظت کرے گا اور اومادیوی کو جودھپور کی حفاظت کیلئے وہاں چلے جانا چاہیے۔ یہ بات اومادیوی نے مان لی اور گھڑسواروں کی معیت میں جودھپور کی طرف بڑھی۔ ابھی وہ اس سے کچھ فاصلے پر ''کوسانہ گاؤں'' میں پہنچی تو اسے علم ہوا مالدیو کی دیگر بیویاں اس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بنا رہی ہیں اور انھوں نے اسے طنز کا نشانہ بنا رکھا ہے اس وجہ سے اومادیوی اسی گاؤں میں ٹھہر گئی اور اس نے قلعہ میں جانے سے انکار کر دیا۔

شیر شاہی لشکر کے مسائل

شیر شاہ دشمن کے علاقے میں 260 میل تک اندر گھس آیا تھا۔ اور اب ایک ماہ سے دونوں افواج آمنے سامنے تھیں۔ دشمن شیر شاہ کو اس کے دفاعی حصار سے باہر نکالنا چاہتا تھا اور خود مزے سے بیٹھا ہوا تھا جبکہ شیر شاہ کو سامان رسد کی ترسیل میں خاصی دشواریاں پیش آ رہی تھیں۔

سامل کی لڑائی

ایک کہر آلود صبح کو راجپوت سالاروں ''جیتا'' اور ''گوپا'' نے شیر شاہ کے لشکر پر حملہ بول دیا۔ راجپوتوں اور افغانوں کے توپ خانے بھی ہم پلہ تھے اور کہا جا سکتا ہے کہ ''چوٹ برابر کی تھی۔''

شیر شاہ نے راجپوتوں کے حملے کے وقت اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لیا اسی دوران میں جلال خاں بن جالو نے پہلو سے دشمن پر حملہ کر دیا۔ جب دونوں اطراف سے سکوت ہو گیا تو یہ تجویز آئی کہ جلال خاں بن جولو چیلنج کرے گا اور اگر راجپوت سپاہی اس سے ہار گیا تو گویا تمام لشکر کو شکست ہو جائے گی۔

جلال خاں ایک تنومند اور دیو پیکر شخص تھا مگر بیرم خاں نے اسے دیکھ کر کہا کہ اگر اس پٹھان جیسے تین پٹھان بھی بیک وقت میدان میں اترے تو ان کے مقابلے کیلئے ''بیدا بھر مالوٹ'' تنہا ہی کافی ہوگا۔ بیدا بھر مالوٹ ایک طاقتور اور عظیم الجثہ راجپوت تھا جو بڑی لمبی عمر پا کر فوت ہوا۔

مالدیو کی بدگمانی

اس جنگ کے دوران ریشمی خریطوں میں کچھ ''جعلی خطوط'' اور دیگر ایسی من

گھڑت ''اطلاعات'' پھیلا دی گئیں جن سے مالدیو کے ذہن میں یہ شکوک وشبہات پیدا ہو گئے کہ اس کے سردار در پردہ شیر شاہ سے مل گئے ہیں۔ مالدیو نے بدگمان ہو کر یہاں سے ''جودھپور'' کا رخ کیا حالانکہ گوپا اور جیتا نے اسے بہت روکا مگر اسے اب ان پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ مالدیو اپنے ساتھ فوج کا ایک بڑا حصہ بھی لے گیا تھا۔ روایت ہے کہ یہ جعلی خطوط شیر شاہ نے ایک جنگی حکمت عملی کے تحت تیار کرا کے مخالف لشکر کی خیمہ گاہ میں پھینکوائے تھے۔ مالدیو کی پسپائی کے بعد اب شیر شاہ کے مقابل جیتا، گوپا اور اکھیراج سونکرا اور ان کے 20000 سپاہی تھے۔

جنوری 1544 کو مالدیو کے چلے جانے کے بعد رہ جانے والے راجپوت فیصلہ کن معرکہ آرائی کی تیاری کر رہے تھے۔ راجپوتوں نے حملہ کا آغاز کرنے سے قبل اپنے جاسوس شیر شاہ کی پوزیشن معلوم کرنے کیلئے بھیجے۔ شیر شاہ کو ان جاسوسوں کی بھنک مل گئی۔ اس نے جنگی حکمت عملی کے تحت فوراً اپنا پڑاؤ تبدیل کر دیا اور سات میل دور چلا گیا۔

یہ ایک سرد رات تھی اور ہر چیز کہر کی لپیٹ میں تھی۔ راجپوت سپاہی حملے کیلئے آگے بڑھے مگر راستہ بھٹک کر اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ گئے۔ اگلی صبح کے وقت راجپوت جب افغانی لشکر کے سامنے پہنچے تو شیر شاہ ان کے استقبال کیلئے پوری طرح تیار تھا۔ لشکر کے سامنے ہاتھیوں کی قطار تھی جن پر بندوقوں سے مسلح سپاہی بیٹھے تھے۔ دائیں جانب افغانی رسالہ موجود تھا۔ سپاہی خام دیواروں یا ریت کے بوروں کے پیچھے چست بیٹھے ہوئے تھے۔

راجپوت گھڑسوار آندھی اور طوفان کی طرح آگے بڑھے۔ شیر شاہ نے توپ خانے کو فائر کھول دینے کا حکم دیا اور ساتھ ہی ہاتھیوں کو بھی آگے بڑھا دیا۔ راجپوت سپاہیوں کے گھوڑے زخمی ہو کر میدان جنگ میں گرنے لگے تو انھوں نے پاپیادہ ہی تلواروں اور بھالوں سے افغانوں پر حملہ کر دیا۔ گھمسان کا رن پڑا اور بہت سے افغان کھیت رہے۔ جب جنگ کے شعلے آسمان کو چھو رہے تھے، تلواریں بجلی کی طرح کوند رہی تھیں، زخمیوں کی چیخ پکار اور جنگی

نعرے میدان جنگ کو ہلا رہے تھے۔اس وقت شیر شاہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا اور گڑ گڑا کر اللہ سے اپنی کامیابی کی دعا مانگ رہا تھا۔

خواص خاں اور جلال خاں بن جالو نے راجپوتوں کو دونوں جانب سے دبانا شروع کر دیا۔اس معرکہ آرائی میں 6000 راجپوت مارے گئے اور کم وبیش اتنے ہی افغان بھی کام آئے۔

جیتا، گوپا اور اکھیراج بھی انہی لاشوں کے درمیان ساکت وصامت ہو چکے تھے۔ تینوں بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے مارے گئے تھے اس لئے ان کی شجاعت نے راجپوتوں کا سر فخر سے بلند کر دیا تھا۔جیتا اور گوپا ''باگری'' کے جبکہ اکھیراج ''پالی'' کا جاگیردار تھا۔

شیر شاہ نے بھی راجپوتوں کی شجاعت کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔

اس نے اس نازک صورت حال کے بارے میں کہا:

''میں نے صرف ایک مٹھی باجرے کی خاطر اپنی ساری سلطنت داؤ پر لگا دی تھی۔''

درحقیقت اس ریتلے علاقے میں باجرہ ہی کاشت کیا جاتا تھا اور اگر شیر شاہ کو مات ہو جاتی تو گویا وہ ایک مٹھی باجرے کیلئے سب کچھ ہار جاتا۔

ساحل کی یہ جنگ فیصلہ کن ثابت ہوئی اور راجپوت طاقت اپنے انجام کو پہنچ گئی۔اس کے بعد شیر شاہ نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔خواص کو مالدیو کے تعاقب میں جودھپور کی طرف روانہ کیا اور خود اجمیر کی جانب بڑھنے لگا۔

خواص خاں کے جودھ پور پہنچنے سے پہلے ہی مالدیو نے جودھ پور کے قلعہ سے جتنا بھی ممکن ہو سکا سب مال و اسباب سیوان کے قلعہ میں منتقل کر دیا۔ راجپوت گھرانوں کی مستورات اور بچوں کو بھی وہاں منتقل کر دیا گیا۔سیوان کا قلعہ جودھ پور سے جنوب مغرب میں 60 میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کی بلند چوٹی پر واقع تھا جسے گھنگروٹ کی پہاڑی کہتے ہیں اس پر رسائی مشکل تھی۔

خواص خاں نے جودھپور کا محاصرہ کر لیا۔قلعہ توپ خانہ کی گولہ باری کے سامنے

زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا۔ راجپوت فوج قلعہ میں محصور رہنے کی بجائے کھلے میدان میں لڑنے کو ترجیح دیتی تھی۔ حسبِ معمول راجپوتوں نے قلعہ سے نکل کر حملہ کر دیا اور لڑتے ہوئے کام آ گئے۔ ان میں اچلا بن شوارج، تلوکسی، برجنگ اور بیمل بھٹی کے معروف جنگجو تھے انھیں خراج تحسین پیش کرنے کیلئے مالدیو نے قلعہ کے اندر بعد میں ان کی چھتریاں بنوا دیں۔

جودھ پور کی فتح کے بعد خواص خاں نے اپنی توجہ کوسانہ گاؤں کی طرف کی جو جودھ پور سے جانب مشرق 15 کوس پر تھا اور راجپوت بہت بڑی تعداد میں وہاں لڑائی کیلئے جمع تھے۔ رانی اومادے جب اجمیر سے جودھ پور کیلئے روانہ ہوئی تھی تب سے اسی گاؤں میں مقیم تھی۔ مالدیو کی منتیں اور آگے بڑھتی ہوئی افغان فوج کا خوف بھی رانی کو جودھ پور کے قلعے یا کسی دوسری جگہ لے جانے کیلئے مجبور نہ کر سکا۔ جودھپور اور کوسانہ کے درمیان قصبہ ''خواص پور'' خواص خاں نے آباد کیا تھا۔ جب خواص خان کو معلوم ہوا کہ اگر کوسانہ پر حملہ کیا گیا تو رانی لڑتے ہوئے مر جائے گی تو اس نے ایک بہادر کی طرح رانی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور خودکسی اور طرف جانے کا سوچنے لگا۔ بعد میں جب رانی اومادے نے جیسلمیر میں اپنے پتا کے ہاں جانے کی خواہش کی تو خواص خاں نے اس کو اپنے ساتھیوں سمیت جانے دیا۔

خواص خاں نے پھلودی اور پوکھرن میں مالدیو کی حکومت کی باقیات کا خاتمہ کر دیا۔ مالدیو کا سپہ سالار ردھنا بھٹی پھلودی کی حفاظت کرتا ہوا مارا گیا۔ روپسی ہوٹ، بھٹی بینی داس، رام داس، دلپت اور گوگل پوکھرن کی لڑائی میں کام آئے۔ پھلودی اور پوکھرن شیر شاہ کے حکم سے جیسلمیر کے راول لون کرن کو واپس دے دیئے گئے اس کے بعد جودھ پور سے تقریباً 65 میل بجانب مغرب خواص خاں نے ایک مضبوط فوجی چوکی قائم کی جس کا نام شیر شاہ گڑھ رکھا۔

اس کے بعد خواص خاں نے اپنی توجہ جودھ پور اور سیوان کے درمیانی علاقہ کی جانب مبذول کی جہاں راؤ مالدیو چھپا ہوا تھا۔ افغان فوج نے مندور کے اجڑے ہوئے قدیم صدر مقام میں اپنے خیمے لگائے۔ خواص خاں نے جودھپور قلعہ کے شمال کی سمت میں ایک نیا

پھاٹک بنوایا۔

جودھ پور کی کمان خواص خان اور بیرم دیو کو مشترکہ طور پر دی گئی تھی تا کہ مسلمانوں کے خلاف بدامنی نہ پھیلے۔ میدتا بیرم دیو کو واپس مل گیا اور اس کے علاوہ اجمیر کے قرب و جوار میں اس کو کچھ نئے علاقے بھی دیئے گئے۔ بیرم دیو کافی دن وہیں رہا اور بعد میں شیر شاہ کے جانشینوں کے زمانہ میں افغانوں کی حمایت میں مالدیو کے خلاف لڑا۔

عباس نے لکھا ہے:

''سامیل کی لڑائی کے بعد شیر شاہ نے اپنی نصف فوج کے ساتھ مالدیو کے پرگنہ سوجت اور پالی پر قبضہ کر کے اجمیر کا محاصرہ کیا۔ اجمیر کا قلعہ کافی مستحکم اور پائیدار تھا۔ اس کی حفاظت کیلئے وہاں کافی فوج و رسد تھی۔ قلعہ کا کمانڈر شنکر بھٹی جری سورما سردار تھا۔ محاصرہ کافی دنوں تک طول پکڑ گیا جس سے مالدیو کو حوصلہ ملا اور وہ سیوان کی پناہ گاہ سے باہر نکل کر شیر شاہ کی توجہ دوسری جانب مبذول کرنے کیلئے اس کی فوج کے عقب میں آ گیا۔ شیر شاہ نے اجمیر کا محاصرہ اپنے لڑکے شہزادہ عادل خاں اور برہم جیت گوڈ کے راجپوتوں کے سپرد کر دیا۔ اور خود مالدیو کے تعاقب میں چل پڑا۔ اجمیر کے آس پاس کا علاقہ پہلے کسی زمانہ میں گوڈ لوگوں کا تھا۔ بارہویں صدی میں سانبھر کے چوہانوں نے ان کو یہاں سے نکال دیا تھا۔ شیر شاہ نے برہم جیت گوڈ پر یہ آخری مہربانی کی کہ اس کو اجمیر کا فوج دار مقرر کیا۔ اب شیر شاہ کے سامنے ایک اور سخت مہم تھی۔ سروہی کے دیورا چوہان مالدیو کے ماموں تھے اور وہ راٹھوروں کی مدد کیلئے آ گئے۔ شیر شاہ نے سروہی کو پسپا کیا اور مالدیو کو آبو کی پہاڑیوں میں گھیر لیا۔ پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی پر اچل گڑھ واقع تھا جہاں تک غنیم کی رسائی محال تھی۔ راٹھور اور دیورا چوہان پہاڑیوں

میں چھپ کر لڑ رہے تھے اس لیے شیر شاہ کا توپ خانہ پہاڑ پر نہیں جا سکتا تھا۔ اس حالت میں دونوں فریق صلح کیلئے راضی ہو گئے۔ مالدیو نے اپنے خاندانی پنڈت اور مشہور سردار برجنگ بھٹی کو شیر شاہ کی خدمت میں بطور سفیر بھیجا۔ شیر شاہ نے پنڈت کو تو واپس کر دیا لیکن برجنگ بھٹی کو وہیں قید کر لیا۔ شیر شاہ کے اس رویہ سے مالدیو کے دل میں کچھ شکوک پیدا ہو گئے اور صلح کی بات چیت بیچ میں ہی ختم ہو گئی۔ مالدیو شیر شاہ کی نظروں سے بچ کر مغرب کی جانب سانچور بھاگ گیا جو جودھ پور سے جنوب مغرب میں 132 میل اور سیوان سے 70 میل تھا۔ شیر شاہ نے شمال مغرب کی جانب اپنا رخ کیا تاکہ مالدیو کے قلعہ جالور پر حملہ کرے۔ جالور جودھپور سے 75 میل جنوب میں ہے۔ خواص خاں کی فوج کو جو سیوان میں مقیم تھی سانچور کی جانب مالدیو کے تعاقب میں جانے کا کام سونپا گیا۔ خواص خاں نے سانچور پر قبضہ کر لیا لیکن مالدیو گرفتار نہ ہو سکا۔ شیر شاہ کی وفات کے بعد بھی وہ سیوان سے حملے کرتا رہا۔''

رزق اللہ نے لکھا ہے:

''جالور پر شیر شاہ کا قبضہ ہو گیا۔ ایک عرصہ سے یہ مقام باغی اور سرکش پٹھانوں کا صدر مقام بنا ہوا تھا تاکہ راٹھور لوگ سروہی اور اجمیر کے اضلاع میں نہ گھس آئیں۔ جالور کی کڑی ناکہ بندی کی گئی۔ اس عرصہ میں اجمیر کا گھیراؤ بھی سختی سے کیا جاتا رہا۔ شنکر بھٹی کی کمان میں گڑھ بٹیلی کی فوج نے قلعہ سے باہر نکل کر آخری حملہ کر دیا اور دشمنوں کی بہت سی جانیں ضائع کر کے جان دیدی۔ شیر شاہ نے اجمیر شریف کی درگاہ کی زیارت کی اور خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کی۔''

مارواڑ کی مہم میں مئی 1544ء کے آغاز تک شیر شاہ کو چھ ماہ لگے اس علاقہ میں فوجی اور انتظامی مسائل حل کرنے کیلئے اجمیر میں اسے کافی دن ٹھہرنا پڑا۔ اس نے برہم جیت گوڑ کو اجمیر کا فوج دار مقرر کر دیا۔ خواص خاں کو مارواڑ کی مختلف چوکیوں پر تعینات فوج کا اعلیٰ سپہ سالار اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ جودھ پور اور ناگور کو سرکاری درجہ دیا گیا۔ ناگور کا فوج دار عیسیٰ خاں نیازی کو مقرر کیا گیا۔ نارنول لودھی سلطنت کے آخری عہد تک حصار فیروز کا ایک پرگنہ تھا اسے بھی سرکار بنا دیا گیا۔

نینسی نے لکھا ہے:

''اجمیر سے 30 میل جنوب مشرق میں ہرمرا مقام پر ایک فوجی تھانہ بنایا گیا تاکہ اجمیر اور میرواڑ کے شورش پسند علاقہ میں امن قائم رہے۔ اس تھانہ کا افسر جلال خاں بن جالو کو بنایا گیا۔''

ڈارن نے اس حوالے سے لکھا ہے:

''اس کے بعد شیر شاہ اپنی فوج لے کر اجمیر سے سانبھر کی جانب گیا اور شمال مغرب میں کچاون تک جا پہنچا۔ کچاون جودھ پور ریاست کا ایک قصبہ ہے جو کہ جودھ پور سے 128 میل مشرق شمال مشرق اور اجمیر سے 50 میل مشرق میں واقع ہے۔ سانبھر اور کچاون کا یہ علاقہ فوجی نکتۂ نظر سے بہت اہم تھا۔ یہ علاقہ اجمیر، امبر اور شیخاوٹی کو مارواڑ سے ملاتا ہے۔ ابھی شیر شاہ کی فوج کچاون کی مہم میں مصروف تھی کہ 1544ء کی برسات شروع ہو گئی۔ سردار و سپاہی بارش اور کیچڑ سے بےزار و نالاں ہو گئے۔ وہ فوجی چھاؤنیوں میں واپس لوٹ کر آرام کرنے کے آرزو مند تھے۔ شیر شاہ نے یہ کہہ کر ان کو تسلی دی کہ وہ خود ایسی جگہ رہنا چاہتا ہے جہاں سے اس کی فوج اپنی کارروائی جاری رکھ سکے۔''

شیر شاہ نے کچھواہہ ریاست کے پرانے راٹھور علاقہ کو سرکار رنتھمبور میں شامل کر کے

شہزادہ عادل خاں کے سپرد کردیا۔شیر شاہ نے دھندار کے علاقہ میں اپنی فوج تعینات کی۔

چتوڑ اور اس کے گردونواح کا علاقہ چتوڑ سرکار میں شامل کردیا گیا اور اس پر حکومت کرنے کیلئے احمد خاں سروانی وحسن خاں خلجی کو مقرر کیا گیا۔اب چتوڑ ایک شاہی قلعہ ہو گیا اور خواص خاں کے بھائی شمس خاں کی کمان میں وہاں ایک فوج اور بندوقچیوں کی ایک پلٹن رہنے لگی۔دس مہینوں تک شیر شاہ مارواڑ فتح کرنے اور بعد میں راجپوتانہ کے باقی علاقہ کو زیر کرنے میں مصروف رہا۔راجپوتانہ تاریخ کے آغاز سے ہی شورش پسند رہا ہے۔وہاں کسی بھی وقت کوئی طوفان اٹھ سکتا تھا۔دہلی کے سلطان اپنی حکومت کے آغاز سے ہی راجپوتوں کو کچلنے اور دبانے میں سرگرم رہے تھے۔شیر شاہ کی یہ مہم اسی پالیسی کا آخری دور تھا۔شیر شاہ کی پالیسی سے ہند کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا اس نے راجپوتوں سے مصالحت کر کے ان سے باعزت اعتماد و تعاون حاصل کیا اور اس طرح ہند میں ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

باب ٦٠

سامیل، جے تارن کی لڑائی کے بعد اجمیر و جالور کی فتح

مارواڑ کے پرگنہ جے تارن میں واقع سامیل کی لڑائی کے متعلق تاریخ میں بہت سے افسانے جوڑے گئے ہیں۔ نینسی نے اپنی کھیات اس واقعہ کے 130 سال بعد لکھی تھی۔ اس کی بدولت اس لڑائی کے بہت سے واقعات روشنی میں آئے۔ وہ لکھتا ہے یہ لڑائی سامیل کے مقام پر ہوئی۔ پوس مہینہ کی ایک کہرے والی صبح کو (انگریزی تاریخ کے مطابق 15 دسمبر 1543ء سے 15 جنوری 1544ء) جیتا اور کوپا نے شیر شاہ کے لشکر پر حملہ کیا۔ حالانکہ بھاٹوں کے گیتوں اور قصوں میں قومی آن کی رنگ آمیزی ہے لیکن افغان مؤرخین عباس، نعمت اللہ، نظام الدین اور بدایونی سب نے اس بات کی تائید کی ہے۔

جنگ سامیل سے راجپوتوں کی آزادی کا روشن چراغ گل ہو گیا۔ تاریخ کا ایک معرکتہ الآرا دور ختم ہو گیا۔ یہ دور تھا پرتھوی راج و رتھمبور کا، چوہان کی شجاعت کا، میواڑ کے مہارانا سانگا کی جانبازی کا اور مارواڑ کے مالدیو کی دلیری و جانثاری کا۔

جودھپور کی فتح کا خلاصہ

مالدیو نے جودھپور پہنچ کر خزانہ، مستورات اور بچوں کو ''سیوان کے قلعے'' میں منتقل

کر دیا تھا۔ ''سیوان'' یہاں سے بطرف جنوب مغرب 60 میل ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے جو ''گھنگروٹ کا پہاڑ'' کہلاتا ہے۔ خواص خاں نے جودھپور کے مضبوط قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اندھا دھند گولہ باری کے سامنے یہ قلعہ بھی سرنگوں ہو گیا اور راجپوتوں نے حسب روایت داد شجاعت دیتے ہوئے اپنی جانیں دے دیں۔ بعد میں مالدیو نے ان سور ماؤں کی یاد میں اس قلعے میں ان کی یادگار کے طور پر ''چھتریاں'' بنوا دی تھیں۔ جودھپور سے فارغ ہو کر خواص خاں ''کوسانہ گاؤں'' کی جانب بڑھا جہاں راجپوتوں کی ایک واضع تعداد ''اوما دیوی'' (اومادے) کے جھنڈے تلے جمع تھی۔ خواص خاں نے کوسانہ گاؤں کے سامنے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا جہاں بعد میں ''خواص پور'' کے نام سے ایک بستی آباد ہو گئی۔ رانی اوما دیوی چونکہ افغانوں سے لڑ کر جان دینے کا تہیہ کر چکی تھی۔ اس کا عزم جان کر خواص خاں نے ایک عورت کے خلاف لڑنا مناسب نہ سمجھا اور اسے اسکے حال پر چھوڑ دیا۔ بعد میں جب اوما دیوی نے اپنے والد کے پاس جیسلمیر جانے کا فیصلہ کیا تو خواص خاں نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بحفاظت جانے کی اجازت دے دی۔ اوما دیوں بعد میں جیسلمیر سے ''کیلاوا'' چلی گئی۔

اس کے بعد خواص خاں نے پھلووی اور پوکھران پر بھی قبضہ کر لیا۔ مالدیو کا ایک سپہ سالار ''دھنا بھائی'' یہاں لڑتے ہوئے مارا گیا۔ جودھپور سے 65 میل کے فاصلے پر شیر شاہ نے ایک چوکی ''شیر گڑھ'' تعمیر کرائی۔ پھلووی اور پوکھران کے علاقے ''راول لون کرن'' کو دیے گئے۔ خواص خاں نے مالدیو کا کھوج لگانے کے لیے ''منڈور'' کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ ''میدتا'' بیرم دیو کو مل گئی جو اس کا اصلی وارث اور حکمران تھا۔

شیر شاہ نے اجمیر کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ نے طول پکڑا تو مالدیو بھی ''سیوان'' سے نکل کر افغانی لشکر کے عقب میں آن پہنچا۔ شیر شاہ نے اجمیر کے محاصرہ پر اپنے بیٹے ''عادل خاں'' اور وفادار جرنیل ''برہم جیت گوڈا'' کو مقرر کیا اور خود مالدیو کے تعاقب میں بڑھا۔ بعدازاں برہم جیت گوڈ کو اجمیر کا ''فوجدار'' مقرر کر دیا گیا۔

سروہی کے دیورا چوہان مالدیو کے ماموں تھے اس لئے وہ اپنے بھانجے کی مدد کیلئے میدان میں اتر آئے تھے۔شیر شاہ نے سروہی کے چوہانوں کوشکست سے دوچار کیا اور مالدیو کو آبو کے پہاڑوں میں گھیر لیا اس وقت پہاڑوں پر بارہ بستیاں آباد تھیں جن کے نام اچل گڑھ، تیسا، دلوارہ، ہیت ماٹھی، سہرا، سال اوریا، واسدیو، نہار،لو باس، تھان، امرانی، رشی کیش تھے۔اس سلسلے کی سب سے بلند چوٹی پر مالدیو پناہ گزین تھا اور اس چوٹی تک پہنچنا نہایت دشوار تھا۔شیر شاہ کا توپ خانہ بھی اس صورت حال میں ''بے بس'' تھا۔صورت حال کا تقاضا تھا کہ فریقین باہم مصالحت کرلیں لہٰذا فریقین نے مصالحت کیلئے حامی بھر لی۔

مالدیو نے شیر شاہ کے پاس اپنے پنڈت اور ایک سردار ''برجنگ بھائی'' کو بھیجا۔شیر شاہ نے پنڈت کوتو واپس کر دیا مگر ہرجنگ کو بطور ضمانت پاس رکھ لیا اس سے مالدیو خائف ہوکر ''سانچور'' کی جانب بھاگ نکلا جو دھپور سے بطرف جنوب مغرب 132 میل کے فاصلے پر واقع تھا۔شیر شاہ نے خواص خاں کو سیوان سے کوچ کرنے اور مالدیو کا تعاقب کرنے کا حکم دیا اور خود قلعہ جالور کی جانب بڑھا جو جودھپور سے 75 میل دور جنوب واقع تھا۔خواص خاں نے سانچور پر قبضہ کر لیا مگر مالدیو یہاں سے بھی بچ نکلا۔ مالدیو اس کے بعد بھی مختلف مقامات سے پیش قدمی کرتا رہا۔

شیر شاہ نے جالور پر بڑی سرعت سے قبضہ کر لیا۔دوسری جانب کا محاصرہ بھی جاری تھا ایک روز شکر بھائی نے گڑھ بیٹلی کی فوج کے ساتھ افغانوں پر آخری بھرپور حملہ کیا اور بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔اس معرکہ آرائی کے اختتام کے ساتھ ہی مارواڑ کی مہم بھی اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

نینسی نے اپنی کھیات میں لکھا ہے:

''راؤ اسّی ہزار سوار لے کر لڑنے کیلئے اجمیر آیا۔ وہاں بیرم کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے کوپا کے پاس 20 ہزار روپے بھیجے کہ وہ اس کیلئے کمبل خرید دے۔20 ہزار روپیہ جتیا کے پاس بھیجا کہ وہ اس کیلئے

سروھی سے تلوار مہیا کرے۔ دوسری طرف وفاداری کا نقاب اوڑھ کر اس نے مالدیو کو ایک خط بھیجا کہ جیتا اور کوپا در پردہ شیر شاہ سے ساز باز کیے ہیں اور وہ راؤ کو گرفتار کر کے شیر شاہ کے سامنے بھیج دیں گے۔ اگر ثبوت کی ضرورت ہو تو راؤ مالدیو ان کے خیموں کی تلاشی لے لیں۔ جہاں روپیوں کی تھیلیاں موجود ہیں۔ اس اثنا میں جلال جالو کا (جلال بن جالو) نے کہا:

''بادشاہ سلامت۔ بہتر ہوا گر فتح وشکست اس طرح طے کر لی جائے کہ مالدیو کی جانب سے کوئی ایک بہادر لڑائی کیلئے بلا لیا جائے اور آپ کی جانب سے مجھے لڑائی کیلئے بھیج دیا جائے۔''

بادشاہ نے بیرم سے یہ سوال کیا:

''کیا تمہیں یہ تجویز پسند ہے''؟

بیرم نے جواب دیا: ''حضرت۔ میں پہلے اس پٹھان کو دیکھ لوں۔''

جب پٹھان کو بلایا گیا بیرم نے اسے دیکھا اور کہا:

''اگر اس جیسے تین پٹھان بھی ایک جگہ مل جائیں تو مالدیو بیدا بھر مالوٹ کو بھیج دے گا۔ اور وہ ان تینوں کو قتل کر کے ان کے ہتھیار چھین کر اپنے خیمہ میں واپس لوٹ جائے گا۔ اس کے بدن پر ایک خراش بھی نہیں آئے گی۔ یہ تجویز مناسب نہیں ہے۔''

بیرم کے خط نے مالدیو کے دماغ میں شبہ پیدا کر دیا۔ اور جب ان کے خیموں سے تھیلیاں برآمد ہوئیں تو مالدیو خوف زدہ ہو گیا۔ رات کا وقت تھا' جیتا، کوپا، اکھیراج سب کوپا کے ڈیرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ راؤ مالدیو آئے اور انھوں نے یہ خبر سب کو سُنا دی۔ تینوں سرداروں نے کہا: 'ہم آپ کے ساتھ جودھ پور چلیں گے۔'' راؤ سکھ پال میں بیٹھ کر روانہ

ہوئے۔ ان کا ایک ہاتھ کھیما اداوت کے ہاتھ پر تھا۔ جیستی نے پیچھے سے للکارا ''سامیل اور جودھ پور کے درمیان بہت سے خطرے ہیں۔''

یہ سن کر کھیما نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اور پیچھے رہ گیا۔

شیر شاہی لشکر سامیل میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ مالدیو گری کے مقام پر تھا۔ اس وقت یہ چال کھیلی گئی۔ بیرم نے شیر شاہ کے نقلی فرمان ڈھالوں کی گدیوں میں چھپا دیئے اور اپنے مخبروں کے ذریعہ یہ ڈھال مالدیو کے سرداروں کو فروخت کر دیں۔ اسی اثنا میں بیرم نے مالدیو کے نام ایک پیغام بھیجا:

''حالانکہ آپ نے میرے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا ہے۔ لیکن میں آپ کو یہ اطلاع دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ آپ کے تمام سردار شیر شاہ سے سازش کیے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کو میری بات میں کوئی شبہ ہو تو آپ ان کی نئی ڈھال اپنے قبضہ میں لے کر خود دیکھ لو۔''

یہ خبر پا کر راؤ مالدیو نے تمام سرداروں کی ڈھالوں کو کھلوایا اور ان کی تہ سے فرمان برآمد ہوئے۔

دوسرے روز سمت بکرمی 1600ء (جنوری 1544ء) ماہ پوس کی شکل ایکادش تھی۔ راجپوت اپنی زندگی کے آخری سفر کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ انہوں نے پہلے روز اپنے مخبر افغان لشکر میں اطلاع فراہم کرنے کیلئے لگا رکھے تھے حالانکہ ان کا راجا ان کا ساتھ چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ لیکن ان کے حوصلے پست نہیں ہوئے تھے۔

آدھی رات گذرنے سے پہلے وہ اپنے پڑاؤ گری سے صف آرا ہو کر نکل پڑے۔ ناہموار پتھریلی زمین، پچھلے پہر کی تاریک رات اور اس پر کہرے کا غلبہ۔ سب لوگ افغان پڑاؤ کا راستہ بھول کر ایک دوسرے

سے علیٰحدہ ہو گئے۔ اس اثنا میں راجپوت لشکر کی نقل و حرکت سے مطلع ہو کر شیر شاہ نے اپنے مشیروں کی مجلس اسی شب کو منعقد کی تھی اور انھیں آگاہ کر دیا کہ دشمن کے مخبران کی فوج کے موجودہ نظام کو دیکھ کر واپس گئے ہیں۔ لہٰذا موقع و محل کو دیکھتے ہوئے ہمیں اپنے خیمے فوراً یہاں سے ہٹا لینے چاہئیں۔ غنیم ہمارے خیمے اور پڑاؤ کو خالی پا کر عالمِ حیرت میں پڑ کر اپنا ارادہ بدل دے گا۔ چنانچہ راتوں رات تمام فوج 7 میل دائیں سمت ہٹ گئی۔ اور اس کے برعکس حملہ آور فوج جاڑے کی تاریخ رات میں راستہ بھول کر پہاڑوں اور چٹانوں میں بھٹک گئی۔''

بدایونی لکھتا ہے:

''اپنی بیوقوفی سے یا اسلام کے اقبال سے کافر با جماعت گھوڑوں سے نکل پڑے اور دامن سے دامن وابستہ کر کے غنیم پر برچھے اور تلواریں برسانے لگے۔ لہٰذا شیر شاہ نے فیل سواروں کو یہ حکم دیا کہ آگے بڑھ کر ان کو کچل ڈالیں۔ ہاتھیوں کے عقب میں جو توپ خانہ اور تیر انداز تھے انہوں نے گولوں اور تیروں کی خوب بوچھاڑ کی۔''

{منتخب التواریخ، ملا عبدالقادر ملوک شاہ بدایونی}

شیر شاہ کی تدبیر کلیتاً کامیاب ہوئی۔ جب راجپوتوں کے حملہ کی گرمی و تیزی کچھ کم ہو گئی تو خواص خاں اور جلال خاں بن جالو نے دونوں بازوؤں سے دبانا شروع کیا۔ 14 ہزار گھوڑ سواروں میں سے جو لشکر سے باہر نکلے تھے۔ صرف 6 ہزار ہی اپنے سپہ سالار آقا کے پاس رہ پائے۔ ان میں سے ایک بھی فرد زندہ نہ بچا۔ لیکن مرنے سے پہلے انھوں نے کم از کم کتنے ہی راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

میدانِ جنگ سے لاتعداد راجپوت راٹھور سرداروں کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ ایک ایک سردار شجاعت و جاں نثاری کا نمونہ تھا۔ انھیں کشتوں کے درمیان جاں باز جیتا' کو پا'

اکھیراج سونگارہ اور دیگر سردار موت کے آغوش میں میٹھی نیند سو رہے تھے۔

مارواڑ کے بھاٹوں نے لکھا ہے:

''گری کے تاڑ کے درخت جو مالدیو کی فراری سے شرم و غیرت سے سر نگوں تھے اب فخر و شان سے آسمان چھو رہے تھے۔ گویا وہ بہشت میں جیتا و کو پا کی قدم بوسی کیلئے بے تاب ہیں۔ انھوں نے اپنی موت سے شیر شاہ کو ایک سبق سکھا دیا۔''

سامیل کی لڑائی فاتح شیر شاہ نے ان الفاظ میں ان کی شجاعت کا اعتراف کیا:

''میں نے مٹھی بھر باجرہ کیلئے ہندوستان کی سلطنت داؤ پر لگا دی تھی۔''

اس مہم سے فراغت کے بعد ہی شیر شاہ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے مزار کی زیارت کی تھی۔ فاتحہ خوانی کی مساکین اور فقراء کو دل کھول کر نذرانے پیش کیے تھے۔ شیر شاہ نے اس تمام مفتوحہ علاقے کا معقول انتظام کیا۔ ان سارے امور میں اسے چھ ماہ لگ گئے۔ نارنول اور جودھپور کے کچھ علاقے ابھی تک شیر شاہ کے تسلط سے باہر تھے اس لیے شیر شاہ اپنی فوج لے کر اجمیر سے سانبھر کی جانب روانہ ہوا اور اس نے ''کچاون'' تک قبضہ کر لیا۔ یہ جودھپور سے 128 میل بطرف شمال واقع تھا۔ مہارانا اودے سنگھ اراولی کے پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔

اسی دوران اس نے ''چتوڑ'' کا علاقہ بھی فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ یہاں احمد خاں سروانی اور حسن خاں خلجی کو پرگنے دیئے گئے جبکہ خواص خاں کے بھائی ''شمس خاں'' کو فوج کی ایک تعداد کا کمانڈر مقرر کر دیا گیا۔ وہی قلعہ کا بھی حاکم تھا۔ اس مہم میں مزید چار ماہ صرف ہوئے تھے اور اب شیر شاہ کی یہ مہم نہایت کامیابی سے تکمیل کو پہنچی تھی۔

باب۶۱

بندھیل کھنڈ اور کالنجر کا قلعہ

چتوڑ سے شیر شاہ نے ''کھچوارہ'' کا رخ کیا۔ اس مقام پر اب ''کھجوراہو'' کے مندر ہیں۔ شیر شاہ نے اپنے لخت جگر عادل خاں کو رنتھمبور جانے کا حکم دیا اور خود مالوہ میں داخل ہو گیا۔ شیر شاہ نے شجاعت خاں کو بھی اپنے پاس حاضر ہونے کا حکم دیا۔ شیر شاہ اب ''دکن'' کو بھی فتح کرنا چاہتا تھا۔ جب شیر شاہ کھچوارہ کی سرحد کے نزدیک پہنچا تو شجاعت خاں 7500 گھوڑے لے کر شیر شاہ کے پاس حاضر ہو گیا۔ شیر شاہ نے شجاعت خاں کو ایک ''ہاتھی'' اور ایک ''خلعت'' انعام کے طور پر دے کر اسے ہنڈیہ جانے کی اجازت دیدی اور اسے تاکید کرتے ہوئے کہا کہ جونہی اسے ''کالنجر'' کی فتح کی اطلاع ملے اسے چاہیے کہ دکن پر حملہ کر دے۔

شیر شاہ باندہ اور ہمیر پور کے علاقوں کو بھی شورش پسندوں سے پاک کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت ''بھاٹہ'' کا حکمران راجا بدھی چندر کا بھتیجا ''بیرم سنگھ دیو'' تھا۔ سلطان سکندر لودھی کا بیٹا محمود بھی اسی راجا کے پاس پناہ گزین تھا۔ پھر ایک اور مفرور راجا بندیلا بھی اس کے پاس تھا اور اس نے شیر شاہ کے مطالبے کے باوجود اُسے شیر شاہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اریل کا راجا ''بیر بھان'' بھی افغانوں سے فرار ہو کر ''بیر سنگھ دیو'' کے پاس چلا گیا تھا۔ شیر شاہ نے کچھوراہہ (کچھوارہ) کے مقام کو اپنی فوجی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا اور اپنی فوج سمیت یہاں پڑاؤ ڈال دیا۔

کچھوراہہ کا قلعہ

شیر شاہ نے یہاں ایک پتھروں کا مضبوط قلعہ بھی تیار کرا دیا تا کہ یہاں پر ایک مستقل چھاؤنی بنائی جا سکے۔ نیز وہ یہاں سے ''بھاٹہ راج'' کو بھی ختم کرنا چاہتا تھا۔شیر شاہ جانتا تھا کہ چنبل اور جمنا دوآب کی چھوٹی راجپوت ریاستوں کے حکمران بھی اسی مقام پر پناہ لیا کرتے تھے۔ کالنجر اور ریوا کے جنگلات مفرور غنیم کے لیے ''جنت'' سے کم نہیں تھے۔

باندہ

شیر شاہ نے کالنجر سے ایک جانب ہٹ کر باندہ کا رخ کیا۔ دراصل وہ کالنجر پر حملہ کرنے سے پہلے اردگرد گھوم کر نہ صرف تفصیلی معائنہ کرنا چاہتا تھا بلکہ بندھیل کھنڈ سے آنے والی سپلائی لائن کو بھی منقطع کرنا چاہتا تھا۔سہوارہ کے مقام پر شیر شاہ کو علم ہوا کہ میرٹھ کے عالم خان نے بغاوت کا علم بلند کر کے وسیع پیمانے پر لوٹ مار غارت گری کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔

میئرتہ کی لڑائی

میئرتہ (میرٹھ) میں عالم خان میانہ کی بغاوت کا علم ہوتے ہی ''سرہند'' کے فوجدار ''ملک بھگونت'' نے فوری اقدام کیا اور لڑائی میں عالم خاں کو شکست سے دوچار کر دیا۔ جب یہ اطلاع شیر شاہ کو ملی تو وہ کالنجر کے نزدیک سیوندھا سے دو منزل پیچھے ہٹ گیا تھا۔

بھاٹہ پر فوج کشی اور کالنجر کا محاصرہ

نومبر 1544ء میں شیر شاہ نے اپنے بیٹے جلال خاں کو ''بھاٹہ'' پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔مگر بھاٹہ کے گنجان جنگلات میں جنگ لڑنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔

کالنجر کے قلعے کا محاصرہ تو کرلیا گیا مگر محاصرہ طول پکڑتا گیا۔ یہاں تک کے سات ماہ تک افغان کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی بیان کی جاتی ہے کہ اگر زیادہ دباؤ ڈالا جاتا تو قلعہ کے محافظ سپاہی اور قلعدار تمام قیمتی سامان کو نذر آتش کر دیتا۔ نیز اس قلعہ میں ایک گلوکارہ اور رقاصہ بھی تھی جس کی آواز کا جادو دور دور تک مشہور تھا۔ شیر شاہ اس مغنیہ کو اپنے پاس لانا چاہتا تھا جبکہ اہل قلعہ قبضے کی صورت میں اس دوشیزہ کو بھی جلا کر خاکستر کر دینا چاہتے تھے۔ اس حسین رقاصہ کا نام ''مالتی دیوی'' تھا تاہم اکثر مؤرخین نے اس روایت کی تردید کی ہے۔

اس قلعہ کی مزاحمت کا ایک سبب بندھیل کھنڈ جنگلات میں روپوش راجپوت بھی تھے ان میں اریل کا راجا ''بیر بھان'' بھی تھا اور اہل قلعہ افغانوں کے خلاف ایک ''بڑی جنگ'' لڑنا چاہتے تھے ایسی بڑی جنگ جو تاریخ میں ''فیصلہ کن'' کردار ادا کرتی۔ کالنجر قلعہ ایک دشوار گذار علاقے میں تھا پھر بندھیل کھنڈ کے جغرافیائی خدوخال ہی ایسے ہیں کہ وہاں حملہ آور کو دیر تک اُلجھائے رکھنا نہایت آسان ہے۔ اس علاقے میں پہاڑیاں بکثرت ہیں۔ بہت سی جھیلیں ہیں۔ کئی جھیلیں پہاڑی ڈھلوانوں پر بھی واقع تھیں۔ بھاٹہ میں ایک اور مضبوط قلعہ ''بندوگڑھ'' بھی تھا۔

کالنجر کا محل وقوع

کالنجر کا قلعہ الہ آباد سے شمال مغرب میں 100 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اب یہ نہایت پر ہیبت اور سیاہ ہو چکا ہے مگر کسی دور میں یہ چندیلا راجپوتوں کا صدر مقام تھا۔

کالنجر کا قلعہ سطح سمندر سے 1230 فٹ بلند ہے۔ اس کا محیط تقریباً 5 میل ہے۔ نزدیکی پہاڑیوں کے درمیان 1200 گز چوڑی کھائی ہے۔ یہ کھائی 180 فٹ تک گہری ہے۔ قلعہ کی فصیلیں ناقابل عبور اور قلعہ کی طرف جانے والا واحد راستہ تنگ اور پیچدار تھا۔ پھر ہر طرف جھاڑیاں اور جنگلی پودے تھے۔ بہر حال ان ساری مشکلات کے باوجود شیر شاہ اس

قلعے کا محاصرہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

شیر شاہ کی جنگی حکمت عملی

شیر شاہ نے اس قلعے کی فصیلوں تک پہنچنے کیلئے سرنگیں کھدوانا شروع کر دیں اور ایک بلند چوبی مینار بھی تعمیر کرایا جس پر چڑھ کر قلعے کے اندر کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔ پورا لشکر خندقیں اور سرنگیں کھودنے پر لگا ہوا تھا۔ 2000 کاریگر توپیں اور گولے تیار کر رہے تھے۔ ان توپوں سے 10 پونڈ کا گولا داغا جا سکتا تھا۔

فیصلہ کن حملہ

جب ساری تیاریاں ہو گئیں تو 22 مئی 1545ء کو شیر شاہ نے علی الصبح اپنے لشکر کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ شیر شاہ کا حکم ملتے ہی سپاہی فصیل کی جانب بڑھنے لگے۔ کالنجر کے سپاہی پتھروں اور تیروں کے ساتھ فصیل پر موجود تھے۔

شیر شاہ خود مینار کے اوپر چڑھ گیا (پتھروں اور لکڑی سے مینار تعمیر کیا گیا تھا) اس نے اپنی کمان سے پہلا تیر چھوڑ کر باقاعدہ حملے کا اعلان کر دیا۔ قدر اندازوں نے بھی تیروں کی بوچھاڑ کرنا شروع کر دی مگر تیر بے اثر ثابت ہو رہے تھے۔

یہ دیکھ کر شیر شاہ نے اپنے سپاہیوں کو ''حقہ'' لانے کا حکم دیا جو قدیم ''دستی بم'' تھا۔ دریا خاں نے شیر شاہ کے حکم کی تعمیل کی اور بھاگتے ہوئے ''حقہ'' لے آیا۔ شیر شاہ کے سپاہی ان ''حقوں'' کے فلیتوں میں آگ لگا لگا کر قلعے کے ندر پھینکنے لگے۔

جب یہ دستی بم قلعے کے اندر گرائے جا رہے تھے تو ایک حقہ فصیل قلعہ سے ٹکرا کے واپس پلٹا اور ''حقوں'' کے ذخیرے (بارود خانے) میں آن گرا۔ اس سے تمام حقوں نے آگ پکڑ لی اور ایک فلک شگاف دھماکے سے پھٹ گئے۔ شیر شاہ اس کے شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا اور اس کا نصف بدن جل گیا۔ جب کہ اس کے ساتھ کھڑے شیخ خلیل اور شیخ نظام بال

بال بچ گئے۔شیر شاہ اس بارود کی لپیٹ میں آ کر نشیبی جگہ میں گر پڑا تھا۔

سپاہیوں نے لپک کر شیر شاہ کو اس کے خیمے میں پہنچایا۔شیر شاہ کو اس عالم میں بھی فتح کی فکر تھی۔شیر شاہ کو اب اپنے بچنے کا یقین نہیں تھا اس لئے اس نے عیسیٰ خان کو حکم دیا کہ قلعے پر پورے زور سے حملہ کر دیا جائے تا کہ وہ اپنے مرنے سے پہلے اس قلعے پر اسلامی پرچم لہراتے ہوئے دیکھ سکے۔

شیر شاہ کا حوصلہ

شیر شاہ زخموں سے چور چور تھا مگر اب بھی اس میں انتہا کا ضبط تھا جو بھی اس کی حالت دیکھنے خیمے میں داخل ہوتا، شیر شاہ اسے جا کر لڑنے کا حکم دیتا اس کے کان فتح کی ''خوشخبری'' سننے اور آنکھیں ''علم اسلام'' کو لہراتے ہوئے دیکھنے کیلئے ٹھہری ہوئی تھیں۔افغانوں نے پورے جوش کے ساتھ حملہ کر دیا۔فصیلیں پار کر کے افغان قلعے کے اندر گھس گئے اور گھمسان کی لڑائی میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔خون پانی کی طرح بہنے لگا۔راجا کیرت سنگھ 70 جانبازوں کے ساتھ ایک اندرونی قلعے میں بند ہو گیا۔

جب شیر شاہ کو قلعہ کی تسخیر کا اطلاع ملی تو بے ساختہ اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے:

''یا اللہ تیرا شکر ہے یہ میری آخری خواہش تھی!''

باب ٦٢

شیر شاہ کی شہادت

22 مئی 1545ء میں 10 ربیع الاول کی شب کو شیر شاہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور وہ تاریخ میں اپنا روشن باب رقم کر کے اس جہان رنگ و بو سے کوچ کر گیا۔

وکی پیڈیا میں ہے:

> ''شیر شاہ سوری 1486ء میں پیدا ہوا اور 22 مئی 1545ء میں وفات پا گیا۔(ایک جگہ تاریخ وفات 13 مئی ہے'')
>
> *"He died in an accidental gunpowder explosion in the fort of Kalinjar on 10th day of Rabi' al-awwal, A.H. 952 or 13 May 1545 AD."*

شیر شاہ نے صرف پانچ برس تک حکومت کی تھی مگر ان پانچ برسوں میں اس نے تاریخ کے دھارے بدل کر رکھ دیئے تھے۔اس کے جانشین بھی چند سالوں سے زیادہ اس حکومت کو برقرار نہ رکھ سکے مگر شیر شاہ نے جو کام کیے وہ سو سال میں بھی ممکن نہیں تھے۔اس کا نظام حکومت اور اس کے محکمے آج تک کسی نہ کسی صورت میں برقرار چلے آ رہے ہیں۔شیر شاہ کا نظام مالگذاری،سونار گاؤں سے نیلاب تک شاہراہ کی تعمیر اور فلاح عوام کے کام ہمیشہ زندہ رہیں گے۔زمینوں کی پیمائش کا نظام بھی آج تک اسی کی بنیادوں پر استوار ہے۔

شیر شاہ کی وفات کی خبر کو پوشیدہ رکھا گیا اور عادل خاں اور جلال خاں کو پیغام بھیجا

گیا کہ وہ فوراً وہاں پہنچیں۔ امراء اور سرداروں نے جلال خاں کو مستقبل کے فرمانروا کے طور پر منتخب کر لیا تھا۔

عادل خاں اس وقت رنتھمبور میں اور جلال خاں 50 میل کے فاصلے پر ریوا میں موجود تھا۔ جلال خاں نے ریوا میں اپنا کام مکمل کیا اور پانچ روز بعد 15 ربیع الاول بروز جمعرات 952 ہجری کو کالنجر پہنچا جہاں اسی کی رسم تاجپوشی ادا کی گئی۔

شیر شاہ کی تدفین

شیر شاہ کا جسد خاکی ابھی تک خیمے میں پڑا تھا۔ شیر شاہ کو پہلے تو عارضی طور پر کالنجر کے قریب دفن کیا گیا۔ پھر اسے سہسرام کے مقبرے میں منتقل کر دیا گیا۔

مزار بھورے پتھروں کی ایک شاندار عمارت ہے جس کے بارے میں ایک مؤرخ نے لکھا ہے:

> ''یہ بھُورے پتھروں کی ایک شاندار عمارت ہے جو مردانہ طاقت اور ابدی سکون کی آئینہ دار ہے۔ اس کو ایک تالاب کے وسط میں تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کی بنیادوں کا خاکہ ہشت پہلو ہے جن میں سے ہر پہلو کی لمبائی پانچ چھ فٹ ہے۔ عمارت کا قطر 135 اور گنبد 71 فٹ ہے۔ مقبرہ کے باہر تقریباً دس فٹ چوڑی گیلری چھوڑی گئی ہے۔ شیر شاہ کے مقبرے کے علاوہ اس کی ''مسجدِ کلاں'' بھی ایک قابلِ ذکر عمارت ہے۔ بالخصوص اس کی پچی کاری اور دوسری آرائشیں بہت ہی قابلِ ستائش ہیں۔''

اس مقبرے میں ہندی اور اسلامی طرز تعمیر کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ مقبرہ اس جری پٹھان کی یاد میں بنایا گیا جس نے ہندوستان میں آنکھ کھولی اور بیرونی حملہ آور اور مہم جوؤں کو ملک کی حدوں سے باہر نکال دیا۔ مقبرے کی تعمیر میں Sandstone استعمال کیا گیا۔

اسے علاول نے ڈیزائن کیا تھا۔ مقبرے کی اونچائی 122 فٹ ہے جب کہ اس کا سن تکمیل 16 اگست 1545ء ہے۔

موت سے قبل شیر شاہ نے اپنا رسوخ استعمال کر کے سلطان ترکی کے ساتھ یہ پلان بنایا کہ وہ اس طرف سے ایران پر حملہ آور ہو اور ادھر سے شیر شاہ ایران پر حملہ کرے گا۔ جب یہ علاقہ فتح ہو جائے گا تو یہ ترکی کی سلطنت میں شامل ہو جائے گا۔ مگر اجل نے شیر شاہ کو ایران پر حملہ آور ہونے کی مہلت نہ دی۔ ایران پر حملہ کر کے شیر شاہ ہمایوں سے اپنے بیٹے کا انتقام لینا چاہتا تھا۔

وکی پیڈیا میں شیر شاہ سوری کے مزار کے بارے میں لکھا ہے:

"His tomb is an example of Indo-Islamic architecture, it was designed by the architect Aliwal Khan and built between 1540 and 1545, this red sandstone mausoleum (122 ft high), which stands in the middle of an artificial lake, which is nearly square, is known as the second Taj Mahal of India. The tomb stands at the centre of the lake on a square stone plinth with domed kiosks, chhatris at each of its corners, further there are stone banks and stepped moorings on all sides of the plinth, which is connected to the mainland through a wide stone bridge. The main tomb is built on octagonal plan, topped by a dome, 22-metre in span and surrounded ornamental domed kiosks which were once covered in coloured glazed tile work.The tomb was built during the reign of his son Islam Shah. An inscription dates its completion to August 16, 1545, three months after the death of Sher Shah."

باب ۶۳

تاریخ وصال

شیر شاہ کی تاریخ وصال ''ز آتش مرد'' یعنی آگ سے موت سے دوچار ہوا سے برآمد ہوتی ہے۔قطعہ وصال حسب ذیل ہے۔

شیر شاہ آں کہ از مہابت او
شیر و بز آب را بہم مے خورد
از جہاں رفت و گفت پیر خرد
سال تاریخ او ''ز آتش مرد''

ترجمہ:

''شیر شاہ وہ تھا جس کے جلال کے خوف سے
شیر اور بکری ایک گھاٹ باہم پانی پیتے تھے۔
جب وہ اس جہاں سے اٹھا تو ایک عاقل بزرگ نے کہا
اس کی تاریخ کا سال ز آتش مرد (یعنی وہ آگ سے مر گیا) ہے۔''

باب ٦٤

شیر شاہ سوری کا انتظام مملکت

شیر شاہ سوری کا قول تھا۔ صاحب اختیار انسان کو ہمیشہ مستعد اور سرگرم عمل رہنا چاہیے۔ بادشاہ کو اپنے مرتبے کا لحاظ کرتے ہوئے کسی سرکاری کام کو غیر ضروری نہیں سمجھنا چاہیے۔

شیر شاہ نے اپنی سلطنت کو 47 سرکاروں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ مغلوں نے انھیں صوبہ جبکہ انگریز نے اضلاع کا درجہ دیا۔ ایک سرکار پرگنوں پر مشتمل ہوتی تھی اور پرگنہ شقوں یا تپوں پر مشتمل تھا۔ دیہہ کی اصطلاح بھی اسی دور کی پیداوار ہے۔

شیر شاہ سوری نے اپنی مرکزی حکومت کو ان شعبوں میں تقسیم کر رکھا تھا:

دیوان وزارت

اس کا سربراہ وزیر کہلاتا تھا جس کے ذمے مالیہ اور مالیات کا شعبہ تھا۔ حکومت کی آمدنی اور اخراجات کی نگرانی اس کے سپرد تھی۔ مزید برآں دوسرے وزرا کے فرائض کی نگرانی بھی اس کے ذمے تھی۔ شیر شاہ سوری خود بھی ماہر معاشیات تھا۔ اس لئے وہ بذات خود اس شعبے میں گہری دلچسپی لیتا تھا اس دور کے مورخین نے لکھا ہے کہ شیر شاہ سوری روزانہ حکومت کی آمدنی اور اخراجات کے گوشواروں کی پڑتال کیا کرتا تھا جو ہندی اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھے جاتے تھے۔ پرگنوں کی جانب واجب الادا رقوم کے بقایا جات کے بارے میں بھی پوری

معلومات حاصل کرتا تھا۔

دیوان عرض

اس سے مراد وزیر دفاع اور وزارت دفاع کا محکمہ تھا۔ فوج کا سربراہ تو خود شیر شاہ سوری تھا تاہم دیوان عرض فوج کی بھرتی، نظم وضبط اور تربیت، تنخواہوں کی تقسیم وغیرہ کی ذمہ داری ادا کرتا تھا۔ شیر شاہ سوری فوج کے امور میں گہری ذاتی دلچسپی رکھتا تھا۔ بعض مورخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ شیر شاہ فوج کی بھرتی اپنی نگرانی میں کرواتا اور ہر جوان کی تنخواہ بھی خود مقرر کرتا تھا۔

دیوان رسالت

اس سے مراد وزارت خارجہ اور وزیر خارجہ ہے اس کی ذمہ داری میں دوسرے ملکوں میں سفیروں کا تقرر، بیرونی ملکوں کے سفیروں کا استقبال، بیرونی ملکوں سے خط وکتابت کرنا اور معاہدات اور دستاویزات کی تیاری کے ساتھ ساتھ ان کا مکمل ریکارڈ رکھنا بھی شامل تھا۔

دیوان انشاء

یہ مرکزی حکومت کا سیکرٹریٹ تھا جہاں شاہی احکام وفرامین کے مسودات کی تیاری ہوتی تھی اور متعلقہ حکام تک ان کی ترسیل اسی وزارت کی ذمے داری تھی۔ حکومت کا جملہ ریکارڈ بھی دیوان انشاء کی تحویل میں رہتا تھا۔

دیوان قضاء

یہ عدل وانصاف کا شعبہ تھا جس کا سربراہ قاضی القضاۃ ہوتا تھا۔ سرکاروں اور

پرگنوں میں قاضیوں کی تقرری کرتا تھا۔اُن کے فیصلوں کے خلاف اپیل اسی سے کی جاسکتی تھی یعنی اسے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے اختیارات حاصل ہوتے تھے۔

دیوان برید

یہ ڈاک کا محکمہ تھا جس سے جاسوس اور شاہی ڈاک کے ہرکارے بھی وابستہ تھے۔بادشاہ کو ہر حصے سے فوری خبریں اور اطلاعات موصول ہوتی تھیں۔

شیر شاہ کا نظام جاسوسی

چونسہ اور قنوج کی فیصلہ کن جنگوں میں شیر شاہ کی سیکرٹ سروس نے بھی نہایت اہم کردار ادا کیا تھا۔دشمن کی ایک ایک حرکت کی اسے فوری اطلاع ملتی تھی جب کہ دشمن کا جاسوسی کا نظام اتنا موٴثر نہیں تھا اور شیر شاہ ان کیلئے اندھیرے کا تیر بن گیا تھا۔شیر شاہ نے جاسوسوں کے ذریعے افواہ پھیلانے کا طریقہ بھی اختیار کیا جس سے دشمن کی ہمت لڑنے سے پہلے ہی ختم ہوجاتی تھی۔ہمایوں کو شکست دینے کے بعد اس نے جاسوسی کے نظام سے عوام کی خبر گیری کی اور اسے فوراً علم ہوجاتا تھا کہ کس جگہ کے مقدم اپنے فرائض سے پہلو تہی کررہے ہیں؟ کس منڈی میں گراں فروشی ہورہی ہے؟ کس علاقے کی شاہراہیں خراب ہورہی ہیں؟

شیر شاہ سوری کا توپ خانہ

ظہیر الدین بابر کی پانی پت میں ابراہیم لودی پر فتح کا ایک سبب اس کا توپ خانہ بھی تھا۔شیر شاہ نے اس حکمت عملی پر سوچا اور اسے اس نہج پر ترقی دی کہ میدان جنگ میں اپنے سپاہیوں کا کم سے کم جانی نقصان ہو جب کہ دشمن کا بھاری نقصان ہو۔شیر شاہ نے اپنی جنگی ذہانت سے ہلکی توپیں ڈھلوا کر کشتیوں پر نصب کرائیں جو دشمن کی زد سے دور رہ کر دشمن پر گولہ باری کرکے اسے شدید نقصان پہنچانے کے علاوہ بدحواسی کا شکار بھی بنادیتی تھیں۔

خانساماں

شاہی محل کے اخراجات اور خوراک کا انتظام اس کے پاس ہوتا تھا۔خوراک کے ذخائر،شاہی ضیافت اور کھانوں کا اہتمام کرتا تھا۔

لودھی عہد کے امراء کو اقطاع (جاگیر) دیے جاتے تھے جن کی آمدن سے وہ فوج کے اخراجات پورے کرتے تھے لیکن شیر شاہ نے محصولات کی وصولی کیلئے عمل گزار مقرر کرر کھے تھے جو براہ راست سلطان کو جواب دہ ہوتے تھے اور افواج کو ماہانہ تنخواہ دی جاتی تھی۔

رزق اللہ مشتاقی نے لکھا ہے:

''جب ہم (مغلوں) نے گجرات کی جانب کوچ کیا اس (شیر شاہ) کے پاس 6000 گھڑسوار تھے جنھیں وہ سالانہ 12 کروڑ روپے ادا کرتا ہے۔جبکہ ہمارے ہاں اتنی رقم 70000 گھڑسواروں کو دی جاتی ہے۔''

یہ رقم دام میں ہوتی تھی دو دام کا ایک تنکا اور چالیس تنکوں کا ایک روپیا ہوتا تھا۔اقطاع اور جاگیر میں کچھ فرق ہے جسے بیشتر مؤرخین نے نظر انداز کیا ہے۔اس سے مراد ایسی زمین تھی جو بے چراغ ہو اس کا کوئی مالک یا دعویدار نہ ہو،اس کا مالک نقل مکانی کر کے جا چکا ہو۔یہ زمین کسی ایسے معبد سے متعلق ہو جس کے لوگ یہاں نہ ہوں۔اسے پہلے قطعہ یا قطع کا نام دیا گیا اور پھر اقطاع کہا گیا۔یہ جگہ گورنمنٹ کسی کو بھی الاٹ کر سکتی تھی جس کے نام کی جاتی وہ مقطعی کہلاتا تھا۔ فیروز خان ناگور کا مقطعی تھا۔علی خان لودھی دیپالپور کا،مقطعی کا مشیر کدخدا کہلاتا تھا۔

شیر شاہ سوری نے ولایت کو اقطاع میں بدلا اور 47 اقطاع بنائے۔روہتاس کا سنگ بنیاد رکھنے کے بعد خواص خان کو امیر الامراء بنایا گیا اور اسے مملکت کا دسواں حصہ دیا

گیا۔ شہنہ خالصہ زمین کا نگران و محاسب ہوتا تھا۔ سب کو دیوان وزارت کنٹرول کرتا تھا۔مشرف ایک خزانچی کا کام کرتا تھا جس کا ایک نام ''غوطہ دار'' بھی تھا۔ بہلول کے مشیر عمر خان نے اوائل عمری میں فرید کوفرغانہ نامی گاؤں دیا تھا جو شاہ آباد میں تھا اس دوران شیر شاہ نے بہت سی بنیادی باتیں سیکھی تھیں۔

باب ٦٥

جلال خاں ''اسلام شاہ سوری''

شیر شاہ سوری کی وفات کی خبر عام نہیں کی گئی تھی تا کہ اس صورت حال سے دشمن فائدہ نہ اٹھا سکیں اور عادل خاں اور جلال خاں کو جو اس وقت رنتھمبور اور ریوا میں تھے۔ بلوا لیا گیا تھا۔ 15 ربیع الاول 952 ہجری کو جلال خاں کی رسم تاجپوشی ہوئی اور اس نے ''اسلام شاہ'' کا لقب اختیار کیا۔ عیسیٰ خان کو حکومت کا بڑا عہدہ ''تمبول دار'' دیا۔ دیگر افسران کو بھی مختلف عہدے دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔

خانہ جنگی کے شعلے

عادل خاں کے بیٹے نے آگرہ پر چڑھائی کر دی مگر آگرہ میں اسے کامیابی نہ ہوئی اور وہ اپنے والد کیلئے حمایت حاصل نہ کر سکا۔ اس کے بعد محمود خاں راجپوت سردار اور مسلمان امراء کے پاس بھی گیا مگر انھوں نے خانہ جنگی کے خوف سے اس کی مدد نہ کی۔ کالنجر سے اسلام شاہ آگرہ پہنچا جہاں پہنچتے ہی اس نے سپاہیوں کو دو دو ماہ تنخواہ بطور انعام دی۔

خواص کی حاضری

جب خواص خاں آگرہ پہنچا تو اسلام شاہ سوری نے نہایت تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا، اسے سینے سے لگا کر اس کے چہرے پہ بوسے دیئے۔ دیگر سردار بھی اسلام شاہ کے پاس حاضر ہوئے اور اس کی وفاداری کا عہد کیا۔

عادل خاں

عادل خاں رنتھمبور میں تھا اس نے رنتھمبور چھوڑنے اور حاضر ہو کر اطاعت قبول

کرنے سے انکار کر دیا۔ تاہم بعد میں اس نے خط لکھا کہ وہ آگرہ آنے کیلئے تیار ہے بشرطیکہ خواص خاں ''قطب خاں نائب'' عیسیٰ خان اور جلال بن جالو اسے جان سلامتی کا یقین دلا دیں۔

لہٰذا یہ چاروں سردار عادل خاں کے پاس پہنچے اور اس کو یقین دہانی کرائی کہ اسلام شاہ اس کے ساتھ احسن سلوک کرے گا۔ عادل شاہ نے رتھمبور سے کوچ کیا اور فتح پور سیکری میں آ کر ٹھہرا۔

اسلام شاہ کی سازش

اسلام شاہ عادل خاں کو دربار میں ہی قتل کرا دینا چاہتا تھا۔ مگر یہ تجویز ناکام ہو گئی لہٰذا عادل خاں دربار میں داخل ہوا تو اسلام شاہ تخت سے اتر کر آگے بڑھا اور اپنے بھائی کا ہاتھ تھام کر اسے تخت پہ بٹھا دیا اور بولا:

''آپ تاج کے حقدار اور بادشاہ ہیں میں تو قائم مقام کے فرائض سر انجام دے رہا تھا۔ لیجیے اپنی امانت سنبھالیے۔''

عادل خاں کا عدل

عادل خاں تخت سے اٹھا اس نے اسلام شاہ کا ہاتھ تھاما اور اسے دوبارہ تخت پر بٹھا کر خود اس کی اطاعت قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ اسلام شاہ نے آگرہ سے 35 میل جنوب مغرب میں ''بیانہ'' کا قلعہ عادل خاں کو بخش دیا اور اسے کہا کہ جب تک قلعہ خالی نہیں ہوتا عادل خاں آگرہ سے 6 میل دور ''سکندر'' میں قیام کر سکتا ہے۔

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے پھر کیسا مکر گیا
جتنی دیر میں میرا بندھا ہوا بستر کھلا

ابھی چند ہی روز گذرے تھے کہ اسلام شاہ کا ارادہ بدل گیا اس نے اپنے ایک

خواص غازی محلی کو ایک ''طلائی زنجیر'' دے کر بھیجا کہ وہ عادل خاں کو گرفتار کر کے لے آئے۔اس اطلاع پر خواص خاں اور عیسیٰ خان نے کھلے عام عادل خاں کی حمایت کا اعلان کر دیا۔جلال خاں بن جالو اور برہم جیت گوڑ بھی عادل خاں کے ساتھ مل گئے اور اسلام شاہ کو تخت سے محروم کرنے کی منصوبہ بندیاں ہونے لگیں۔

فوج میں بدامنی پھیل جانے کی وجہ سے اسلام شاہ چنار اور روہتاس کی جانب چلا گیا۔اس دوران میں سرداروں نے طے کرلیا کہ جب عادل شاہ کی فوج آگرہ کے نزدیک پہنچ جائے گی تو وہ اسلام شاہ کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔خواص اور دیگر سردار میوات کی سرحد سے آگرہ کی جانب روانہ ہو گئے۔جب وہ فتح پور سیکری پہنچے تو شب برات کی رات تھی۔

خواص خاں کی شب بیداری

خواص خاں ایک دلاور سپاہی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پرہیز گار اور صوفی منش انسان تھا۔ اس نے شیخ سلیم الدین چشتی کی اقتداء میں نماز ادا کی نوافل ادا کیے اور پھر ''منڈاگور'' کی جانب بڑھے۔اس مقام پر سپیدہ سحر نمودار ہو چکا تھا۔برہم جیت گوڑ، جلال خاں بن جالو اور دیگر کئی سردار دوبارہ اسلام شاہ سے جا کر مل گئے۔

ان واقعات کے حوالے سے مسٹر کالکارنجن نے اپنی کتاب ''شیر شاہ سوری اور اس کا عہد'' میں لکھا ہے:

> ''شیر شاہ کا یہ ارادہ تھا کہ اپنی سلطنت کو اپنے دونوں لڑکوں یعنی عادل خاں اور جلال خاں میں تقسیم کر دے۔روایت ہے کہ کسی موقع پر اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ اس کا پوتا محمود خاں بن عادل خاں اپنے والد اور چچا سے زیادہ اس کا وارث بننے کا مستحق ہے۔
>
> شیر شاہ کے دونوں لڑکے اس کی امیدوں سے فروتر ثابت ہو چکے تھے۔بڑے لڑکے میں طوفانی ماحول میں حکومت کرنے کا مادہ نہ تھا اور

نہ اس کی شخصیت ہی پُر رعب تھی۔ چھوٹا لڑکا آگ اور بجلی کی مانند تھا۔ مگر وہ انسانیت کے اوصاف سے بے بہرہ تھا۔

کالنجر کے محاصرہ میں شیر شاہ کی وفات کے بعد فوجی افسروں اور معتبر خانہ زاد امیروں کی ایک خفیہ میٹنگ ہوئی۔ بادشاہ کی وفات کی خبر کو باہر والوں سے پوشیدہ رکھا گیا۔ اور سب کام حسب معمول ہوتے رہے۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی خاص حادثہ واقع نہیں ہوا ہے مگر در پردہ میٹنگ میں دونوں شہزادوں کے اوصاف وخرابیوں پر تبصرہ ہوا۔ اور اس مسئلہ پر غور کیا گیا کہ شیر شاہ کے تاج وتخت کا وارث کس کو بنایا جائے۔ مجموعی طور پر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ بالآخر جلال خاں کی حمایت میں ایک ترکیب نکلی۔ جو لوگ عادل خاں کے بڑا ہونے کی وجہ سے اس کی حمایت کر رہے تھے ان کے ضمیر کو بظاہر دلیل پیش کر کے مطمئن کیا گیا۔ مثال کے طور پر یہ بتایا گیا کہ سلطان سکندر نے اپنے بڑے بھائی بارک شاہ کے حقوق کو غصب کر کے تخت حاصل کیا تھا بعد میں اس ضرب المثل کے مطابق کہ دولت وسلطنت حاضر کو ہی دستیاب ہوتی ہے۔ سمجھوتہ ہوا اور طے یہ پایا کہ دونوں بھائیوں میں سے جو کوئی پہلے پہنچ جائے گا اسی کو سلطان تسلیم کر لیا جائے گا۔

چنانچہ دو خط لکھے گئے۔ ایک خط کو لے کر عادل خاں کے لڑکے محمود خاں کو اس کے والد کے پاس رنتھمبور بھیج دیا گیا۔ اس بہانے وہ لشکر سے باہر چلا گیا اور دوسرے خط کو جلال خاں کے کیمپ ریوا میں بھیج دیا گیا جو کہ کالنجر سے براہِ راست 50 میل تھا۔ جلال خاں نے اپنے پہلے ہی فعل سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ واقعی بادشاہ بننے کے قابل ہے۔ خط ملنے پر کوئی مسرت یا یاس کی جھلک اس کے چہرے پر نہیں آئی۔ اس کے

لشکر میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی۔ وہ فوجی مفاد کے ایثار کیلئے تیار نہ تھا اور نہ ریوا کے جواں مرد اور پُر جوش راجپوتوں کو ہی پیٹھ دکھانا چاہتا تھا۔ کیوں کہ وہاں سے ایک دم ہٹنے سے اس کی حالت پُر خطر ہو جاتی چنانچہ اپنا کام ختم کر کے وہ پانچویں دن کالنجر پہنچ گیا۔ اور اسی روز 15 ربیع الاول 952ھ بروز جمعرات اسے تاج پہنا دیا گیا۔ شیر شاہ کی لاش کو جو ابھی تک خیمے میں رکھی ہوئی تھی عارضی طور پر کالنجر کے نزدیک دفن کر دیا گیا۔ بعد میں اس کو سہسرام کے مقبرے میں منتقل کیا گیا۔ چند روز کی عارضی خاموشی اور سکوت کے بعد خانہ جنگی کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا جس کی وجہ سے شیر شاہ کے ولی عہد کو ریوا کے راجا کے یہاں پناہ لینا پڑی۔

شہزادہ جلال خاں نے کالنجر میں اسلام شاہ کا خطاب اختیار کیا۔ فوج کے تمام افسروں کو جو وہاں موجود تھے راضی کیا۔ اور عیسیٰ خاں حاجب کو ''تمبول دار'' کے عہدے پر مقرر کیا۔ یہ حکومت کا سب سے زیادہ معتبر عہدہ تھا۔ اس نے عیسیٰ خاں کے لڑکوں کو حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر نامزد کیا۔ اور اس طرح بہترین دماغوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ حالانکہ نئے بادشاہ نے فوج کے سپہ سالاروں اور سرداروں کے ساتھ مروت کا سلوک کیا تھا۔ لیکن ہر شخص سراسیمہ تھا وہ اپنے سلطان پر اعتماد کرنے میں پس و پیش کر رہا تھا کیوں کہ اس نے فوج کے حالات سے آگاہی پانے کیلئے سب جگہ اپنے جاسوس مقرر کر دیئے تھے۔ ان جاسوسوں کا یہ فرض تھا کہ وہ بادشاہ کو بتائیں کہ سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر کام کرنے والے حضرات بادشاہ کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں اور سرکاروں کے فوج دار کیا کر رہے ہیں اسی اثنا میں شہزادہ عادل خاں کے لڑکے محمود خاں نے آگرہ پر چھاپہ مارا۔ اسے یہ امید تھی کہ یہ دار

السلطنت کے رہنے والے عادل خاں کی موافقت کریں گے۔لیکن قلعہ کے افسر اور سپاہی قلعہ میں ہی پناہ گزیں ہو گئے۔ اور انھوں نے نفرت وحقارت سے اس کے وعدوں اور دھمکیوں کو ٹھکرا دیا۔شیر شاہ کا یہ نوجوان اولوالعزم پوتا اپنے والد کیلئے معاون و مددگار تلاش کرنے کی نیت سے راجپوتانہ کے سرداروں کے پاس بھی گیا۔ جودھ پور کا خواص خاں، ناگور کا عیسیٰ خاں نیازی، اجمیر کا برہم جیت گوڑ، پرمارا کا جلال خاں بن جالو اس رائے کے تھے کہ شیر شاہ کا جائز وارث ہی اس کی گدی پر بیٹھے۔لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ تمام امیر وسردار حتیٰ کہ لاہور کا ہیبت خاں نیازی بھی اسلام شاہ کے حق میں حلف وفاداری اٹھا چکے ہیں تو انہوں نے اس تجویز کی مخالفت کرنا اور ملک کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونکنا مناسب نہ سمجھا۔انھوں نے بھی اسلام شاہ کے خطوط کا جواب دے دیا اور اس کے خطاب شاہی کو تسلیم کر لیا۔ اور اس سے درخواست کی کہ عادل خاں کی جان و جاگیر کو محفوظ رکھا جائے۔ عادل خاں اس وقت رنتھمبور کے قلعہ میں پناہ گزیں تھا۔

جلال خاں بن جالو نے جو کہ ایک دلیر جنگ آزمودہ سپاہی اور اسلام شاہ کا جگری دوست تھا۔ یہ بات کھول کر کہہ دی کہ سلطنت کے امرائے عظام کو غلطی میں مبتلا کر کے حلف دروغی کرنے سے تو بہتر یہ ہوگا کہ فوراً رنتھمبور پر دھاوا بول دیا جائے اور عادل خاں کو سلطنت کے باہر دور ختم کر دیا جائے۔ اس نے کہا ’’آپ جو وعدہ کر رہے ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ کل عادل خاں کے پہنچنے کے بعد وفا نہ کریں گے۔ کیوں کہ حکمراں ایسی ہی حالت میں صلح اور مصالحت کرتے ہیں جب کہ وہ بزور بازو اپنے منصوبوں کی تکمیل نہیں کر سکتے۔‘‘

اسلام شاہ سے جھڑپ

خواص خاں نے آگرہ کے نزدیک عادل خاں کی حمایت میں اسلام شاہ سے لڑائی کی۔ جلال خاں بن جالو نے اسلام شاہ کی طرف سے لڑائی لڑی۔ خواص خاں کافی دیر تک لڑتا رہا اور اس کے بعد پیچھے ہٹ کر میوات چلا گیا۔ عیسیٰ خان بھی اس کے ساتھ تھا۔ یہاں ایک مقام ''جھرکہ'' پر ایک اور لڑائی ہوئی جس میں خواص خاں کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ یہاں سے خواص خاں اور عیسیٰ خاں ''سرہند'' چلے گئے۔

خواص خاں انبالہ کے میدان کارزار میں

نیازیوں نے ہیبت خاں کے علم تلے ایک بڑا لشکر فراہم کر دیا۔ اس لشکر پر انبالہ کے نزدیک اسلام شاہ نے حملہ کر دیا۔ اس وقت خواص خاں بھی ''کمایوں کے پہاڑوں'' سے آ کر ہیبت خاں کے ساتھ مل گیا۔ ابتدائی طور پر نیازیوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس کامیابی نے انھیں اقتدار کے ''سپنے'' دکھانا شروع کر دیئے۔ جب خواص خاں کو اس کی بھنک پڑی تو اس نے نیازیوں سے استفسار کیا۔ نیازیوں نے کہا کہ تخت اسی کا ہوتا ہے جو بزور طاقت اس پہ قابض ہو جاتا ہے۔ خواص خاں، عادل خاں کو تخت نشین دیکھنا چاہتا تھا کیوں کہ وہ اس کے نزدیک جائز حقدار تھا۔

خواص خاں کی جنگی وسیاسی چال

خواص خاں اگرچہ شیر شاہ کے بعد عادل خاں کو تخت کا جائز وارث سمجھتا تھا مگر اسلام شاہ کو بھی نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگلے روز جب نیازی اسلام شاہ پر فیصلہ کن حملے کیلئے نکلے اور لڑائی شروع ہوگئی تو خواص خاں نے اپنی فوج کو وہاں سے ہٹا لیا اور لڑائی سے غیر جانبدار ہو کر ایک طرف پہاڑی پہ کھڑا ہو گیا۔ جب نیازی میدان میں تنہا رہ گئے تو انھوں نے

فرار ہونے ہی کو غنیمت جانا۔

خواص خان اس لیے کھڑا تھا اگر اسلام شاہ کمزور پڑ جائے تو وہ اس کی مدد کو جائے مگر جب میدان میں اسلام شاہ کا پلہ بھاری ثابت ہوا تو خواص خاں نے اسے کسی شکریے کا موقع دینے کی بجائے اعظم ہمایوں اور قطب خان کی سپاہ میں سے اپنا راستہ بنایا اور آگے بڑھ کر پہاڑوں کی راہ لی۔ ان سرداروں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ اس ''سیاہ آندھی'' کو روکنے کی کوشش نہ کریں۔

اسلام شاہ نے نیازیوں کا تعاقب کرنے کیلئے اویس سروانی کو حکم دیا۔ کئی نیازی دلدلی ندی پار کرتے ہوئے مارے گئے۔ باقی ماندہ سندھ کی جانب چلے گئے۔ انھوں نے اویس سروانی کو شکست سے دوچار کر دیا مگر جب دہلی سے مزید کمک آ گئی تو وہ پسپا ہو کر جہلم چلا آیا جہاں گکھڑوں نے اسے اپنا دوست تسلیم کر لیا۔ اس وقت گکھڑوں نے منگلا کے نزدیک ''قلعہ سلطان پور'' تعمیر کر رکھا تھا یہ دراصل ایک ''فصیل دار شہر'' تھا۔

اسلام شاہ نے نیازیوں کا پیچھا کیا اور پنجاب میں دو برس تک مقیم رہا۔ اسی دوران اس نے اپنی فوج میں ہندو سپاہی بھی بھرتی کرنا شروع کر دیئے تھے۔

مان کوٹ کی تعمیر

اسلام شاہ نے پنجاب کی حفاظت کیلئے کشمیر کی سرحد کے نزدیک ''مان کوٹ'' تعمیر کرایا۔ یہ چار شہروں اور چار قلعوں پر مشتمل تھا۔ ہر ''کوٹ'' کا نام مختلف تھا۔ یہ لاہور سے 101 میل بطرف شمالی مشرق واقع تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فن و تعمیر اور مضبوطی میں یہ کسی بھی طرح ''قلعہ روہتاس جہلم'' سے کم نہیں تھا۔

اسلام شاہ نے جہلم پہنچ کر گکھڑوں سے کہا کہ وہ نیازیوں کا ساتھ نہ دیں اور انھیں یہاں سے نکال دیں جس پر نیازی یہاں سے چلے گئے۔ نیازیوں کا ایک دستہ کشمیر میں داخل ہو گیا۔ اسلام شاہ اس وقت ''قلعہ روہتاس جہلم'' میں موجود تھا۔ اہل کشمیر نے اس ڈر سے کہ

مبادا اسلام شاہ نیازیوں کے بہانے کشمیر پر حملہ کر دے۔ نیازیوں کے اس دستے کو نیست و نابود کر دیا اور ہیبت خان کو اسلام شاہ کے حوالے کر دیا۔ اس طرح پنجاب بھر میں نیازیوں کے عروج کا دور ختم ہو گیا۔

''آئینہ روہتاس'' میں ہے:

''ہیبت خان نے اسلام شاہ کے خلاف بغاوت کر دی اور فوج لیکر دہلی کی طرف بڑھا۔ مگر انبالہ کے قریب شاہی فوجوں نے اُسے شکست دی۔ اور وہ جان بچا کر بھاگ نکلا۔ پنجاب اسلام شاہ کے قبضے میں آ گیا۔ ہیبت خان نے دوبارہ فوج جمع کر کے حملہ کیا' مگر پھر شکست کھائی۔ آخر کشمیر کی طرف بھاگ گیا۔ جہاں ایک قبیلہ کے سردار نے اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ نیازیوں نے اسلام شاہ سے شکست کھا کر روہتاس کے اردگرد گکھڑوں سے پناہ لی۔ مگر اسلام شاہ نے روہتاس کو مکمل طور پہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔''

شجاعت خاں

اسلام شاہ نے بڑی سیاست سے جلال خاں جالو اور قطب خاں کو اپنی راہ سے ہٹا دیا تھا۔ شجاعت خاں کے ساتھ مصالحت کر لی مگر وہ جان کے خوف سے بھاگ کر گجرات چلا گیا اور سلطان محمود گجراتی کی ملازمت اختیار کر لی۔ سلطان محمود نے بھی اس خوف سے کہ کہیں اسلام شاہ گجرات پر حملہ نہ کر دے اسے چلے جانے کو کہا اور وہ بلگرانہ چلا گیا۔ اسلام شاہ نے مالوہ کا صوبہ عیسیٰ خاں کو دے دیا تھا مگر اسلام شاہ کی وفات کے بعد شجاعت خاں نے پھر مالوہ پر قبضہ کر لیا۔

خواص خاں کی شہادت

خواص خاں کمایوں کے راجا کے پاس تھا اس راجا پر اسلام شاہ نے تابڑ توڑ حملے کیے۔اس پر خواص خان تن تنہا دہلی جا پہنچا تا کہ وہ راجا کیلئے دردسر نہ بنے۔اسلام شاہ نے خواص خاں کو سر عام پھانسی پر لٹکا دیا اور تین روز تک اس کی لاش کو چوراہے میں پڑی رہنے دیا۔روایت ہے کہ ہر روز خواص خاں کی لاش مہکتے ہوئے گلاب کے پھولوں سے ڈھک جاتی تھی۔اس سے خائف ہو کر اسلام شاہ نے خواص خاں کی تدفین کی اجازت دیدی۔

جودھپور میں خواص خاں کا مزار

خواص خاں کی شہادت کی اطلاع جودھپور کے لوگوں کو پہنچی تو وہاں کے لوگوں نے خواص خاں کا ایک ''یادگاری مزار'' تعمیر کر دیا۔دراصل خواص خاں جہاں ایک دلیر جنگجو اور فہیم سالار تھا، وہیں تصوف سے بھی گہری رغبت رکھتا تھا۔اس کے چاہنے والے بے شمار تھے۔

خواص خاں کی شہادت کی دوسری روایت

احمد یادگار کی ''تاریخ سلاطین افغانستان'' میں جو ''تاریخ شاہی'' کے نام سے معروف ہے تحریر ہے کہ اسلام شاہ نے خواص خاں کو ایک خط تحریر کیا اور لکھا کہ ایک مسلم مجاہد کی حیثیت سے اس کا فرض ہے کہ وہ اجمیر کے رانا کے خلاف جہاد کرے کیوں کہ اس نے مسلمان خواتین اور بچوں کو قید کر رکھا ہے۔اس پر خواص خان پہاڑ سے نیچے اترا تو تاریکی میں خواص خاں کو شہید کر دیا۔اس کی کھال میں بھوسہ بھر دیا گیا۔

{تاریخ شاہی ''تاریخ سلاطین افاغنہ'' احمد یادگار}

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خواص خاں کو شہید کیا گیا تو وہ تلاوت میں مشغول تھا۔خواص خاں کا کٹا ہوا سر نیزے کی نوک پر دہلی بھیج دیا گیا۔جب یہ سر دہلی پہنچا تو شہر میں آندھی اور

طوفان کے ساتھ زلزلہ بھی آیا اور کئی مکانات زمین بوس ہو گئے۔ نیز اس کی لاش کو بھی پھولوں سے ڈھکا ہوا پایا گیا۔ خواص خاں کو دہلی میں لال دروازے کے نزدیک دفن کیا گیا۔

''آئینہ روہتاس'' میں ہے:

''شیر شاہ کے تین سال بعد چار پانچ سال میں سلیم شاہ (اسلام شاہ) کی زیر نگرانی قلعہ تعمیر ہوتا رہا۔ اس وقت روہتاس کا گورنر خواص خان شیر شاہ کا، لے پالک بیٹا تھا (یا کنیز زاد) جس نے سلیم شاہ کی تخت نشینی میں رُکاوٹ پیدا کرنا چاہی۔ کیونکہ اس کا چھوٹا بھائی عادل خان اُس سے بہتر تھا۔ تاہم ہیبت خان نیازی اور خواص خان میں نا اتفاقی اُن کی دو لاکھ فوج کو سلیم شاہ کے تیس ہزار سپاہیوں سے منتشر کرانے میں آڑے آئی۔ پھر بھی خواص خان روہتاس کا گورنر رہا۔

خواص خان چونکہ عادل خان کا حامی تھا۔ اُس نے ہیبت خان نیازی کی مدد سے سلیم شاہ کو تخت پہ قابض ہونے سے منع کیا۔ اس کے باوجود سلیم شاہ دہلی کے تخت پہ قابض ہو گیا۔ لہٰذا اس کا جواب طاقت سے دینے کیلئے ہیبت خان نیازی کو لاہور میں فوج تیار کرنے کا حکم دیا اور خود خواص خان روہتاس سے فوجیں لے کر دہلی کی طرف بڑھا۔ جالندھر کے مقام پر ہیبت خان بھی اپنی جمعیت کے ساتھ آن پہنچا۔ ان کی متحدہ طاقت تقریباً دو لاکھ فوج تھی۔

سلیم شاہ تیس پینتیس ہزار سپاہیوں کو لیے ہوئے موجود تھا۔ قریب تھا کہ سلیم شاہ دُشمنوں کے خوف سے میدان چھوڑ جاتا' مگر اچانک اُس نے ایسی چال چلی کہ راتوں رات ہیبت خان نیازی کو میدان جنگ سے چلتا بنایا۔ صبح خواص خان نے اپنے آپ کو تنہا پایا تو حیران رہ گیا اور خاموشی سے اپنی فوج کے ہمراہ روہتاس آ گیا۔

اس کے بعد نہ تو سلیم شاہ نے خواص خان کو چھیڑا اور نہ خواص خان ہی نے اسے کچھ کہا اور گورنر روہتاس خواص خان سوری شہنشاہیت کے زیرِ اقتدار ہی کام کرتا رہا، سلیم شاہ اس عرصہ میں روہتاس آیا اور قلعہ کو تکمیل کے قریب پایا۔ مگر خواص خان کا خطرہ کسی طرح دل سے محو نہ ہوسکا۔

تاریخ روہتاس کے مصنّف قانون گو لالہ مہکراج نے ''خواص خان'' کی شہادت کو افسانوی انداز میں بیان کیا ہے۔ حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ نے بھی منظوم ''قصہ سخی خواص خاں'' تصنیف کیا جس میں خواص کے قتل کی تفصیلات ہیں۔ تاریخ ہند کے مطابق خواص خان اور سلیم شاہ کے مابین لڑائی ہوئی اور سلیم شاہ اکثریت کی وجہ سے کامیاب رہا اور خواص خان میدانِ جنگ میں کام آ گیا۔''

خواص خان سے منسوب ایک مزار قلعہ روہتاس کے اندر دروازہ سخی خواص خاں کے ساتھ واقع ہے جس میں اس کا سر مدفون ہے۔ خواص کی شہادت کے متعلق بے شمار داستانیں مشہور ہیں۔ ایک یہ کہ جب خواص خان کو شہید کیا گیا تو اس کا دھڑ گھوڑے پہ سوار لالہ موسیٰ کے برساتی نالے بھمبر تک جا پہنچا جہاں کچھ خواتین کپڑے دھو رہی تھیں۔ انہوں نے دیکھ کر شور مچا دیا اور دھڑ وہیں غائب ہوگیا۔ لہٰذا وہاں مزار بنا کر قصبے کو ''خواص پور'' کا نام دیا گیا۔

حاجی غلام حیدر کھٹانہ روہتاسی کا کہنا ہے کہ خواص خاں جب حضرت کمال چشتیؒ کے مزار کی طرف روانہ ہوا تو باہر اسلام شاہ سوری کے آدمیوں نے اس پر حملہ کر دیا اور تلوار کی ایک کاری ضرب سے اس کا سر اڑ گیا جسے خواص خانی دروازے کے پاس دفن کیا گیا' جبکہ بقیہ دھڑ کو گھوڑا لے کر بھاگا اور نالہ گھان کے نزدیک سنگھر خاں کے باغ کے پاس جا رکا لہٰذا دھڑ کو وہیں دفن کر کے مزار بنا دیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک بھاٹ اسلام شاہ کے حکم پر خواص خاں کو لے آیا اور سنگھر خاں کے باغ میں ٹھہرایا جہاں اسلام شاہ نے اپنے فوجی بھیج کر اسے ختم

کرادیا اس پر مذکورہ بھاٹ نے خودکشی کر لی۔ قلعہ روہتاس کے دروازہ خواص خانی کے ساتھ سات قبریں انہی بھاٹوں سے منسوب ہیں۔

باب٦٦

اسلام شاہ سوری کی اصلاحات

اسلام شاہ کا دست راست اور مشیر اب ''ہیمو'' تھا اسلام شاہ شیخ الاسلام مولانا عبداللہ سلطانپوری کا معتقد تھا۔اسلام شاہ نے بھی بہترین نظم ونسق کیلئے کوشش کی۔ بڑی سرکاروں میں 4000 گھڑسوار تھے۔

اسلام شاہ نے شیر شاہی سراؤں کے درمیان نئی سرائیں، مساجد اور بہشتی کا اہتمام کرایا۔لنگر قائم کرائے جہاں سے مسلمانوں کو پکا پکایا کھانا اور ہندوؤں کو کھانے کا سامان ملتا تھا۔امام صاحبان کیلئے مشاہرے کا انتظام کیا۔

اسلام شاہ کے جوتے اور ترکش ایک کرسی پہ رکھے جاتے تھے جو اس کی نمائندگی کرتے تھے۔انھیں باقاعدہ سلیوٹ کیا جاتا تھا۔ماروا‌ڑ میں حاجی بٹانی مقرر تھا۔سنبھل کا پرگنہ اپنے چچازاد بہنوئی مبارز خاں کو دے دیا تھا۔اسے 20,000 سپاہی دیئے اور اس پر نظر رکھنے کیلئے اپنے غلام ''پرخندہ خاچک'' کو اس کا نائب بنا دیا۔

مالوہ میں عیسیٰ خاں سوری، بیانہ میں غازی سوری، اور آگرہ اپنے بیٹے ابراہیم کو دے دیا تھا۔لاہور کا گورنر اس نے بہنوئی احمر خاں سور اور بنگال کا گورنر محمد خاں سور تھا۔اسلام شاہ ان سے مسلسل رابطہ رکھتا اور انھیں احکام بھیجتا رہتا تھا۔ان احکامات پر پوری طرح عمل درآمد کرایا جاتا تھا۔

اسلام شاہ کی چوکسی

ایک مرتبہ اسلام شاہ کو ستر جونکیں لگائی گئی تھیں تا کہ وہ اس کا فاسد خون چوس لیں۔ اسی دوران میں اسے اطلاع ملی کہ ہمایوں نیلاب سے پار آ گیا ہے۔ اس پر اس نے فوراً جونکیں اتار پھینکیں اور فوج کو پیش قدمی کا حکم دیا۔

اس وقت توپیں کھینچنے والے مویشی موجود نہیں تھے اور چراگاہ میں تھے۔ اسلام شاہ نے توپ گاڑیاں پیادوں سے کھینچوا کر دہلی سے 3 میل باہر لے گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دفاعی لحاظ سے کتنا چاک و چوبند تھا۔

بدایونی نے لکھا ہے:

''اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد اس نے فرمان صادر کیا کہ شیر شاہ کی بنی ہوئی ہر دو سراؤں کے درمیان ایک نئی سرائے بنوائی جائے۔ اور اس میں ایک مسجد، آرام گاہ، بہشتی اور لنگر کا انتظام ہونا چاہیے۔ لنگر خانہ سے مسلمانوں کو پکا ہوا کھانا اور ہندوؤں کو کھانا پکانے کا سامان ملنا چاہیے۔ اس نے ایک دوسرا فرمان جاری کیا کہ شیر شاہ کے زمانہ میں جو مدد معاش اور ائمہ لوگوں کو دی گئی تھی وہ اسی طرح تمام ہندوستان میں جاری رہے۔ اس کی تعمیر کردہ سرائے اور باغات کم نہ ہونے پائیں اور لا پرواہی سے ان کو ضرر نہ پہنچے۔ اور اس نے یہ بھی حکم دیا کہ لال رنگ کا خیمہ کوئی آدمی استعمال نہ کرے محض بادشاہ سلامت ہی اس رنگ کا خیمہ استعمال کر سکتے ہیں۔ دوسرا کام اس نے یہ کیا کہ سلطنت کی تمام زمین کو خالصہ بنا دیا۔ سپاہیوں کو نقد تنخواہ دی جانے لگی۔ شیر شاہ نے گھوڑوں پر داغ لگانے کی رسم جاری کی تھی۔ اس نے اس رسم کو جاری رکھنے کا حکم دیا''۔

{منتخب التواریخ، ملا عبدالقادر ملوک شاہ بدایونی}

اسلام شاہ کا انتقال

30اکتوبر1553ء کو جب کہ وہ آٹھ برس حکومت کر چکا تھا اسے نا گہاں ایک پھوڑا نکلا جو اس کی موت کا باعث بن گیا اور وارث تخت اس کا چھ سالہ بیٹا فیروز خاں بنا۔ اسلام شاہ کی وفات کے بعد ہر طرف خودسری اور بغاوت کی ہوا چلنے لگی۔

قلعہ روہتاس جہلم کا گورنر تاتار خاں کاشی تھا جس نے احمد خاں سوری کو شاہی خطاب اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ یہی تاتار خاں پھر مغلوں کا حلیف بن گیا تھا۔ مبارز خاں سے اسلام شاہ کو بہت سی توقعات تھیں اور اس کا خیال تھا کہ وہ اس کے بیٹے کا ولی وسرپرست ثابت ہوگا۔ مگر اس نے اپنے بھتیجے کو تو موت کے گھاٹ اتار دیا اور خود گوالیار میں ''سلطان عادل شاہ'' کا خطاب اختیار کر لیا۔

''تاریخ روہتاس'' میں ہے:

> ''اسلام شاہ کے بعد اس کا بیٹا فیروز شاہ تخت نشین ہوا اس کی ماں سلطانہ بی بی اس کی سرپرست تھی جب کہ ماموں مبارز خان محافظ سلطنت بنا۔ مگر اُس نے چھ ماہ بعد فیروز شاہ کو قتل کرا دیا اور خود ''عادل شاہ'' کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ عادل شاہ عیاش قسم کا بادشاہ تھا جس نے شیر شاہی خزانوں کو بے دریغ لٹا دیا۔ اس نے ہیموں بقال کو وزارت تک پہنچا دیا اور ہیموں نے کئی اختیارات سنبھال لیئے۔''

آگرہ میں ابراہیم سوری نے اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا اور عادل شاہ کو پے در پے شکست دی۔ مبارز خاں اگر فراست سے کام لیتا تو تخت کے اصلی وارث کا ولی بن کر حکمرانی کر سکتا تھا مگر اس نے اس کے قتل سے ہاتھ رنگ کر خود ہی اپنا مستقبل مخدوش کر لیا تھا۔

''آئینہ روہتاس'' میں ہی:

''ابراہیم سوری نے ان حالات سے فائدہ اٹھا کر آگرہ سے بڑھ کر دہلی پہ قبضہ کرلیا۔ عادل شاہ بنگال بھاگ گیا۔ ابراہیم سوری نے دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے کے بعد خلافت کے منبر پر قدم رکھا۔ اگرچہ شیر شاہ نے اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا تھا مگر اس نے خلافت سے پرہیز کیا تھا۔''

باب ٦٧

ہیمو کی وزارت

اس صورت حال میں افغانوں نے ہیمو کو وزیر بنا دیا اور تمام اختیارات اسے سونپ دیئے۔ ہیمو ریواڑی کے رمیا کا بیٹا تھا جس کی پیدائش ''قطب پور'' میں ہوئی تھی۔ ہیمو نے نہایت ادنیٰ سطح سے کام شروع کیا تھا۔ اسلام شاہ کے عہد میں بازار دہلی کا نگران مقرر ہوا اور آہستہ آہستہ اسلام شاہ کا منظور نظر بن گیا۔ ایک دور میں اس نے شورہ بیچنے اور پھر تولے کا کام بھی کیا۔ جب کامران مرزا ''مان کوٹ'' کی طرف سے اسلام شاہ کے پاس آ رہا تھا تو ''ہیمو بقال'' بھی ایک دستے کے ساتھ اس کی نگرانی کیلئے گیا تھا اس وقت کامران مرزا اندھا کر دیا گیا تھا۔

ہیمو کو دربار میں بے شمار اختیارات حاصل تھے اور پھر وہ کئی مہمات بھی سر کر چکا تھا۔ بعدازاں اس نے اپنے نام کے ساتھ ''رائے'' بھی لکھنا شروع کر دیا۔ پانی پت کی لڑائی میں ہیمو کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی۔ ہیمو بے شمار لڑائیوں میں افغانوں کا معاون خاص رہا اور ان کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔

عادل شاہ کے دربار میں ہیمو کے مرتبہ کے متعلق ابوالفضل لکھتا ہے:

''ہیمو سب عہدوں پر تقرر کرتا تھا۔ برخاست کرتا تھا اور عدالت کا بھی کام کرتا تھا۔ اس نے اپنی دور اندیشی سے شیر شاہ خاں اور سلیم خاں کے خزانہ اور ہاتھیوں کے اصطبل پر قبضہ کر لیا تھا۔''

ابوالفضل نے لکھا ہے:

''چند روز تک وہ اپنے نام کے ساتھ ''رائے'' لکھتا رہا۔ بعد میں اس نے راجا کا خطاب اختیار کرلیا۔ اور اپنے کو راجا بکرماجیت کہنے لگا۔ اس طرح وہ بڑے آدمیوں کا ہم نام بن گیا۔ اپنی حکمت عملی اور عاقبت اندیشی سے اس نے فقط نام کیلئے عادل شاہ کو تخت پر بٹھائے رکھا۔ اور اس کی جانب سے مخالفین سے لڑتا رہا۔ اپنی شجاعت و دلیری سے اسے لڑائیوں میں فتح نصیب ہوتی رہی۔ اس نے بڑے بڑے کام کیے۔ اپنی قابلیت و مردانگی کیلئے وہ مشہور ہوگیا۔ اس فتح میں حاجی خاں پٹھان کا زبردست ہاتھ تھا۔ کیوں کہ اُس نے ٹھیک وقت پر دشمن کا مقابلہ کیا تھا۔ پانی پت کی دوسری لڑائی میں ہیمو کی شکست محض ایک اتفاقیہ واقعہ تھا۔ چند روز پہلے علی قلی خاں زمانی نے اس کی توپیں چھین لی تھیں۔ اور لڑائی میں اس کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی۔ مہارانہ سانگا کے علاوہ نہ تو کسی ہندو کو میدانِ جنگ میں اتنے زخم آئے اور نہ کسی راجپوت نے غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف اتنی دلیری ہی دکھائی تھی جتنی کہ پانی پت کے میدان میں ریواڑی کے اس معمولی ہندو نے دکھائی تھی۔ ہیمو کی وفات سے سوری عہد کا آخری عظیم نمائندہ ختم ہو گیا۔ اس کی وفات نے سیاست میں شیر شاہ کے قابل ترین جانشین اکبرِ اعظم کیلئے راستہ صاف کر دیا۔''

پانی پت میں اس سے توپیں چھن گئی تھیں جس سے اسے ''شکست'' سے دوچار ہونا پڑا۔ ہیمو کی وفات کے بعد سوری سلطنت کا سورج بھی غروب ہوگیا۔

باب ٦٨

سکندر خان سوری

(احمد خاں سوری)

جب عادل شاہ بنگال کی طرف بھاگ نکلا تو سکندر سُوری نے جو روہتاس کا گورنر تھا اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور شمالی ہند کو اپنے قبضے میں لے لیا۔سکندر سُوری شیر شاہ کا چچا زاد بھائی اور عادل شاہ کا سالا تھا۔اس کے بعد اس نے دہلی کی جانب پیش قدمی کی اور ابراہیم سُوری کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کر لیا۔اس کے بعد اس نے روہتاس کی بادشاہت کو مستحکم کیا۔یعنی اس نے روہتاس کو ایک مرکز بنا کر دہلی کو سرنگوں کر دیا اور جہلم جیسے خطے سے جسے آج لوگ پسماندہ سمجھتے ہیں شمالی ہند پر حکومت کی اور تختِ دہلی کو زیرِ نگیں کر لیا۔

ہیموں بقال کو جب بادشاہ کی شکست کا علم ہوا تو وہ بھی اپنے لشکرِ جرار کے ساتھ دہلی کی جانب بڑھا۔سکندر سُوری نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کرنا چاہا۔مگر عالمِ افراتفری اور خانہ جنگی سے ہمایوں نے فائدہ اُٹھایا اور وہ ایران کی مدد سے پشاور کے راستے پنجاب پر حملہ آور ہو گیا۔اس وقت روہتاس کا گورنر تاتار خان تھا۔تاتار خان بادشاہ کی مدد کے لئے روہتاس سے فوج لے کر دہلی کی جانب بڑھا۔سُوریوں کے لئے یہ نہایت مشکل وقت تھا۔تاتار خان ابھی لاہور سے کچھ ہی آگے بڑھا تھا کہ اس کے قائم مقام گورنر روہتاس آدم خان نے جس کے اہل وعیال کو تاتار خان نے مغلیہ خاندان کی وفاداری اور سُوریوں سے غداری کی بناء پر کولہو میں پلوا دیا تھا' یہ موقع غنیمت جان کر ہمایوں کے ساتھ مل گیا اور وہ روہتاس کا قبضہ دینے کے لئے رواں تک آگے چلا گیا۔اس نے رواں کے قلعے میں ہمایوں کی بالادستی قبول کر لی اور قلعہ اس

کے سپرد کر دیا۔

ہمایوں جب ترکی کی پہاڑیوں سے ڈومیلی کے سامنے نمودار ہوا تو اس کی نظر روہتاس کے سفید جگمگاتے قلعے پر پڑی۔ جب دریافت کرنے پر اسے علم ہوا کہ یہ قلعہ شیر شاہ کے دبدبے، جاہ وجلال اور سطوت کی یادگار ہے تو اس نے اس قلعے کو مسمار کر دینے کا حکم دے دیا۔ تاہم بیرم خان نے دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمایوں سے درخواست کی کہ دشمن کا وقار اس کی پگڑی ہوتا ہے اور اس قلعے کی پگڑی اور وقار ''سوہل خانی دروازہ'' ہے اسے سرنگوں کر دیا جائے' اس قلعے کا وقار ختم ہو جائے گا۔ یعنی روہتاس ایسا مظلوم تھا جسے اپنوں نے بھی روندا اور غیروں نے بھی۔ اس مشورے پر ہمایوں نے توپیں گاڑ کر گولے برسائے اور سوہل خانی دروازے کے تین کنگرے منہدم کر دیئے۔ ان کنگروں کو عہدِ انگریزی میں از سرِ نو مرمّت کیا گیا۔

تاتار خان ایک بار پھر کابل خان کے تعاون سے تیس ہزار سپاہیوں کے لشکر کے ساتھ دہلی سے چلا مگر دریائے ستلج کے کنارے پر اس کی شکست کے ساتھ ہی اس کے اقتدار کا سُورج غروب ہو گیا۔

باب ٦٩

شیر شاہی سکے اور کتبے

شیر شاہ سوری نے اپنے عہد میں سکوں پر عربی کے ساتھ ساتھ ہندی زبان میں بھی اپنا نام کندہ کرایا۔ ''مسلم شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا'' کے مطابق اس کے کچھ سکوں پر ''سری سرساہ سوری'' اور کچھ پر ''شیر شاہ سوری'' کندہ کیا گیا تھا۔

وکی پیڈیا میں ہے:

"During his five year rule from 1540 to 1545, he set up a new template for civic and military administration. He adopted a tri-metal coinage based on copper, silver and gold coins and re-organised the postal system in his kingdom."

ترجمہ: ''1540ء سے 1545ء تک کے اپنے پانچ سالہ دَور میں اس نے عسکری اور سول انتظامیہ کیلئے نئی ٹکسال قائم کی اور تانبے کے علاوہ سونے اور چاندی کے سکے بھی ڈھلوائے اور پوری سلطنت میں محکمہ ڈاک کو بھی نئے سرے سے منظم کیا۔''

عہد شیر شاہی کے سکوں کے علاوہ اس دور کے بے شمار کتبے بھی ملتے ہیں جو مختلف عمارات پر کندہ ہیں یا پھر عجائب گھروں کی زینت ہیں۔

باب ۴۷

شیرشاہ سوری کے مقبرے کی حالتِ زار

شیرشاہ سوری نے جس قومی یک جہتی کی بنیاد رکھی اور جس طرح انصاف کا بول بالا کیا، اوراقِ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ شیرشاہ محض ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کی ایک تاریخ ساز شخصیت کا نام ہے۔ اگرچہ اس کے اقتدار کا سورج صرف پانچ سال آب وتاب کے ساتھ چمک کر غروب ہو گیا مگر اس نے اس پانچ سالہ دورِ حکومت میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم کر دیا اور وہ قواعد وضوابط بنا دیے کہ اس کے اقتدار میں ہر طرف امن و امان اور انصاف قائم ہو گیا اور پھر اس کے بعد شہنشاہ اکبر نے بھی پورے 48 برس تک اسی نظام کو اپنا کر حکومت کی۔ اس کے بعد انگریزوں نے بھی اسی کی پالیسی اختیار کی اور کامیابی کے ساتھ مفتوحہ ومقبوضہ علاقوں میں بندوبست کیا۔ مگر افسوس کہ اس قابل بادشاہ کی ان خدمات کے اعتراف کے باوجود اس کے مزار اور اس کی دیگر تعمیر کردہ عمارات کے خلاف نفرت کا ایک طوفان اُبل پڑا اور مختلف مقامات پر اس کی عمارات کو مسخ اور منہدم کیا جانے لگا۔ تاریخ کے ابواب کھرچے جانے لگے اور اس سے اس کے مزار کی عالی شان عمارت بھی محفوظ نہ رہ سکی۔

بہار کے شہر ''سہسرام'' میں واقع شیرشاہ کا مقبرہ اب لوگوں کی دست برد اور نفرت کا نشانہ ہے۔ سہسرام میں شیرشاہ کے مقبرے کی بھورے رنگ کی عمارت سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہے اور اس عمارت کے بغیر نہ تو سہسرام کو کوئی اہمیت حاصل ہے اور نہ اس کے بغیر سیاحت کا نقشہ مکمل ہو پاتا ہے۔

ملکی وغیر ملکی سیاح سہسرام کا رُخ صرف اس عظیم بادشاہ کے مقبرے کی بنا پر کرتے ہیں۔ یہ مقام وادی کیمور کے زیریں حصے میں واقع ہے جو موسم برسات میں وادیٔ کشمیر کا منظر پیش کرتی ہے۔

اس مقبرے کی تعمیر میں گندمی رنگ کے مقامی پتھر استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ نایاب قسم کے پتھر صرف اسی مقام سے ملتے ہیں اور اسی مقبرے میں استعمال ہوئے ہیں اور بقول ایک مؤرخ کے ان کی چمک دمک تاج محل کو بھی ماند کر دیتی ہے۔ جس خاک میں شیر شاہ سوری محوِ خواب ہے وہ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کی ملکیت ہے اور اس مقام پر تجاوز سے منع کرنے کے باوجود ناجائز تجاوزات کا سلسلہ جاری ہے۔ اگرچہ یہاں کسی قسم کی تبدیلی یا تعمیر قانوناً جرم ہے۔ 1977ء سے بعد مقبرے کے ارد گرد بہت سی چھوٹی بڑی تعمیرات سے تجاوز کا آغاز کر دیا گیا اور کمزور سیاست اور لچک دار قانون کے ذریعے اس جگہ کو مذہبی مقام اور عبادت گاہ کا درجہ دیا جا رہا ہے جو محض ڈھکوسلا ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اس مزار کو 1938ء میں قومی یادگار قرار دے کر انڈیا کے محکمہ آثارِ قدیمہ کی تحویل میں دیا گیا اور محکمہ کو ناجائز تجاوزات کی سترہ شکایات موصول ہوئیں مگر اس حوالے سے مثبت اقدامات نہ کیے گئے۔ اکتوبر 2001ء میں کچھ نئی تعمیرات کی گئیں اور ''وواہ منڈپ'' یا ''شادی ہال'' کے نام سے ایک نئی عمارت مقبرے کے پہلو میں کھڑی کر دی گئی۔ ان لوگوں نے کہا تھا کہ شادی ہال غریبوں کیلئے ہے اور اگر کسی نے اس امر میں روڑے اٹکائے تو اسے اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

پٹنہ سرکل کے سپرٹنڈنٹ آف آرکیالوجی کے مطابق کچھ بنیاد پرست تنظیموں اور ان کے علاقائی رہنماؤں کو اس قومی یادگار کی دیکھ بھال کیلئے مقرر کیا گیا تھا اور اس خرابی کا آغاز انہی لوگوں نے کیا۔

انھوں نے ایک منظم سازش کے تحت مقبرے پر اپنا تسلط قائم کر لیا اور مزے کی بات یہ کہ مقامی پولیس نے بھی ان کی ان غیر قانونی سرگرمیوں میں مداخلت نہ کی۔ جب اس

تجاوز اور ناجائز تعمیر و قبضے کا نوٹس لیا گیا تو ضلعی ارباب اختیار فوراً چوکنے ہو گئے مگر اس کے باوجود 13 اکتوبر تک انھوں نے کوئی اقدام نہ کیا اور اس جرم میں ملوث افراد کے خلاف کسی قسم کی کارروائی نہ کی گئی۔

اس حوالے سے پٹنہ کے آرکیالوجی سپرنٹنڈنٹ نے بہار کے گورنر اور چیف سیکرٹری سے بات چیت کی۔ مقامی اخبارات میں بھی اس کی خاصی مذمت کی گئی جس پر stay Orders جاری کر دیے گئے۔ مقامی انتظامیہ کے مجرموں کے ساتھ گٹھ جوڑ کو موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ چند ماہ تک تو تعمیراتی کام رکا رہا مگر اس کے بعد دوبارہ شروع ہو گیا۔ ایک سال پہلے کچھ شر پسند عناصر نے مقبرے کے مغربی اور عیدگاہ سے شمالی طرف ایک مندر کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔

اس طرح ایک اور مسئلہ کھڑا ہو رہا تھا مگر آثارِ قدیمہ کے افسران نے وقت پر ہی اس مسئلے کو نمٹا دیا اور مجوزہ مندر تعمیر نہ ہو سکا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ نام نہاد مذہبی رہنما عقائد کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ جب وہ مندر بنانے میں ناکام ہو گئے تو انھوں نے کچھ اور قسم کی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ مگر طرفہ تماشا تو یہ ہے کہ حکومت ہند آنکھیں چرائے بیٹھی ہے اور ایک خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہے۔ اگر مرکزی حکومت واقعی تاریخی عمارات کو ملکی و ثقافتی ورثہ اور تہذیب کی ایک علامت سمجھتی ہے تو اسے ان معاملات کی غیر جانبدارانہ تحقیق کرانی چاہیے۔ اگر حکومت دیگر سرگرمیوں میں ملوث افراد کو سلاخوں کے پیچھے دھکیل سکتی ہے تو ان لوگوں کا محاسبہ کیوں نہیں کر سکتی جو گنگا و جمنا کی وادیوں میں تاریخی آثار کو مٹانے کے درپے ہیں۔ اس بات کا جواب تو حکومت ہی دے سکتی ہے۔ مقبرے کے صحن میں مندر کی تعمیر کا معاملہ ہائی کورٹ میں زیرِ التوا ہے اور ہائی کورٹ نے ضلعی انتظامیہ سے رپورٹ طلب کی ہے۔ اب ضلعی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس کی تفصیلی رپورٹ فراہم کرے۔ مقبرے کے سامنے بنے ہوئے تالاب میں موجود جھیل کا پانی کبھی شفاف ہوا کرتا تھا اور اس کی سطح سے چاندی کی کرنیں منعکس ہوتی تھیں۔ لوگ اس تالاب کا پانی پینے اور کھانا پکانے کیلئے استعمال کیا

کرتے تھے۔ پرانے لوگ کہتے ہیں کہ یہاں گندے کپڑے یا برتن دھونے کی سخت ممانعت تھی۔لیکن اب تالاب پر ہر قسم کے کپڑے دھوئے اور اس کے ارد گرد دھوپ میں پھیلائے جاتے ہیں۔لوگ بڑی آزادی سے اس تالاب میں نہاتے دھوتے اور اچھلتے کودتے دکھائی دیتے ہیں۔''سرسوتی پوجا'' اور ''دسہرے'' کے مواقع پر یہاں ''مورتی وسرجن'' یعنی بتوں کو اشنان کرانے کی رسم بھی ادا کی جاتی ہے۔

اب اس تالاب کا پانی اس قدر متعفن اور غلیظ ہو چکا ہے کہ اس کے پاس سے گذرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ چند برس پہلے منوج کمار شری واستو یہاں ضلعی کلکٹر تھے۔

انھوں نے اپنی صوابدید پر اس تالاب کے ارد گرد لوہے کے جنگلے لگوا دیے اور یہاں روشنی کا اہتمام کیا نیز ایک نالہ بھی تعمیر کرایا تا کہ موسم برسات میں شہر کا متعفن پانی اس تالاب میں گرنے کی بجائے یہاں سے دور چلا جائے۔مگر جب لائٹس خراب ہوگئیں تو دوبارہ ان کو ٹھیک کرنے کی زحمت نہ کی گئی۔لوگوں نے اس گھور اندھیرے کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے صبح وشام گھروں کا کوڑا کرکٹ یہاں پھینکنا شروع کر دیا۔

پرویز عالم نے لکھا ہے:

''روہتاس کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ وسیم الدین انجم کا کہنا ہے کہ اگر شیر شاہ کے مقبرے کے ساتھ غیر قانونی تعمیرات کے حوالے سے ارباب اختیار کو کوئی شکایت کی بھی جاتی ہے تو اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔سابق ایم پی شہاب الدین نے کہا کہ وہ اس مسئلے کو پارلیمنٹ میں اٹھا چکے ہیں اور اس کا مثبت ردعمل سامنے آئے گا۔ایک انسپکٹر سرونت کمار نے مزار سے ان کا جھنڈا اتارا تو ایک ایم ایل اے اور اس کے حواریوں نے نہ صرف اس پر اور اس کے خاندان پر حملہ کر دیا بلکہ اس کے خلاف ایف آئی آر بھی کٹوا دی کہ وہ مذہبی فسادات کو ہوا دے رہا ہے۔1970ء میں مقبرے کے گرد کچھ نہیں تھا لیکن 1975ء میں ایک

سکول شمالی جانب تعمیر کیا گیا۔اور 1977ء میں ایک مندر بنا،سکول تو کسی اور جگہ منتقل کر دیا گیا مگر مندر موجود ہے۔

پرویز عالم نے لکھا ہے کہ اگر یہی عالم بے حسی رہا تو بعد میں ان کھنڈرات پر آنسو بہانا بے سود ہوگا۔انہوں نے لکھا ہے:

'Twenty-five years have elapsed ever since and during this period many small temples associated with several gods and godesses have been built within this compound. In addition to the safety and preservation of this historical monument, communal harmony and peace has also to be maintained and for all this, it is necessary to remove illegal occupations and buildings otherwise the day is not far off when this grand national monument of India and a marvel of architecture will be converted into ruins and tears will continue trickling down from the aging stones of the tomb."

انصاف پسندی،عدل اور مساوات کی وجہ سے شیر شاہ سوری کا نام اوراق تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھا گیا ہے۔اس نے پانچ سال کے مختصر سے دور حکومت میں وہ انتظامی ڈھانچہ تیار کر دیا جو آج بھی پوری دنیا میں کسی نہ کسی شکل میں برقرار ہے۔شہنشاہ اکبر نے انہی اصولوں کو لے کر اڑتالیس سال تک حکومت کی۔انگریزوں نے شیر شاہی پالیسیوں کی کامل پیروی کی۔

شیر شاہ سوری کے مقبرے اور اس کی تعمیر کردہ دیگر عمارتوں کو نقصان پہنچانے اور ان

کی شکل وصورت تبدیل کرنے کی کوششوں کا آغاز باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت کیا گیا جو یقینا قابل مذمت بات ہے۔ شیرشاہ سوری کا عالی شان مقبرہ جو بہار کے شہر سہسرام میں واقع ہے اس آندھی کی لپیٹ میں آگیا۔سہسرام میں گندمی رنگ کے پتھروں کا یہ مقبرہ اس کی شہرت کی وجہ بن چکا ہے اور اسے نقشے میں خاص اہمیت دی گئی ہے۔غیرملکی سیاح اس مقام پر ضرور آتے ہیں اور اس عظیم بادشاہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں جس نے تاریخ کے دھاروں کو بدل ڈالا۔سہسرام وادئ کیمور کے زیریں حصے میں واقع ہے اور موسم برسات اسے کشمیر جیسا بنا دیتا ہے۔شیرشاہ سوری کے مقبرے کو کئی مؤرخین نے تاج محل پر فوقیت دی ہے۔اس میں مقامی گندمی پتھر استعمال کیا گیا ہے اور یہ مقبرہ اپنی نوعیت کا واحد مقبرہ ہے۔اگرچہ یہ مقام آثار قدیمہ کے اختیار میں ہے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی غیرقانونی ہے۔1938ء میں یہ مزار آرکیالوجیکل سروے انڈیا کے پاس ہے اور اسے ایک قومی یادگار قرار دیا گیا ہے۔

تاہم 1977ء سے یہاں سترہ تجاوزات تعمیر کی گئیں جن کی باقاعدہ رپورٹ درج ہونے کے باوجود کوئی اقدام نہ کیا گیا۔اکتوبر 2001ء میں یہاں غیر قانونی طور پر ’’وواہ منڈپ‘‘ یعنی شادی ہال بھی تعمیر کر دیا گیا۔

پٹنہ سرکل کے آرکیالوجیکل سپرنٹنڈنٹ کے مطابق کچھ بنیاد پرست تنظیموں کے لیڈروں اور کارکنوں کو اس یادگار کا نگران مقرر کیا گیا تھا اور ان ہی لوگوں نے یہ کام شروع کر دیا اور ایک منصوبے کے تحت مقبرے کی زمین پر قابض ہو گئے۔انتظامیہ 13 اکتوبر تک خاموش تماشائی بنی رہی۔آرکیالوجیکل سپرنٹنڈنٹ نے جب گورنر اور چیف سیکرٹری کو اطلاع کی تو Stay Order جاری کیے گئے تاہم چند ماہ بعد دوبارہ کام شروع ہو گیا۔اسی طرح مقبرے کی مغربی سمت اور عیدگاہ سے شمالی جانب ایک مندر کا سنگ بنیاد بھی رکھ دیا گیا جس سے ایک نئے مسئلے نے جنم لیا لیکن آثار قدیمہ کی فوری کارروائی سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔مقبرے کی جھیل کے شفاف پانی کو بھی اب کپڑے دھودھو کر گدلا دیا گیا ہے۔اب یہ پانی بدبودار اور متعفن ہے۔

جب مسٹر منوج کمار سری واستو نے بطور ڈسٹرکٹ کلکٹر چارج سنبھالا تو اس نے اس تالاب کے اردگرد لوہے کا جنگلا پھروا دیا، لائٹیں لگوا دیں۔ایک نالہ تعمیر کروا دیا تاکہ بارش کے دنوں میں شہر کا گندا پانی تالاب میں داخل ہونے کی بجائے باہر نکل جائے۔لیکن جب جنگلا شکستہ ہوا تو دوبارہ اس کی مرمت نہ ہونے سے تالاب ایک بار پھر گندگی سے اٹنے لگا۔یہاں

مورتیوں کو غسل دینے کی رسم بھی ادا کی جاتی ہے جن کے کیمیکل سے مقبرے کی بنیادیں کمزور اور کھوکھلی ہونے کا خدشہ ہے۔

روہتاس کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ وسیم الدین انجم کا کہنا ہے کہ تاریخی آثار کے حوالے سے فوری اقدامات کیے جاتے ہیں اس تناظر میں مقبرے کی حدود میں مندر کی تعمیر کی رپورٹ کی جاتی تو اس کی تعمیر ممکن نہیں تھی لیکن ایم پی سید شہاب الدین نے ان کی بات سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے 13 برس قبل پارلیمنٹ میں اس بات کا تذکرہ کیا تھا۔

1970ء سے پہلے اس مقبرے کے اردگرد کچھ بھی نہیں تھا1975ء میں شمالی جانب ایک سکول تعمیر کیا گیا جس کے بعد لینڈ مافیا حرکت میں آ گئی اور 1977ء میں ایک مندر کھڑا کر دیا،سکول 1997ء میں یہاں سے منتقل کر دیا گیا مگر ''سرویشور مہا دیو مندر'' اب بھی قائم ہے۔1958ء کے قانون کے مطابق کسی تاریخی عمارت اور قومی یادگار کے اردگرد 100 میٹر کی حد میں ہر قسم کی تعمیر غیر قانونی اور قابل مواخذہ جرم ہے۔مندر کی تعمیر کے بعد 1982ء میں اس کے گرد چار دیواری بھی تعمیر کر دی گئی اور پھر مندر کی دوبارہ تعمیر کے لئے چندہ مہم شروع کر دی مگر بے چینی کی بڑی لہر پیدا ہوئی۔تاہم اس وقت سے اب تک اس صحن میں مختلف دیوی دیوتاؤں کے متعدد مندر بنا دیے گئے ہیں۔

اگر اس روش کی روک تھام نہ کی گئی تو اس کا حال بھی وہی ہوگا جو قلعہ روہتاس (جہلم) کا ہے جس کی فصیلیں کھنڈر بن چکی ہیں اور بوڑھے پتھر گہری کھائیوں میں آنسو بہا رہے ہیں۔

باب ۴۳

شیر شاہ سوری کی تعمیرات

قلعہ روہتاس

قلعہ ''روہتاس گڑھ'' کی فتح کو اس نے نیک شگون کے طور پر لیا اور شاید اسی بنا پر جہلم میں دینہ سے سات کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کرادیا غالباً یہ قلعہ مضبوط سرحدی دفاعی حصار بھی تھا۔ بہت سی پرانی سڑکوں کو کشادہ کرایا، پرانی باولیوں کو ازسرِ نو مرمت کرایا۔قلعہ روہتاس کی تعمیر شیر شاہ کی جنگی بصیرت کی آئینہ دار ہے۔ دراصل یہ وہ حساس مقام ہے جہاں سے ماضی کے ہر نامور حملہ آور نے پیش قدمی کی تھی۔ لہٰذا اس مقام پر قلعہ کی تعمیر شیر شاہ کی پیش بندی تھی۔ آریہ، سکندرِ اعظم، سلطان شہاب الدین محمد غوری اور سلطان محمود غزنوی اسی مقام سے گزرے تھے لہٰذا جو اہلِ قلم اس قلعہ کی تعمیر کو ''پیسے اور وسائل'' کا ''ضیاع'' سمجھتے ہیں میں ان سے متفق نہیں ہوں۔ شیر شاہ سے قبل جس قدر بھی حکمراں گزرے انھوں نے سب سے زیادہ توجہ دارالسلطنت میں قلعے، محلات اور مقابر تعمیر کرنے پر صرف کی اگر وہ اپنی سرحدوں پر زیادہ توجہ مرکوز کرتے اور ان پر مضبوط دفاعی حصار بناتے تو شاید شیر شاہ کا شہنشاہیت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔ قلعہ روہتاس کا سب سے بڑا اور اہم کردار یہی ہے کہ ایک تو اس کی موجودگی میں کسی دشمن کو اس طرف کا رخ کرنے کی جرأت ہی نہ ہوئی اور دوسرا تسخیر کشمیر کیلئے یہ مقام ایک اہم چھاؤنی کی حیثیت اختیار کر گیا۔

دفاعی نکتہ نظر سے روہتاس کا محل وقوع آئیڈیل ہے۔اس کے سہ اطراف گہرے برساتی نالے اس کے قدرتی پاسباں ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قلعہ روہتاس کی تعمیر سے قبل یہاں کیا تھا؟ تو اس کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے مگر ملنے والے آثار کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ یہاں اگر کوئی چھوٹا موٹا ''قلعہ'' نہیں تو کوئی ''قدیم بستی'' ضرور موجود تھی۔شاید یہی بستی کھیوڑہ سے لائے جانے والے نمک کی خرید وفروخت کی بناء پر ''منڈی'' کہلاتی ہو۔مگر ''منڈی'' کا لفظ بذاتِ خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں محض نمک ہی کی خرید وفروخت نہیں ہوتی ہوگی بلکہ یہ تمام تر ضروریاتِ زندگی کی خرید وفروخت کا مرکز ہوگا۔ڈھوک ہڈال کے سامنے نالہ گھان کے کنارے ایک مقام ''لون پیڑا'' کے نام سے موسوم ہے ''لون'' پنجابی میں نمک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔مقامی روایت کے مطابق یہاں پر نمک اُتارا جاتا تھا۔اس مقام کے نزدیک ہی ایک قدیم قبر بھی ہے جو عرفِ عام میں ''چٹی قبر'' یعنی ''سفید قبر'' کہلاتی ہے۔صاحبِ قبر کے حالات سربستہ ہیں۔ بہرکیف یہاں روہتاس کے مقام پر تعمیر قلعہ سے پہلے بھی ''کچھ نہ کچھ'' تھا ضرور۔

شیر شاہ نے اس محلِ وقوع کو بہت پسند کیا اور اپنے ماہرینِ تعمیرات سے مشورہ کر کے یہاں روہتاس کے عظیم الشان قلعے کی بنیاد رکھی۔ قلعے کی تعمیر کا کام بڑے زور وشور سے شروع ہوا۔ اردگرد کے دیہات سے مزدوروں اور معماروں کی ٹولیاں روہتاس کا رُخ کرتیں۔ کچھ لوگ ترکی کے پہاڑی سلسلے سے پتھر لانے پر معمور کر دیئے گئے۔ بلا مبالغہ اس قلعے کی تعمیر میں سیکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مزدوروں نے اپنا پسینہ بہایا۔دن رات کی کڑی مشقت رنگ لائی اور چند برسوں میں یہاں ایک خوبصورت سفید قلعہ، سفید کنول کی طرح کِھل گیا۔اس وقت شاہراۂ قدیم کا رُخ بھی تبدیل ہوا اور یہ موجودہ لاہور موڑ (روہتاس روڈ) سے ملوٹ کے پاس سے ایک حفاظتی چوکی ''لال گڑھ'' کے پاس سے گزر کر روہتاس کے خواص خانی دروازے سے اندر داخل ہوجاتی۔تاہم اس دور میں قلعہ کا مین گیٹ ''سوہل خانی'' دروازہ تھا۔ جب کوئی کاروان کسی طرف سے آتا دکھائی دیتا تو مقبرہ

خیر النساء کے چاروں کونوں پر رکھے ہوئے طبل بجا دیئے جاتے۔اور اہلِ قلعہ آ گاہ ہو کر حفظِ ماتقدم کے طور حفاظتی اقدامات کر لیتے۔اس دور میں نالہ گھان کو عبور کرنے کے لئے ایک پل بھی تعمیر کیا گیا تھا۔جس کے کچھ آ ثار آ ج بھی موجود ہیں۔

شیر شاہ کے بعد اس کے جانشینوں میں حصول اقتدار کی رسہ کشی شروع ہوگئی ان حالات کے پیش نظر شہنشاہ ہمایوں نے پھر قسمت آ زمائی کی اور اس کا لشکر کسی طوفانِ بلا خیز کی طرح تر کی (جہلم) کی پہاڑیوں سے گذر کر قلعہ روہتاس کے سامنے آن پہنچا۔شیر شاہ اس وقت سہسرام میں اپنے مقبرے میں محوِ خواب تھا۔ ہمایوں نے اپنے دشمن کی نخوت کو پامال کرنے کے لئے قلعہ روہتاس (جہلم) کے خوبصورت دروازے ''سوہل خان'' کے سر پر طغروں کی طرح سجے ہوئے کنگرے توپوں سے اُڑانے کا حکم دے دیا۔ان کنگروں کی تباہی کے ساتھ ہی گویا ''سلطنتِ سوری'' کے اقتدار کا سورج ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔شیر شاہ سوری کالنجر کے محاصرے کے دوران بارودی سرنگ پھٹنے سے سخت زخمی ہوکر داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔اس کے جانشین اس کا نعم البدل ثابت نہ ہوسکے اور مغلوں نے انھیں اوراقِ تاریخ سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔مگر وہ شیر شاہ کے کئے ہوئے کاموں کو نہ مٹا سکے شیر شاہ کا محکمۂ مال،نظام مال گذاری،شیر شاہ کی تعمیرات، سرائیں، سڑکیں، قلعے،شیر گڑھ کے نام سے بستیاں،مساجد،باولیاں اور سب سے بڑھ کر ''جرنیلی سڑک'' آج بھی شیر شاہ کی یاد دلاتی ہے۔

جرنیلی سڑک (شاہراۂ اعظم)

قدیم دور سے ہندوستانی تاجر دوسرے ممالک سے تجارت کیلئے ٹیکسلا کا راستہ اختیار کرتے تھے۔سکندر اعظم بھی پرانے روٹ سے برصغیر میں داخل ہوا تھا۔موریہ حکومت میں ٹیکسلا دارالحکومت تھا اس لئے ہر طرف سے راستے اسی طرف آتے تھے۔موریہ حکمرانوں نے 03 ق م میں ٹیکسلا سے پاٹلی پتر (پٹنہ، بہار) تک ایک بڑی شاہراہ بنا رکھی تھی۔ چندر گپت

موریہ نے اس سڑک کی دیکھ بھال اور مرمت کیلئے باقاعدہ ایک فوج بنا رکھی تھی۔ جب شیر شاہ سوری کا عہد آیا تو اس نے گنگا کی وادی میں ایک بڑی سڑک تعمیر کرائی اور فوجی نقل و حرکت اور تجارت کیلئے اس نے ایک عظیم شاہراہ بنائی جو شاہراہ اعظم یا گرانڈ ٹرنک روڈ (جی ٹی روڈ) کے نام سے مشہور ہے۔

شیر شاہ نے سسرام کو آگرہ سے ملانے کیلئے ایک سڑک تعمیر کرائی اور پھر اسے مغرب کی جانب ملتان اور مشرق کی جانب سونار گاؤں (بنگال) تک بڑھا دی۔ بعد میں کلکتہ سے پشاور تک یہ سڑک ریڑھ کی ہڈی کی طرح اہمیت اختیار کر گئی۔ شیر شاہ کے جانشینوں اور پھر مغلوں نے اس سڑک کو مزید ترقی دی۔

شیر شاہ سوری نے اس سڑک پر سائنٹفک طریقے سے چیک پوسٹیں (شیر پور اور شیر گڑھ) اور سرائے بنوادیں۔ سڑک کے کنارے درخت لگوائے اور اس کی حفاظت کا انتہائی معقول بندوبست کیا۔ ڈاک اور تجارت میں سرعت آ گئی۔ شاہراہ اعظم پر سنگ میل نسب کیے گئے تھے جن میں سے کچھ آج بھی دستیاب ہیں۔

چٹا گانگ سے یہ سڑکیں سونار گاؤں (ضلع نارائن گنج بنگلہ دیش) سے کلکتہ کے ذریعے بھارت میں داخل ہوتی ہے اور پھر بردھمان، درگاپور، اسنسول، دھن باد، اورنگ آباد، دہری انسونی، سسرام، موہنیا، مغل سرائے، ورنسی، الہ آباد، کانپور، کلیان پور، قنوج، عطا، علی گڑھ، غازی آباد، دہلی، پانی پت، کرنال، انبالہ، لدھیانہ، جالندھر اور پھر امرتسر پہنچتی ہے۔ دہلی اور کلکتہ کی شاہراہ کو آج کل NH2 یعنی نیشنل ہائی وے نمبر دو کہا جاتا ہے۔ دہلی اور واہگہ کے درمیان جو شاہراہ ہے اسے NH1 یعنی نیشنل ہائی وے نمبر ون کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد NH5 ہے جو پاکستان کے شہر لاہور میں سے گزرتی ہے۔ یہ شاہراہ مرید کے، کامونکے، گوجرانوالہ، راہوالی، گکھڑ منڈی، وزیر آباد، گجرات، لالہ موسیٰ، کھاریاں، جہلم، دینہ، سوہاوہ، گوجر خان، روات، راولپنڈی، اٹک، نوشہرہ، پشاور سے لنڈی کوتل پہنچتی ہے اور پھر درہ خیبر میں سے جلال آباد، سروبی ہو کر افغانستان کے دارالحکومت کابل تک جا پہنچتی ہے۔ شاہراۂ اعظم

سے بے شمار ذیلی سڑکیں منسلک ہیں جو دیگر شہروں اور قصبوں کو اس کے ساتھ ملاتی ہیں۔

لال دروازہ یا شیر شاہ گیٹ

شیر گڑھ کا جنوبی دروازہ لال دروازہ کہلاتا ہے جو پرانا قلعہ دہلی کے بالمقابل ہے۔اسے سرخ پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے۔

مسجد قلعہ گنبد

یہ مسجد پرانا قلعہ دہلی کے ساتھ واقع ہے اور قلعہ گنبد مسجد کہلاتی ہے اس کی تعمیر 1541ء میں مکمل ہوئی تھی۔ یہ شیر شاہ سوری کے تعمیری ذوق کی آئینہ دار ہے۔

شیر منڈل

یہ عمارت شیر شاہ نے پرانا قلعہ دہلی کے ساتھ تعمیر کروائی تھی جو فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہے۔

سرائیں

شاہراہ اعظم کے ساتھ ساتھ شیر شاہ نے بے شمار نئی سرائیں بھی تعمیر کرائیں اور وہاں مساجد بھی تعمیر کرائیں۔ان میں سے بے شمار سرائیں آج بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔کئی قصبات اس وجہ سے ''سرائے'' اور ''سرائیں'' یا ''سراں'' کے نام سے موسوم ہو گئے۔

باولیاں

ہر سرائے کے ساتھ پانی کی فراہم کیلئے ایک زینہ دار کنواں بھی کھودا جاتا تھا جسے باولی کا نام دیا جاتا تھا۔شیر شاہ کی تعمیر کردہ باولیاں آج بھی اکثر شہروں میں اپنی اصلی حالت پر

ہیں اور کئی قصبوں کے نام ہی ان کی نسبت سے ''باولی'' کہلاتے ہیں۔

اپنڈکس اے

لودھی خاندان

(1451ءتا1526ء)

بہلول لودھی (1451ءتا1489ء)

لودھی خاندان سلطنت دہلی کا پانچواں اور آخری حکمران خاندان تھا۔ افغانوں کی زبان میں لودھی سے مراد ''بڑا یا بزرگ'' ہے۔ بہلول لودھی کا دادا، فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں کوہ سلیمان میں اپنے وطن کو چھوڑ کر ہندوستان چلا آیا تھا۔ اس نے یہاں ملتان کے صوبیدار کے ہاں ملازمت اختیار کر لی تھی۔

بہلول لودھی کا والد ایک پرگنے کا مالک تھا۔ اس کے انتقال کے بعد بہلول لودھی کی پرورش اس کے چچا اسلام خان نے کی۔ اسلام خان نے بہلول لودھی کو افغان فوج کا سربراہ مقرر کر دیا۔ سید خاندان کے ایک حکمران عالم شاہ کے زمانے میں بہلول لودھی پورے پنجاب کا حاکم بن گیا تھا۔ بعد میں اس نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور وہ دہلی کا بادشاہ بن گیا۔ بہلول لودھی نے اقتدار سنبھالنے کے بعد اپنی افغان نسل کے لوگوں کی سرپرستی شروع کر دی۔ وہ اپنے آپ کو قبیلے کا سردار سمجھتا تھا اور اس لحاظ سے افغانوں کو بہت سے اہم عہدے عطا کیے گئے۔

بہلول لودھی کی خواہش تھی کہ وہ اپنی سلطنت کو وسعت دے۔ ملتان کے لنگاہ خاندان سے اس نے لڑائی کی، مگر ناکام رہا۔ جونپور کی ریاست کو اپنے زیر تسلط کرنے کیلئے اس نے زندگی بھر کوششیں کیں مگر مرنے سے کچھ عرصہ پہلے اسے یہ کامیابی نصیب ہوئی۔ بہلول لودھی کا انتقال 1489ء میں ہوا۔

سکندر لودھی (1517-1489ء)

بہلول لودھی کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سکندر لودھی تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے باپ کے سیاسی اثرات اور مقبوضات کو بڑھاوا دینے کی کوشش کی۔ مگر اس کے اپنے بھائیوں نے اس کی راہ میں مشکلات پیدا کر دیں۔

سکندر لودھی کے بھائی اپنے آپ کو تخت کا حقدار سمجھتے تھے۔ سکندر نے ان میں سے ایک کو اوٹاوہ اور دوسرے کو جونپور کا گورنر مقرر کر دیا۔ جونپور میں امراء نے بغاوت کر دی، سکندر نے اپنے بھائی کی مدد کی مگر وہ نااہل ثابت ہوا۔ اس کی جگہ کسی اور شخص کو گورنر مقرر کر دیا گیا۔ جونپور کے سابقہ سلطان نے سکندر لودھی کے خلاف پھر قسمت آزمائی کی مگر وہ ناکام رہا۔ سکندر لودھی نے بنگال کے حکمران سے دوستی کا معاہدہ کر کے اسے اپنی مخالفت سے باز رکھا۔

سکندر لودھی اپنی انتظامی صلاحیتوں کی بنیاد پر لودھی خاندان میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کی حدود کو وسعت دی اور اپنے حریفوں کو قابو میں رکھا۔ انتظامی ضروریات کے پیش نظر سکندر لودھی نے سلطنت دہلی سے تبدیل کر کے آگرہ میں قائم کیا۔ مجموعی طور پر سکندر لودھی نے سلطنت دہلی کی گرتی ہوئی حالت کو سنبھالا دینے کی کوشش کی اور اس میں اسے کامیابی بھی ہوئی۔ رفاہ عامہ کیلئے اس نے بہت سے اقدامات کیے۔

سکندر لودھی کا انتقال 1517ء میں ہوا۔

ابراہیم لودھی (1517 -1526ء)

سکندر لودھی کے انتقال کے بعد افغان سرداروں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ سکندر کا سب سے بڑا بیٹا ابراہیم لودھی، دہلی کا حکمران ہوگا۔ سکندر کے چھوٹے بیٹے جلال خان کو جونپور کا حکمران بنا دیا گیا۔

ابراہیم لودھی اور جلال خان کے درمیان اقتدار کیلئے ایک چپقلش شروع ہوگئی۔ اس چپقلش میں کئی دفعہ دونوں بھائی برسرپیکار بھی ہوئے۔ ان دونوں کی لڑائیوں سے افغان قوم دو حصوں میں بٹ گئی۔ اس نفاق کے باعث افغانوں کی اجتماعی قوت میں بھی کمزوری آ گئی۔

افغانوں کے درمیان نفاق سے میواڑ کے راجا رانا سانگا نے فائدہ اٹھایا۔ اس نے سلطنت دہلی کے بہت سے علاقے ہتھیا لیے اور اپنی حکومت کیلئے کوششیں شروع کر دیں۔

ابراہیم لودھی چاروں طرف سے مصائب میں گھر گیا تھا۔ اس کیلئے سب سے بڑا خطرہ رانا سانگا کی بڑھتی ہوئی قوت تھی۔ دونوں کے درمیان ایک طویل جنگ جاری رہی۔ آخر کار ابراہیم لودھی نے رانا سانگا سے صلح کر لی۔ ان جنگوں سے ابراہیم لودھی کی فوجی قوت اور سیاسی ساکھ پر کاری ضرب لگی۔

ابراہیم لودھی درشت مزاج اور آمرانہ پالیسوں کا حامل تھا۔ اس رویے سے اس کے امراء اور گورنروں کو بھی مفر نہ تھا۔ وہ محض بدظنی کی بنیاد پر گورنروں کو قید کروا دیتا یا انھیں بے عزت کر دیتا۔ اس رویے سے تنگ آ کر اکثر امراء اس کے خلاف ہونے لگے۔ بہار میں بہت سے امراء نے ابراہیم لودھی سے تنگ آ کر اپنی حکومت قائم کر لی۔

پنجاب کے گورنر دولت خان لودھی پر بھی ابراہیم لودھی کو بھروسہ نہ تھا۔ ابراہیم لودھی کا خیال تھا کہ وہ اس کے خلاف سازشیں کر رہا ہے۔ ابراہیم لودھی نے دولت لودھی کو دہلی میں طلب کیا۔ ابراہیم لودھی نے اس کی سخت بے عزتی کی۔ واپس آ کر اس نے اپنے باپ کو ابراہیم لودھی کے برتاؤ اور عزائم سے آگاہ کیا۔

انھی حالات ومحرکات کے پیش نظر دولت خان لودھی نے بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ بابر نے 1524ء میں پنجاب پر فوج کشی کر کے لاہور پر قبضہ کر لیا اور دولت خان لودھی کو مدد کرنے کے صلے میں جالندھر اور کئی دوسرے اضلاع عطا کر دیے۔ بعد ازاں 1526ء میں بابر نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ہندوستان میں وسط ایشیا ہی کے ایک خاندان مغلیہ کی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

1450ء میں بہلول لودھی نے اپنے نام کا خطبہ وسکہ جاری کیا۔ بعض امراء جو اس کے مخالف تھے۔ انھوں نے والی جونپور سلطان محمود کو دہلی پر حملہ کی ترغیب دی۔ بہلول دیپالپور کی جانب سفر پر تھا وہ واپس آیا اور اس نے سلطان محمود سے جنگ کی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا دوبارہ جنگ ہوئی اور آخرکار یہ طے پایا کہ جو علاقہ سلطان مبارک شاہ کے تصرف میں تھا۔ اس پر بہلول کا قبضہ رہے اور جتنی مملکت والی جونپور ابراہیم کی قلمرو میں تھی۔ اس کو سلطان محمود اپنے

قبضہ میں رکھے۔

1488ء تک سلطان بہلول لودھی نے اڑتیس برس تک حکومت کی اور پرگنہ سیکت کے موضع تلاوتی میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے انتقال پر سکندر لودھی نے حکومت سنبھال لی جو اس کا بیٹا تھا۔ شہزادہ نظام خان کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

1506ء تک سکندر لودھی نے بڑے سکون اور امن و امان سے حکومت کی اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم لودھی بادشاہ بنا۔

1519ء میں سلطان ابراہیم لودھی نے اپنے نام کا سکہ جاری کیا اور حکومت سنبھالتے ہی بہت سے امراء کو قتل کروا دیا۔ اس نے گورنر پنجاب دولت لودھی کے خلاف بھی جنگ کا اعلان کر دیا۔ جس نے لاہور سے کابل پہنچ کر جان بچائی اور ظہیر الدین بابر نے اسے پناہ دی۔ دولت خان لودھی نے اسی دوران بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ 1524ء میں بابر نے لاہور پر حملہ کیا۔ جہاں ابراہیم کا بھائی علاؤالدین بھی اس کے ساتھ آ شامل ہوا۔ ابراہیم لودھی کی فوجوں نے علاؤالدین اور بابر کی مشترکہ فوجوں کو شکست دی۔

1526ء میں بابر دوبارہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اب کی بار فوجوں کی کمان میں وہ خود بھی تھا۔ پانی پت کے میدان میں سخت جنگ ہوئی اور بابر فاتح رہا۔ اس نے دہلی اور آگرہ کی سلطنتوں پر قبضہ کر کے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھ دی۔ سلطان بہلول سے ابراہیم لودھی تک تین بادشاہوں نے حکومت چلائی۔ وہ اکہتر سال پانچ ماہ اور آٹھ دن کاروبار سلطنت چلاتے رہے۔

اپنڈکس بی

ظہیر الدین محمد بابر

ظہیر الدین محمد بابر سلطنت مغلیہ کا بانی تھا۔ بابر کا مطلب ''ببر شیر'' ہے۔ وہ فرغانہ میں پیدا ہوا تھا جو اب ازبکستان میں ہے۔ اس کی تاریخ ولادت 14 فروری 1483ء ہے۔ اس کی قائم کی ہوئی سلطنت مغلیہ 331 برسوں تک برقرار رہی۔ بابر کا نسب باپ کی طرف سے تیمور اور ماں کی طرف سے چنگیز خان تک پہنچتا ہے۔ جب بابر بارہ برس کا تھا اس کا والد عمر شیخ مرزا 1494ء میں انتقال کر گیا اور بابر فرغانہ کے موروثی تخت پر بیٹھ گیا۔ اسے جلد ہی فرغانہ کے تخت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ ایک عرصہ مصائب اس سے نبرد آزما رہے۔ 1504ء میں اس نے کابل کو فتح کر لیا اور ''بادشاہ'' کا لقب اختیار کیا۔ اس نے پانچ بار ہندوستان پر حملہ کیا اور پانچویں مرتبہ اپریل 1526ء میں پانی پت کی پہلی جنگ میں سلطان ابراہیم لودھی کو قتل کر کے مغلیہ سلطنت کی نیو رکھ دی۔ لیکن اصل بنیاد جلال الدین اکبر نے 1556ء میں رکھی۔ 1528ء میں بابر نے میواڑ کے رانا سانگا کو جنگ کنواہہ میں ختم کر کے چندیری پر قبضہ کر لیا اور ایک سال بعد محمود لودھی اور افغانوں کو بہار میں گھاگرا کی لڑائی میں شکست فاش دی۔ اس کے بعد وہ برصغیر کا حاکم بن گیا۔ 26 دسمبر 1530ء کو بابر آگرہ میں انتقال کر گیا جب کہ اس کی تدفین اس کی وصیت کے مطابق کابل میں ہوئی۔ اس نے ایک کتاب تزک بابری لکھی جو ''بابر نامہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ کتاب ترکی زبان میں تھی اکبر نے اس کا ترجمہ فارسی میں کرایا۔ بابر بہت طاقتور تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ دو سپاہیوں کو بغلوں میں دبا کر فصیل

قلعہ پر دوڑا کرتا تھا۔ برصغیر کے کم و بیش تمام دریا اس نے تیر کر عبور کیے تھے اور وہ گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر ایک دن میں 80 میل کا فاصلہ طے کر سکتا تھا۔ اس کا مقولہ تھا کہ ''جب تک اللہ نہ چاہے کچھ نہیں ہو سکتا۔'' اس کی وفات کے وقت ہمایوں کی عمر 23 برس تھی۔ سلطنت میں ابھی تک کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔

جب ہمایوں دریائے جمنا کے کنارے شکار کھیلتے ہوئے علیل پڑ گیا تو وہ آگرہ سفر کرنے کے قابل نہ رہا جب بابر کو اپنے بیٹے کی اس شدید بیماری کا علم ہوا اس نے ایک بجرہ بھیج دیا تا کہ ہمایوں دریا کے راستے آگرہ پہنچ سکے۔ ہمایوں کو دریائے جمنا کے کنارے ایک محل میں ٹھہرا دیا گیا۔ بخارا کے مشہور طبیب سراج قوقچی نے اس کا معائنہ کرنے کے بعد اپنی بے بسی کا اظہار کرے ہوئے کہا کہ جہاں دوا نا کام ہو جاتی ہے وہاں دعا آخری مضبوط سہارا ہوتی ہے اس لیے بادشاہ کو اپنی قیمتی چیز کا نذرانہ دینا چاہیے۔

علی تر خان نے بابر کو مشورہ دیا کہ وہ ''کوہ نور'' بطور صدقہ دے دے۔

اس پر بابر نے کہا۔

''میں اپنے دشمنوں اور دوستوں کو تو دھوکا دے سکتا ہوں لیکن خدا کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ کوہ نور بہت قیمتی ہوگا۔ شاید دہلی کے تخت سے بھی زیادہ قیمتی میں اپنے شیر دل بیٹے کی زندگی اس پتھر کے پیمانے سے نہیں ناپ سکتا۔ مجھے اپنی زندگی ایسے ایک لاکھ پتھروں سے بھی زیادہ قیمتی معلوم ہوتی ہے اگر ہمایوں کی زندگی کے لئے عزیز ترین چیز کا صدقہ ضروری ہے تو میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہوں''

دراصل یہ منگولوں کی قدیم رسم تھی کہ وہ اپنی عزیز ہستی کی بیماری خود لے لیتے تھے۔ بابر نے بھی سر سے پگڑی اتار دی۔ کمر بند کھول دیا اور بے ہوش ہمایوں کی چار پائی کے اردگرد سات چکر کاٹ کر اپنی خواب گاہ میں چلا گیا جہاں جاتے ہی شدید بیمار ہو گیا اور اسی بیماری نے اس کی زندگی لے لی تھی۔ دوسری جانب ہمایوں بالکل غیر متوقع طور پر صحت یاب

ہو گیا۔

قمر زمان مرزا نے ہمایوں کے خلاف سنگین سازش کی اور ایک حسین کنیز کی مدد سے محافظ دستے کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ کنیز ہمایوں کو قتل کرنے کی نیت سے اپنے لباس میں تیز دھار خنجر لے کر پردے کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ ہمایوں نے اسے دیکھ لیا اور جب اس سے وہاں کھڑے ہونے کا سبب پوچھا تو کنیز لڑکھڑا گئی اور اس کی ٹانگیں کانپنے لگی۔ اور خنجر چھوٹ کر نیچے گر گیا ہمایوں نے خنجر اٹھا لیا اور کنیز سے سختی سے پوچھا کہ اس سازش کے پیچھے کون ہے۔ کنیز نے قمر زمان مرزا کا نام لیا۔ ہمایوں نے محافظوں کو اسے گرفتار کرنے کیلئے بھیجا مگر زمان مرزا یہاں سے فرار ہو کر گجرات پہنچ گیا۔ اس وقت ہمایوں کا بھائی بھی تلوار لے کر وہاں آ پہنچا۔ ہمایوں نے کنیز کو اس کے حوالے کر دیا۔

کامران مرزا کے پاس کابل اور قندھار کے علاقے تھے مگر جب اسے بابر کے انتقال کی اطلاع ملی تو وہ تیس ہزار گھڑسواروں کے ساتھ لاہور آن پہنچا۔ لاہور کے صوبہ دار نے یہ اطلاع ہمایوں کو دی۔ ہمایوں نے صوبہ دار کو حسب ذیل فرمان جاری کیا۔

> ''کامران مرزا کو لاہور سے دور روک کر پوچھا جائے کہ اتنی زبردست فوجی قوت کے ساتھ ہندوستان آنے کی وجہ کیا ہے؟ اگر وہ باپ کی قبر پر فاتح خوانی کے لئے آ رہا ہے تو صرف چند ایک افسروں کو اپنے ساتھ لائے جو ایک شہزادے کی جلو میں ہونے چاہئیں۔ اگر وہ اس شرط کو تسلیم نہ کرے تو اس کا راستہ روک لیا جائے''

کامران مرزا نے کہا کہ وہ اپنے باپ کی وصیت کے مطابق اس کی تدفین کابل میں کرنا چاہتا ہے اور یہ تیس ہزار سپاہی بابر کے جسد خاکی کے ساتھ جائیں گے۔ صوبہ دار نے کامران کو ہمایوں کے جواب کے آنے تک انتظار کرنے کو کہا مگر کامران مرزا نے نہایت چالاکی سے اپنے ایک قابل اعتماد شخص کو قلعے میں پہنچا دیا اس نے ایک رات سازش کے ساتھ قلعے کے دروازے کھول دیئے کامران مرزا اپنی فوج کے ساتھ قلعے میں داخل ہو گیا اور اس نے

صوبہ دار کو گرفتار کر لیا جب اس کی اطلاع ہمایوں کو ملی تو اس نے نہایت تحمل کا ثبوت دیا اور بجائے سرزنش کے اُسے لکھا:

''فردوس مکانی قبلہ والد صاحب کی بے وقت وفات پر جب مجھے سب بھائیوں کی ہمدردی کی ضرورت تھی تم نے بغاوت کا علم بلند کر کے فتنہ وفساد کی ایسی شاہراہ ہموار کی جسے مغل سلطنت کے بدخواہ اپنے فائدے کے لئے آسانی سے استعمال کر سکتے ہیں اگر تمہیں تخت وتاج کی ضرورت ہے تو اسے حاصل کرنے کے لئے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں صرف میں ہی نہیں تم بھی دیکھ چکے ہو کہ ملک ومال قبر کے بعد کسی شخص کا ساتھ نہیں دیتا۔ فردوس مکانی قبلہ والد صاحب بھی اسے ہمارے لئے چھوڑ گئے اور ہم اپنے جانشینوں کے لئے چھوڑ جائیں گے، ایسی بے اعتبار چیز کے لئے بھائی کو بھائی کے خلاف میدان جنگ میں کود پڑنا زیب نہیں دیتا۔

اگر تمہیں پورے ہندوستان پر حکومت کی ہوس ہے تو آ جاؤ میں بخوشی یہ امانت تمہیں سونپ دینے کو تیار ہوں اگر تم کابل اور قندھار کے علاوہ پنجاب کو بھی اپنی حکومت میں شامل کرنا چاہتے ہو تو مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے؟ میں تو صرف اس لئے فکرمند ہوں کہ جس علاقے کو ظہیرالدین بابر نے فتح کیا ہے وہ مغلوں کے قبضے میں رہے، میں ہمایوں، کامران، عسکری، اور ہندال میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔ تم پنجاب کو بھی اپنی قلمرو میں شامل کر لو لیکن خدا کے لئے مغل سلطنت کے خلاف تلوار کی نوک سے کام نہ لو۔ اس طرح دوستوں کے حوصلے پست اور دشمن کے حوصلے بلند ہو جائیں گے۔''

26 دسمبر 1530ء کو بابر کا دہلی میں انتقال ہو گیا اور اسے اس کی خواہش کے مطابق

کابل میں دفن کر دیا گیا۔ اس روز عام تعطیل کا اعلان کیا گیا۔ بابر کے چار بیٹے تھے۔

1530ء میں بابر کی موت کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں شہنشاہ بنا۔ کامران کو کابل کا گورنر بنایا گیا۔ جس نے بعد میں سلطنت کا دعویٰ کیا۔ بابر کا تیسرا بیٹا ہندال مرزا سامبھل کا گورنر تھا۔ اور چوتھا عسکری مرزا۔ ہمایوں نے برسر اقتدار آتے ہی پہلے جونپور پر حملہ کیا۔ پھر گجرات پر حملہ آور ہوا۔ جس کے حکمران بہادر شاہ نے بابر کی موت کا سن کر مغلوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا۔ 1535ء میں ہمایوں نے پانچ برسوں میں گجرات کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ گجرات کا قلعہ فتح ہوا اور بہادر شاہ کو شکست ہوئی۔ 1536ء میں چمپانیر کا قلعہ فتح ہوا۔ جس کے بعد بہادر شاہ نے ہمایوں کو صلح کی پیش کش کی۔

1537ء میں بنگال میں شیر خان نے شورش برپا کر رکھی تھی۔ ہمایوں اس بغاوت کو خطرناک سمجھتے ہوئے بیخ کنی کیلئے لشکر لے آیا۔ اس کی عدم موجودگی میں بہادر شاہ نے گجرات پر دوبارہ قبضہ کر کے مالوہ پر ہلہ بول دیا۔

شیر شاہ نے 1527ء میں لودھیوں کے دور اقتدار میں بابر کی فوجوں میں شمولیت بھی اختیار کی تھی۔ بابر کو اس پر بڑا اعتماد تھا اور اس نے اسے بہار میں تعینات کر دیا تھا۔ 1529ء میں محمود لودھی نے بہار پر قبضہ کر لیا تو شیر شاہ نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ محمود لودھی کے انتقال کے بعد شیر خان المعروف شیر شاہ سوری نے بہار میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ 1532ء میں جب ہمایوں گجرات میں تھا۔ شیر شاہ نے بنگال کی طرف سے پیش قدمی کی۔ ہمایوں نے اس کی فوجوں کو روکنے کیلئے لشکر آراستہ کیا۔ 1539ء میں ہمایوں ایک لاکھ سواروں کی جمعیت لے کر شیر شاہ کی سرکوبی کی نیت سے چلا۔ مگر اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ شیر شاہ نے بنگال پر قبضہ کر لیا اور ہمایوں نے فرار ہونے ہی میں عافیت سمجھی۔

1540ء میں ہمایوں قنوج کی جانب بڑھا۔ یہاں بھی اسے شکست ہوئی۔ اور وہ لاہور کی طرف بھاگ نکلا۔ شیر شاہ سوری نے اس کا تعاقب کیا۔ ہمایوں سندھ کی طرف بھاگ گیا۔ پھر بچ بچا کر جودھپور کے علاقہ مارواڑ میں پہنچا۔ یہاں کے راجا نے بھی پناہ دینے سے

انکار کر دیا۔ بعد ازاں اس نے جیسلمیر میں اقامت اختیار کرنے کی کوشش کی۔ ہمایوں اور اس کے ساتھی صحراؤں میں چھپے رہے۔

1542ء کے اکتوبر کے مہینے میں اسکے ہاں ان ہی صحراؤں میں اکبر پیدا ہوا۔ ۱۸ ماہ کی صحرانوردی کے بعد ہمایوں عمر کوٹ پہنچا۔ جہاں اسے شرف مہمانی بخشا گیا۔ پھر ہمایوں کو سندھ کے راستہ قندھار جانے کی اجازت مل گئی۔ جو اس وقت اس کے بھائی مرزا عسکری کی حکمرانی میں تھا۔ مرزا عسکری نے بھی ہمایوں کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ تب ہمایوں دل برداشتہ ہو کر ہرات چلا گیا۔ ایران کے شہنشاہ طہماسپ نے اس کا پر جوش خیر مقدم کیا۔

1545ء میں شہنشاہ طہماسپ نے ہمایوں کی حوصلہ افزائی کی اور اس کی بھرپور جنگی مدد کی اسے چار ہزار گھڑسوار دیئے۔ ہمایوں افغانستان میں داخل ہوا۔ اپنے بھائی عسکری کے قبضے سے قندھار کو آزاد کرایا۔ اور پھر کابل کی طرف بڑھا۔ جہاں اس کا بھائی ہندال مرزا اس کے ساتھ آیا۔

ان خاندانوں کے بعد ظہیر الدین بابر نے 1526ء میں دہلی پر قبضہ کر کے برصغیر پاک و ہند میں خاندان مغلیہ کی بنیاد رکھی۔ بابر کے بعد اس کی اولاد میں سے ہمایوں' اکبر' شاہ جہان' اورنگ زیب اور بہادر شاہ ظفر اولوالعزم بادشاہ ہوئے۔ ہمایوں کے عہد کے دوران کچھ عرصہ سوری خاندان نے بھی حکومت کی۔ اورنگ زیب عالمگیر کی رحلت کے بعد مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا اور جس وقت بہادر شاہ ظفر دہلی کا فرمانروا تھا۔ ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا اور برصغیر کے تخت و تاج پر قبضہ کرنے کے لئے انگریز' سکھ' اور دوسری غیر مسلم طاقتیں اپنی توجہ منعطف کئے ہوئے تھیں۔ اس سارے دور کی تاریخ دراصل ان مسلم شخصیتوں کے گرد گھومتی ہے۔

ظہیر الدین بابر مغلیہ سلطنت کا بانی تھا۔ وہ بارہ سال کی عمر میں 1493ء میں اندجان کے تخت پر بیٹھا۔ اس دوران وہ گیارہ سال تک چغتائی اور ازبک سلاطین سے لڑتا رہا۔ اس نے تین بار اپنے تایا سلطان احمد مرزا کو شکست دی اور سمرقند پر قابض ہوا۔ مگر فرغانہ وغیرہ میں اسے

استقلال نصیب نہ ہوا اور وہ سمرقند سے بدخشاں پہنچا اور پھر کابل کی سرزمین کو زیر کرتا ہوا ہندوستان پہنچا۔

1526ء میں بابر ہندوستان کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ چند ہی مہینوں میں اس کے سب سے بڑے بیٹے ہمایوں نے ان تمام علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ جو ابراہیم لودھی کے تصرف میں تھے۔

1527ء میں میوات کے حاکم راجا سنگرام کو اجمیر اور مالوہ جس کے تصرف میں تھا بابر کی فوجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ کثیر فوج لے کر دہلی کی طرف بڑھا اور مغل فوج کو شکست دی۔ لیکن سیکری کے معرکہ میں بابر کی فوجوں کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ اور وہ ہندوستان کا طاقتور شہنشاہ بن گیا۔

1528ء میں چندیری کا علاقہ جو راجپوتوں کے قبضہ میں تھا اس پر بھی مغلوں کا قبضہ ہوگیا۔ اسی دور میں ہمایوں کو اودھ کے افغان حکمران سے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ بابر کو جب معلوم ہوا تو وہ چندیری سے اس کی مدد کیلئے آیا۔ دشمن کو شکست دی اور دہلی واپس چلا گیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد راجا سنگرام کے بیٹے نے بھی رنتھبور میں ہتھیار ڈال دیئے۔

1529ء میں بابر کو علم ہوا کہ محمود لودھی نے بہار پر قبضہ کرلیا۔ بابر نے پیش قدمی کی اور بہار کا علاقہ فتح کر کے اسے بھی سلطنت مغلیہ کا حصہ بنا دیا۔ پھر وہ بنگال کے حکمران کے مقابل آیا جس نے شمالی بہار پر قبضہ کر رکھا تھا۔

اپنڈکس سی

نصیرالدین ہمایوں

1548ء میں ہمایوں کے تیسرے بھائی کامران مرزا نے جس نے پہلے ہمایوں کے خلاف سرکشی کی تھی۔ اس کی حمایت کا اعلان کیا۔اس طرح ہمایوں دوبارہ اپنے خاندان کا سربراہ بننے میں کامیاب ہوگیا۔

ہمایوں کے بارے میں راقم کی کتاب ''اقوامِ پنجاب'' میں ہے:

''نصیرالدین ہمایوں 4 ذیقعد 913ھ کوارک کابل میں پیدا ہوا۔اس کی تاریخ ولادت ''سلطان ہمایوں خان'' اور ''شاہ فیروز قدر'' کہی گئی تھی۔ ہمایوں کی والدہ کا نام ماہم بیگم تھا جس کا انتقال 13 شعبان 940ھ کو ہوا1520 میں ہمایوں بدخشاں کا حکمران تھا جبکہ بابر 1525 میں ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا۔ 1526 میں ماہم کے بطن سے ایک اور بیٹا پیدا ہوا جس کا نام فاروق رکھا گیا لیکن وہ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکا اور فوت ہوگیا۔ ہندال مرزا1579 میں پیدا ہوا تھا۔ ہمایوں کی بہت سی بیویاں تھیں جن میں زیادہ مشہور یہ تھیں۔

ا۔ میوہ جان

۲۔ بیگہ بیگم سے ایک بیٹی عقیقہ تھی۔ الامان اور جنید برلاس بھی بیگہ بیگم کی اولاد تھے۔

۳۔ گونور بیگم سے ایک بیٹی بانو بیگم تھی۔

۴۔ حمیدہ بانو دختر میر بابا سے جلال الدین اکبر (949ھ) پیدا ہوا تھا۔

۵۔ چاند بی بی

۶۔ شاہ لجابی

۷۔ ماہ چوچک سے بخت النساء، سکینہ بانو، آمنہ بانو، محمد کلیم اور فرخ فال تھے۔

۸۔ خانش آغا سے ابراہیم سلطان مرزا تھا۔ 1557ء میں محمد حلیم پیدا ہوا۔

اس کے علاوہ ہمایوں نے افغانستان کی ایک طاقتور اور دانشمند خاتون حرم بیگم کی بیٹی سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا مگر حرم بیگم نے ٹال دیا۔

ہمایوں کی تخت نشینی

ہمایوں بابر کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ مگر شیر شاہ سوری نے اسے آرام سے حکومت نہ کرنے دی۔ ہمایوں دسمبر 1530ء میں سریر آرائے سلطنت ہوا تھا۔ 27 جون 1535ء کو چوسہ کے مقام پر شیر شاہ نے ہمایوں کو شکست سے دوچار کر دیا۔ اس وقت ہمایوں کی جان نظام (سنبل) سقہ نے بچائی تھی جسے بعد ازاں ہمایوں نے دو دن کیلئے تخت شاہی پر بٹھایا تھا۔ اس لڑائی میں ہمایوں چاند بی بی' شاہ لجابی' بیگہ جان کوکہ از دواج اور عقیقہ بیگم دختر و عائشہ سلطان بھتیجی کو کھو بیٹھا تھا۔

> ''شیر خاں کی قابل تعریف کوششوں کے باوجود چند مستورات گم ہو گئیں۔ مثلاً عائشہ سلطان بیگم صفیہ بیگم، چاند بی بی (جو 7 ماہ کی حاملہ تھی) شاد بی بی وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے آخر الذکر تین ہمایوں کے حرم سے منسوب تھیں۔''

(ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم)

شیر شاہ سوری نے دو فیصلہ کن جنگوں میں ہمایوں کو شکست دے کر ایران کی طرف پناہ گزین ہونے پر مجبور کر دیا اور چار سال چھ ماہ بائیس دن تک تخت شاہی پر متمکن رہا۔ اس کی

تفصیل کے ضمن میں ''تاریخ جہلم'' میں ہے۔

''شیر خان بہت بلند حوصلہ انسان تھا چونکہ مغلوں نے حکومت افغانوں سے چھینی تھی اس لئے شیر شاہ نے برصغیر سے مغل حکومت کو ختم کرنے کا مصمم ارادہ کر رکھا تھا۔ اس نے 1537ء میں محمود شاہ کو شکستِ فاش دے کر بنگال پر قبضہ کر لیا۔ محمود شاہ شکست کھا کر ہمایوں کے پاس مدد کے لئے گیا۔ ہمایوں نے شیر خان کا خاتمہ ضروری سمجھا اور اکتوبر 1537ء تا مارچ 1538ء چنار کا محاصرہ کیا۔ چنار اس وقت شیر خان کے بیٹے قطب خان کے ماتحت تھا۔ شیر خان اس وقت بنگال میں تھا ہمایوں کو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ براہِ راست شیر خان سے ٹکر لیتا مگر وہ چنار کا محاصرہ کر کے پڑا رہا۔ اس محاصرے نے خاصا طول کھینچا، مگر بالآخر یہ قلعہ فتح ہو گیا۔''

{تاریخ جہلم، انجم سلطان شہباز}

ہمایوں نے چنار کے بعد گور کا رُخ کیا شیر خان کے بیٹے جلال خان نے تلیا گڑھی کے مقام پر مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ مگر یہ بھی دراصل شیر شاہ کی ایک جنگی چال تھی وہ ہمایوں کو الجھا کر اپنا خزانہ روہتاس گڑھ میں محفوظ کرنا چاہتا تھا۔ ہمایوں کی عیش پسندی کو مدِّ نظر رکھ کر شیر شاہ نے گور میں بہترین شراب کا بھی ایک بڑا ذخیرہ جمع کر دیا تھا تا کہ ہمایوں یہیں عیش میں مشغول رہے اور اس دوران شیر شاہ کو تیاری کا موقع مل سکے۔ شہنشاہ ہمایوں نے آگے بڑھ کر گور پر قبضہ کر لیا۔ گور کی آب و ہوا اسے بہت پسند آئی اس وجہ سے اس نے اس کا نام ''جنّت آباد'' رکھ دیا۔ ہمایوں نے نو ماہ تک بنگال میں قیام کیا اور گور کی فتح میں خوب جشن منایا۔

اس دوران شیر شاہ نے بہار، بنارس اور قنوج پر قبضہ کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ ہمایوں کو اس کا علم ہوا تو فوراً پلٹا مگر شیر شاہ نے دہلی کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ اس لئے جب تک ہمایوں شیر شاہ کا مقابلہ نہ کرتا اس کا دہلی یا آگرہ پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ شیر شاہ نے اسے

چوسہ کی ایک گھاٹی میں روک لیا اور اپریل 1539ء کو دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ تاہم شیر شاہ نے کسی بے صبری کا مظاہرہ نہ کیا۔ دراصل شیر شاہ موسم برسات تک جنگ کو ملتوی رکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ برسات کے موسم میں ہمایوں جس نے نشیبی جگہ میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ موسم کی ناموافقت کی لپیٹ میں آ جائے۔ اس دوران شیر شاہ نے ہمایوں کو صلح کی گفت وشنید میں الجھائے رکھا۔ مگر صلح کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوسکی یہاں تک کہ بارشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جب نشیب میں بارش کا پانی آیا تو ہمایوں کو ہوش آیا۔ مگر وہ دشمن کے بچھائے ہوئے دام میں پھنس چکا تھا۔ جون کے مہینے میں شیر شاہ نے اچانک مغل فوج پر حملہ کر دیا اس سے ایک دن قبل شیر شاہ نے مغل فوج پر ظاہر کیا کہ وہ ان کا راستہ چھوڑ کر جا رہا ہے مگر یہ بھی شیر شاہ کا ایک جنگی حربہ تھا اس شب کو جب کہ مغل فوجی اپنا ساز وسامان باندھ کر کوچ کی تیاریوں میں مشغول تھے شیر نے شب خون مار کر ان کا بہت سا جانی نقصان کیا اور اگلی صبح کو وہ انھیں ہاتھیوں کے ایک لشکر کے ساتھ پھر اپنے سامنے نظر آیا۔ ہمایوں کے سپاہیوں نے پُل بنا کر دریا عبور کرنے کی کوشش کی مگر شیر شاہ نے پُل پر حملہ کر کے ان کی اس کوشش کو بھی ناکام بنا دیا۔ اس کے بعد عام لڑائی ہوئی جس میں ہمایوں کی فوج کو شکست ہوئی اور ہمایوں نے جان بچانے کیلئے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔ جب اس کا گھوڑا دریا کے درمیان پہنچا تو اس کے پاؤں رکاب سے نکل گئے اور وہ دریا میں ڈبکیاں کھانے لگا۔ اس وقت نظام سقّے نے اپنی مشک کے ذریعے ہمایوں کی جان بچائی اور وہ اسے مشک پر سوار کر کے بحفاظت دریا کے پار لے جانے میں کامیاب ہوگیا۔ دار الحکومت پہنچ کر اس احسان کے بدلے میں ہمایوں نے نظام سقّے کو ایک دن کیلئے تخت پر بٹھایا جس دوران میں اس نے چمڑے کا سکہ جاری کیا۔ اس جنگ کے اختتام پر شیر خان نے ''شیر شاہ'' کا لقب اختیار کیا اور باقاعدہ طور پر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

ہمایوں بخیر وعافیت آگرہ پہنچ گیا اور شیر خان کے مقابلے کیلئے کامران مرزا سے کمک طلب کی۔ کامران نے بیس ہزار سپاہ کے ساتھ شیر شاہ کے مقابلہ پر جانے کی اجازت چاہی مگر ہمایوں نے اس پر اعتماد نہ کرتے ہوئے اس کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ اس کے بعد

کامران لاہور کی طرف روانہ ہوگیا۔روایت کے مطابق اس لڑائی میں مغلوں کے آٹھ ہزار سپاہی کام آئے۔

دوسری جنگ

ہمایوں نے ایک بار پھر تیاری کی اور 40 ہزار سپاہیوں کے ساتھ شیر شاہ کے مقابل آ گیا۔اس مرتبہ پھر شیر شاہ نے پرانا حربہ اختیار کیا اور جنگ کو موسمِ برسات تک ٹالتا رہا۔جب ہمایوں چنار پہنچتا تو شیر شاہ گور پہنچ جاتا اور جب ہمایوں گور پہنچتا تو اسے خبر ملتی کہ شیر شاہ پھر چنار جا پہنچا ہے۔شیر شاہ' ہمایوں سے آنکھ مچولی کھیلتا رہا اور ہمایوں جشنِ فتح کے شادیانے بجاتا رہا۔یہاں تک کے موسمِ برسات کے نزدیک قنوج کے مقام پر شیر شاہ خم ٹھونک کر لشکرِ ہمایونی کے سامنے آ گیا۔اس مرتبہ پھر اس نے ہمایوں کو نشیبی مقام پر خیمہ زن ہونے پر مجبور کر دیا۔ایک دن جب کہ برساتی پانی کے آ جانے کی وجہ سے مغل لشکر اپنی لشکر گاہ تبدیل کرنے میں مصروف تھا۔شیر شاہ نے نہایت سرعت رفتاری سے حملہ کر دیا۔کیوں کہ شیر شاہ پہلے جانتا تھا کہ ہمایوں نے اپنی لشکر گاہ کے لئے غلط جگہ کا انتخاب کیا ہے۔شیر شاہ نے دوسری مرتبہ پھر مغلوں کو دریا میں دھکیل دیا اور ہمایوں کو پھر پسپا ہونا پڑا اس نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا مگر گھوڑا زخمی تھا اس لئے ہمایوں دریا میں گر پڑا اس وقت ایک مہاوت ہاتھی کے ساتھ کنارے پر کھڑا تھا ہمایوں لپک کر ہاتھی پہ چڑھ گیا اور مہاوت کو حکم دیا کہ وہ ہاتھی کو دریا میں ڈال دے مگر مہاوت نے پانی کی تندی کے پیشِ نظر انکار کر دیا۔۔اس پر ہمایوں نے مہاوت کو ہاتھی سے گرا دیا اور ہاتھی کو دریا میں ڈال دیا۔خوش قسمتی سے وہ دریا کے پار پہنچنے میں کامیاب ہوگیا مگر اس جانب والا کنارہ بہت اونچا تھا۔تاہم اس کے سپاہی جو پار پہنچ چکے تھے اسے اپنی پگڑیوں کی رسی سے اوپر کھینچنے میں کامیاب ہو گئے۔اس کے بعد ہمایوں کی حالت اس قدر خراب ہوگئی کہ وہ جدھر سے گذرتا لوگ اس پر حملہ آور ہونے لگتے۔اس کے بعد ہمایوں کی طویل جلاوطنی کا دور شروع ہو گیا۔سندھ کے ریگستانوں کی خاک چھاننے کے بعد اور ہر طرف سے مایوس ہونے

کے بعد اس نے سلطان پور کا رخ کیا اور گکھڑوں نے اسے بحفاظت ایران پہنچا دیا اور پھر ہمایوں کو شیر شاہ کی حیات میں ہندوستان کا رخ کرنے کی ہمّت نہ ہوئی۔

ہمایوں کا تعاقب

شیر شاہ نے جب ہمایوں کا تعاقب کرتے ہوئے دہلی پر قبضہ کرلیا اور پنجاب کی جانب بڑھا تو سلطان پور کے مقام پر سلطان سارنگ اور گکھڑوں سے جنگ کے بعد روات کے مقام پر آخری حصار کے طور پر ایک مضبوط چوکی بنائی اور شاہو سلطانی جو ایک ماہر تعمیرات تھا اُس کو حکم دیا کہ وہ دریائے سندھ اور جہلم کے دوآبہ (سندھ ساگر دوآب) کے درمیان ایک عظیم الشان قلعہ بنانے کے لئے جگہ کا انتخاب کرے۔ اس نے دینہ سے سات کلومیٹر کی دوری پر ''منڈی شہر'' کو منتخب کر کے ''قلعہ روہتاس'' کی بنیاد رکھی۔

17 مئی 1540ء کو قنوج کے مقام پر شیر شاہ نے ہمایوں کی طاقت پر آخری ضرب لگائی اور اس کے بعد ہمایوں مدت دراز تک صحرا نوردی کرتا رہا۔ ہمایوں بھکر اور ٹھٹھہ کی جانب چلا گیا۔ اس دوران سندھ کے سلطان حسین نے بھی اسے نقصان پہنچایا۔ اسی دوران ہمایوں نے حمیدہ بیگم سے شادی کی تھی۔ جس کی عمر اس وقت چودہ سال تھی بالآخر سلطان پور جہلم کے گکھڑوں کے تعاون سے ہمایوں ایران چلا گیا اس کے بعد کامران اور ہمایوں میں ٹھن گئی اس خانہ جنگی میں مرزا ہندال کام آ گیا۔ کامران بھیرہ خوشاب کی طرف بھاگ نکلا مگر آدم خان گکھڑ نے جہلم میں کامران کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر اسے اندھا کر دیا۔ کامران کی اولاد میں بیٹا ابوالقاسم ابراہیم اور بیٹی عائشہ سلطان تھی اس کی بیوی کا نام خانم تھا۔ اندھا ہونے کے بعد کامران نے چار بار حج کی سعادت حاصل کی اور 15 اکتوبر 1557ء کو وفات پا گیا۔ جبکہ عسکری مرزا 1558 کو فوت ہوا۔

ہمایوں کی وفات کے بعد ابوالمالی نے فخر النسا بنت ماہ چوچک سے شادی کر لی اور ماہ چوچک کو ذبح کر دیا۔ ہمایوں کی بہن اور ہمایوں نامہ کی مصنفہ گلبدن بیگم ایک طویل عمر گزار

کر فروری 1603 میں انتقال کر گئی ہندال مرزا کی بیٹی وقت مرگ اس کے پاس تھی۔ گلبدن اس سے قبل حج کی سعادت بھی حاصل کر چکی تھی۔

ہمایوں 20 جنوری 1556 (ربیع الاول 963ھ) کو کتب خانہ کی سیڑھیوں سے گر کر جان بحق ہو گیا۔

قطعہ وفات

ہمایوں بادشاہ آن شاہِ عادل — کہ فیض اُو برعام اُفتاد
ہمائے دولتش چوں یافت رفعت — اساس عمرش ازانجام اُفتاد
چو خورشید جہانتاب از بلندی — بہ پائین در نماز شام اُفتاد
جہاں تاریک شد در چشمِ مردم — خلل در کارِ خاص وعام اُفتاد
قضا از تاریخش رقم کرد — ''ہمایوں بادشاہ از بام اُفتاد''

ہمایوں کا مقبرہ

شیر شاہ سوری کے مقبرے کے بعد ہمایوں کا مقبرہ اور پھر تاج محل تعمیر ہوا جن میں شیر شاہ سوری کے مقبرے کی جھلک ملتی ہے۔ ہمایوں کا مقبرہ اس کی ملکہ حمیدہ بانو نے 1562ء میں تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کا ڈیزائن ایک ایرانی ماہر تعمیر میرک میرزا غیاث الدین نے تیار کیا تھا جسے ہرات سے بلایا گیا تھا اور وہ بخارا اور ہرات (موجودہ ازبکستان) میں کئی عمارات ڈیزائن کر چکا تھا۔ اس کی موت کے بعد ڈیزائن اس کے بیٹے سید محمد نے مکمل کیا۔ یہ برصغیر کا پہلا مقبرہ ہے جو باغ میں تعمیر کیا گیا۔ یہ شرقی نظام الدین دہلی میں دین پناہ ''پرانا قلعہ'' کی فصیل کے قریب واقع ہے۔ دین پناہ کی بنیاد ہمایوں نے 1533ء میں رکھی تھی جہاں بعد میں شیر شاہ نے شیر گڑھ کی بنیاد رکھی۔ اس کے علاوہ اس کی اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ پہلی بار اس مقبرے میں سرخ سینڈ سٹون اتنی وافر مقدار میں استعمال کیا گیا۔ 1993ء میں اسے یونیسکو نے عالمی ورثہ قرار دے دیا۔ یہاں کچھ پرانی یادگاریں بھی ہیں جن میں عیسیٰ خان نیازی

کا مقبرہ بھی ہے جو 1547ء میں تعمیر کیا گیا تھا اس کے ساتھ کچھ اور قبریں بھی ہیں۔عیسیٰ خان نیازی شیر شاہ سوری کا جرنیل تھا جس نے مغلوں کے ساتھ جنگ بھی کی تھی۔

ہمایوں کے مقبرے میں اس کے ساتھ اس کی ملکہ حمیدہ بانو اور شاہ جہاں کے بیٹے داراشکوہ کی قبریں بھی ہیں۔اس کے علاوہ کئی اور نمایاں مغلوں کی قبریں بھی اس کمپلیکس میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ان میں شہنشاہ جہاندار شاہ، فرخ سیر، رفیع الدرجات، رفیع الدولہ اور عالمگیر ثانی کی قبریں شامل ہیں۔ یہ مقبرہ اور چار باغ ہندی تعمیری روایت میں پہلے مغلیہ تعمیری شاہکار ہیں جو کابل میں بابر کے مقبرے اور باغ بابر سے گہری مماثلت رکھتے ہیں۔اس سے جنت نظیر مقبرے بنانے کی روایت شروع ہوئی جس کی روایت ثمر قند میں تیمور نے ''گورامیر'' سے شروع کی تھی۔آگرہ کا تاج محل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

ہمایوں کا مقبرہ حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ اور چلہ گاہ کے قریب ایک ندی یمونہ Yamuna کے کنارے واقع ہے۔1857ء میں آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر نے اپنے تین بیٹوں سمیت یہیں پناہ لی تھی تاہم کیپٹن ہڈسن نے اسے ڈھونڈ نکالا تھا اور آخر اسے رنگون جلاوطن کر دیا گیا تھا۔خاندان غلاماں میں یہ مقام قلعہ کیلوکھیری کے ماتحت تھا جو سلطان کیقباد بن ناصر الدین (1268ء تا 1287ء) کا پایہ تخت تھا۔

جب 20 جنوری 1556ء کو ہمایوں نے انتقال کیا تو اسے پرانا قلعہ دہلی کے محلات میں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد اس کے جسد خاکی کو سرہند (پنجاب) میں منتقل کیا گیا کیونکہ خنجر بیگ کو خدشہ تھا کہ کہیں ہیمو ہمایوں کے مقبرے کو نقصان نہ پہنچائے جو اس وقت ہند کے اقتدار کا مالک و مختار تھا اور اکتوبر 1556ء میں آگرہ اور دہلی میں مغلیہ افواج کو شکست دے چکا تھا۔

1558ء میں اکبر نے ہمایوں کے مقبرے سرہند میں دیکھا۔

دہلی میں ہمایوں کا مقبرہ 1565ء میں شروع ہوا اور 1571ء میں جب تکمیل کے قریب پہنچا تو اکبر نے پھر اس مقبرے کو دیکھا۔مقبرہ 1572ء میں مکمل ہو گیا تھا۔ یہ مقبرہ

1500000 روپوں سے مکمل ہوا تھا۔اس دوران حمیدہ بانو کو ہمایوں کی بیگم ’’حاجی بیگم‘‘ سے بھی کچھ پریشانی ہوئی۔ بعد میں ہمایوں کی ایک عمزاد ’’حاجی بیگم‘‘ مقبرے کی نگران مقرر ہوئی۔ ایک انگریز تاجر ولیم فنچ (William Finch) نے 1611ء میں مقبرۂ ہمایوں دیکھا اور اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ مقبرے کے اندرونے کی خوبصورتی کا ذکر کیا اور بتایا کہ اس میں بیش قیمت قالین تھے۔ سفید چادروں پر قرآن پاک رکھے گئے تھے۔ اسی جانب ہمایوں کی دستار، جوتے اور تلوار رکھی گئی تھی۔ گنبد پر ایک خوبصورت شامیانہ بھی تھا۔ قبر پر بیش قیمت غلاف تھا۔

ماخذ و مراجع

کتاب	مصنف
آئین اکبری	ابوالفضل
معدن اخبار احمدی	احمد بن بہبل بن جمال کمگو (کنبو)
تاریخ شاہی ''تاریخ سلاطین افاغنہ''	احمد یادگار
تاریخ افاغنہ ''تاریخ دولت شیر شاہی''	حسین خان افغان
تذکرۃ الملوک	سید رفیع الدین ابراہیم نورالدین بن توفیق شیرازی
لطائف قدس	شیخ رکن الدین
بابرنامہ یا توزک بابری	ظہیرالدین بابر
تاریخ داؤدی	عبداللہ
ہمایوں نامہ	گل بدن بیگم
گلزار ابرار	محمد غوث شطاری
افسانۂ شاہاں	محمد کبیر بن شیخ اسماعیل ہزیانی
تاریخ رشیدی	مرزا محمد حیدر دغلت
منتخب التواریخ	ملا عبدالقادر ملوک شاہ بدایونی
گلشن ابراہیمی (تاریخ فرشتہ)	ملا محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ
پدماوت	ملک محمد جائسی
طبقات اکبری	نظام الدین احمد بخشی
تاریخ خان جہان ومخزن افغانی	نعمت اللہ بن خواجہ حبیب اللہ (ہرات)
زبدۃ التواریخ	نورالحق مشرقی بن شیخ عبدالحق دہلوی

اکبر نامہ — ابوالفضل

اقوام پاکستان کا انسائیکلو پیڈیا — انجم سلطان شہباز

اقوام پنجاب — انجم سلطان شہباز

آئینہ روہتاس — انجم سلطان شہباز

تاریخ پوٹھوہار — انجم سلطان شہباز

تاریخ جہلم — انجم سلطان شہباز

تاریخ روہتاس — انجم سلطان شہباز

تذکرۃ الواقعات — جوہر آفتابچی

کیگو ہرنامہ — رائے زادہ دیوان دونی چند

تذکرۂ پوٹھوہار — راجہ محمد ارتاسپ

شیر شاہ سوری — ستار طاہر

تزک بابری — ظہیرالدین بابر

واقعات مشتاقی — عبداللہ مشتاقی عرف رزق اللہ مشتاقی

شیر شاہ سوری اور اس کا عہد — قانون گو کالکا رنجن

تاریخ روہتاس — قانون گو لالہ مہکراج

ٹلہ جوگیاں اور روہتاس — منظر شاہ

شیر شاہ سوری — ڈاکٹر عطیہ الرحمن

تاریخ شیر شاہی ''تحفہ اکبر شاہی'' — عباس خان بن شیخ علی سروانی

ڈسٹرکٹ گزٹیر جہلم

لائف اینڈ ٹائمز آف ہمایوں — ڈاکٹر ایشوری پرشاد